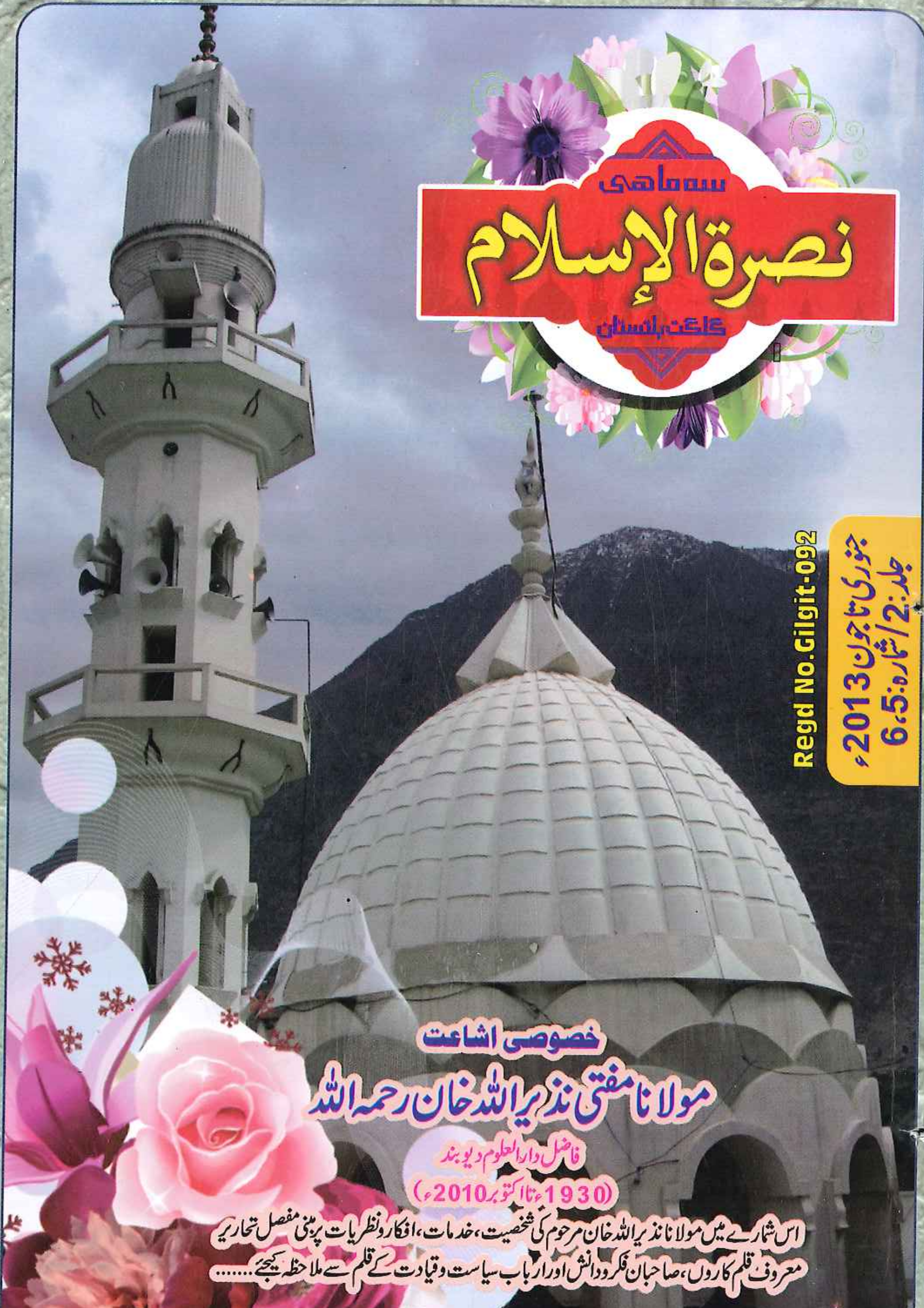

سہ ماہی

نصرۃ الإسلام

گلگت بلتستان

Regd No.Gilgit-092

جنوری تا جون 2013ء

جلد:2/شمارہ:5،6

خصوصی اشاعت

مولانا مفتی نذیر اللہ خان رحمہ اللہ

فاضل دارالعلوم دیوبند

(1930ء تا اکتوبر 2010ء)

اس شمارے میں مولانا نذیر اللہ خان مرحوم کی شخصیت، خدمات، افکار و نظریات پر مبنی مفصل تحاریر معروف قلم کاروں، صاحبان فکر و دانش اور ارباب سیاست و قیادت کے قلم سے ملاحظہ کیجئے......

مولانا مفتی نذیر اللہ خان ؒ کو برصغیر عظیم دینی درسگاہ "دارالعلوم دیوبند" کی جانب سے عطاء کردہ "سند الفراغ" کا خصوصی عکس جس پر کبار اساتذہ رحمہم اللہ کے دستخط ثبت ہیں۔

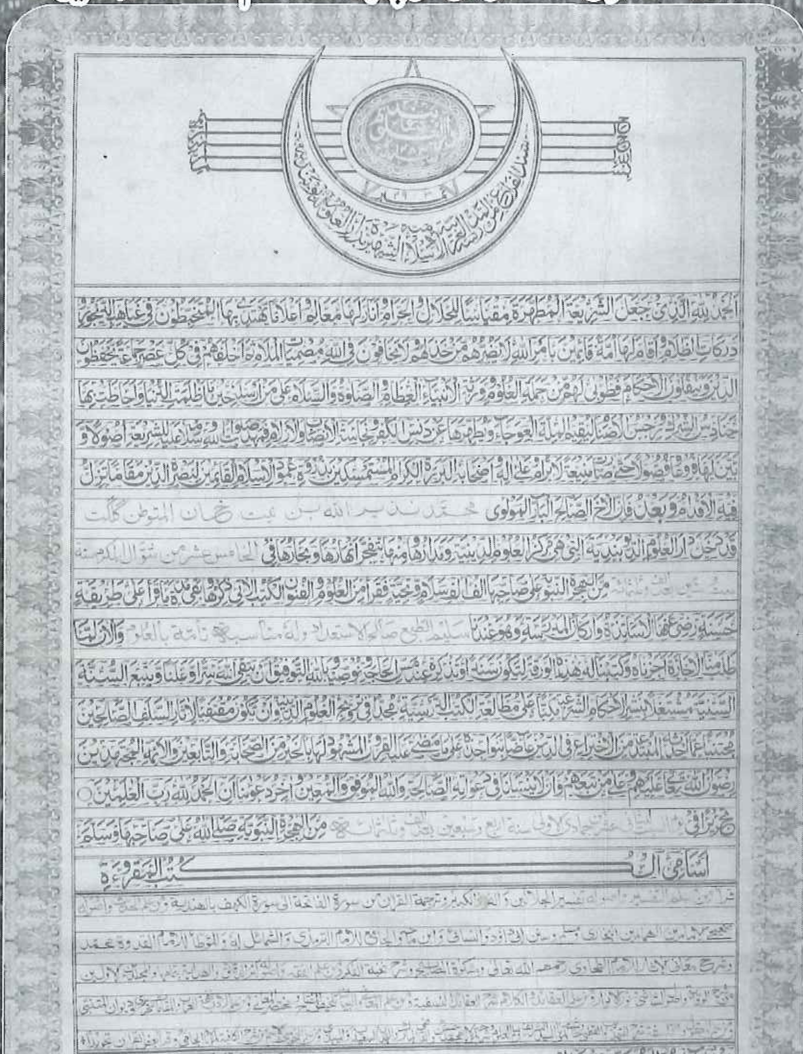

الحمد لله الذي جعل الشريعة المطهرة مقياسا للحلال والحرام وانار لها معالم واعلاما يهتدي بها المتخبطون في غياهب الدجى
ودركات الظلام واقام لها ائمة قائمين بامر الله لا يضرهم من خذلهم لا يخافون في الله مصيبات الملامة اخلفهم في كل عصر جماعة يحفظون
الدين ويشاورون الاحكام فطوبى لهم من حملة العلوم ورثة الانبياء العظام والصلوة والسلام على من ارسل حين اظلمت الدنيا واحاطت بها
حنادس الشرك ورجس الاصنام ليقيم الملة العوجاء ويطهرها عن دنس الكفر ونجاسة الانصاب والازلام فمهد صلوات الله وسلامه عليه للشريعة اصولا و
بين لها فروعا وفصولا حتى صارت سبعة لا ترام وعلى اله واصحابه البررة الكرام المستمسكين بذروة عمود الاسلام القائمين لنصرة الدين مقاما تزل
فيه الاقدام وبعد فان الاخ الصالح البار المولوي محمد نذير الله بن ... خان المتوطن گلگت
قد دخل دار العلوم الديوبندية التي هي مركز العلوم الدينية ومدارها ومنها تتفجر انهارها وبحارها في الخامس عشر من شوال المكرم سنة
... من الهجرة النبوية على صاحبها الف الف سلام وتحية فقرأ من العلوم والفنون الكتب الآتي ذكرها في مدة ما وأقرأ على طريقة
حسنة رضي عنها الاساتذة واركان المدرسة وهو عندنا سليم الطبع صالح الاستعداد وله مناسبة تامة بالعلوم والان لما
طلب منا الاجازة اجزناه وكتبنا له هذه الورقة لتكون سندا له وتذكرة عند مس الحاجة ونوصيه وبالله التوفيق ان يتقي الله سرا وعلنا ويتبع السنة
السنية مشتغلا بنشر احكام الشرع مكبا على مطالعة الكتب الدرسية مجدا في ترويج العلوم الدينية وان يكون مقتفيا لآثار السلف الصالحين
مجتنبا عما احدثه المبتدعون من الاختراع في الدين عاضا بنواجذه على ما مضى عليه القرون المشهود لها بالخير من الصحابة والتابعين والائمة المجتهدين
رضوان الله تعالى عليهم وعلى من تبعهم وان لا ينسانا في دعواته الصالحة والله الموفق والمعين وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين
حرر في ... جمادى الاولى سنة اربع وسبعين بعد الف وثلثمائة من الهجرة النبوية صلى الله على صاحبها وسلم

اسامي الكتب المقروءة

امضاءات المدرسين الكرام والاراكين العظام بدار العلوم

اعزاز احمد

گلگت بلتستان کا اولین دینی، اصلاحی و تحقیقی مجلّہ

نُصرۃ الإسلام

سہ ماہی گلگت

شمارہ: ۵، ۶	جنوری تا جون ۲۰۱۳ء	جلد: ۲

بیاد:

بطل حریت حضرت مولانا قاضی عبدالرزاق رحمہ اللہ
(فاضل دارالعلوم دیوبند)

سرپرست اعلیٰ:

حضرت مولانا
ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب حفظہ اللہ

چیف ایڈیٹر

مولانا قاضی نثار احمد

ایڈیٹر

ابن شہزاد حقانی

القرآن

والعصر ان الانسان لفی خسر، الا الذین امنوا و عملوا الصلحت و تواصوا بالحق و تواصوا بالصبر

ترجمہ: قسم ہے زمانے کی (جس میں نفع و نقصان واقع ہوتا ہے) کہ انسان (بوجہ تضیع عمر کے) بڑے خسارے میں ہیں مگر جو لوگ کہ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے (کہ یہ کمال ہے) اور ایک دوسرے کو (اعتقاد) حق (پر قائم رہنے) کی فہمائش کرتے رہے اور ایک دوسرے کو (اعمال کی) پابندی کی فہمائش کرتے رہے۔

الحدیث

عن انس رضؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: ما اکرم شاب شیخاً من اجل سنه الا قیض اللہ له عند سنه من یکرمه (ترمذی)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو جوان کسی بوڑھے بزرگ کا اس کے بڑھاپے ہی کی وجہ سے ادب واحترام کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس جوان کے بوڑھے ہونے کے وقت ایسے بندے مقرر کرے گا جو اس وقت اس کا ادب واحترام کریں گے

قیمت، فی شمارہ =/50روپے، سالانہ زرتعاون: اندرون ملک =/250روپے، بیرون ملک =/600=روپے

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ: ایڈیٹر سہ ماہی نصرۃ الاسلا، جامعہ نصرۃ الاسلا عیدگاہ روڈ گلگت، گلگت بلتستان
ای میل: ibshaqqani@gmail.com رابطہ نمبر: +92-5811-453279,03003955122,03462974626

پبلشر: مولانا قاضی نثار احمد، جامعہ نصرۃ الاسلام عیدگاہ روڈ گلگت، گلگت بلتستان

عکس نما

آواز حق (اداریہ)

سیلف امپاورمنٹ اینڈ گورننس آرڈر 2009ء ایک تنقیدی ومشاہداتی جائزہ، مدیر اعلیٰ کے قلم سے ۵

مکالمات و ڈائیلاگ

بین المذاہب اختلافات اور مکالمہ کے ذریعہ ان کا حل قرآن وسیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں........ پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی ۱۷

سیرت الصحابہؓ

خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنیؓ کے مختصر حالات زندگی (پہلی قسط)................مولانا ظہیر احمد ۲۸

سفر نامہ

وادی غذر: یاسین ولی کا ایک دلچسپ سفر (آخری قسط)......... امیر جان حقانی ۲۹

کشمیریات

گلگت بلتستان کا مسئلہ اور پاکستانی حکمران!.........ابوعمار زاہد الراشدی ۳۸

سوانح عمری

مولانا مفتی نذیر اللہ خان رحمہ اللہ 1930ء تا اکتوبر 2010ء)...امیر جان حقانی ۴۰

پیغامات حزن

مولانا نذیر اللہ مرحوم کی وفات پر مختلف قومی وسیاسی رہنماؤں کے پیغامات -

مقالات و مضامین

مادر علمی دار العلوم دیوبند کے رفیق سفر.........مولانا حبیب اللہ (فاضل دار العلوم دیوبند) ۱ـ

مولانا نذیر اللہ خانؒ ایک عہد ساز شخصیت............قاضی نثار احمد (خطیب جامع مسجد گلگت) ۱

حضرت مولانا نذیر اللہ صاحب رحمہ اللہ سے میری شناسائی.....مولانا مفتی غلام مصطفیٰ لاہور ۱ـ

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا ....مولانا عطاء اللہ شہاب (ممبر جی بی کونسل) ۱۹

آہ! مولانا نذیر اللہ خان صاحبؒ.......قاری عبدالحکیم (سابق ممبر گلگت بلتستان اسمبلی) ۹۷

مولانا نذیر اللہ مرحوم میرے اولین استاد.....شیر باز علی برچہ (بڈلف ہاوس گلگت) ۱۰۰

اپنے بھی خفا مجھ سے بیگانے بھی ناخوش.........جمشید خان دکھی ۱۰۱

مولانا نذیر اللہ مرحوم ایک وسیع دل انسان.......عبدالخالق تاج ۱۰۳

حضرت مہتمم صاحب کی زندگی پر ایک طائرانہ نظر............مولانا عطاء الحق ۱۰۴

کالم کارنر

رقعہ تہنیت وعقیدت.....حافظ حفیظ الرحمان (چیف آرگنائزر پاکستان مسلم لیگ گلگت بلتستان) ۱۰۸

مولانا نذیر اللہ مرحوم ایک جگمگاتا نام...........صباح الدین غذری ۱۰۹

اتحاد بین المذاہب کے سچے داعی!.....مولانا عبدالسمیع (امیر جماعت اسلامی گلگت بلتستان) ۱۱۱

مولانا نذیر اللہ مرحوم، کچھ یادیں کچھ باتیں.....مولانا حبیب اللہ دیدار ۱۱۳

مولانا نذیر اللہ خان! ایک عہد ساز شخصیت ایک مظلوم خادم..................محمد نذیر خان ۱۱۴

مرحوم ومغفور چچا محترم ایک شفیق سرپرست.........عنبرین تبسم ۱۱۷

آہ! وہ شخصیت جنہی بدا ہوا .... محمد حمزہ گلگتی (پھنڈر) ۱۱۸

مسائل وفضائل

آپ کے مسائل اور انکا شرعی حل........مفتی عبدالباری (صدر مدرسہ و مفتی جامعہ نصرۃ الاسلام) ۱۲۰

تبصرہ وتعارف کتب ۱۲۱

مختلف کتب ورسائل پر تبصرہ .... نصر کے قلم سے

اخبار درمیاں ۱۲۷

جامعہ کے شب وروز.........مولانا حبیب اللہ دیدار

مراسلات ۱۳۹

.. قارئین سے مراسلات ومختصر مضامین.........ادارہ

نامے میرے نامی

ایڈیٹر کے نام.........قارئین کرام ۱۴۱

آواز حق (اداریہ) چیف ایڈیٹر کے قلم سے

سیلف امپاورمنٹ اینڈ گورننس آرڈر 2009ء

ایک تنقیدی و مشاہداتی جائزہ

گلگت بلتستان جو نصف صدی سے زیادہ عرصے شمالی علاقہ جات کے نام سے معروف رہا، ایک حساس علاقہ ہے۔ یہ خطہ جغرافیائی اور دفاعی و سیاحتی حوالے سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اور آج کل مذہبی کشیدگی اور قتل و غارت کے اعتبار سے بھی دنیا بھر میں ایک ''نرالا'' مقام رکھتا ہے۔ تقسیم ہند کے دوران ریڈ کلف اور وائسرے ہند کی بد دیانتی کی وجہ سے آزاد کشمیر، جموں کشمیر کے ساتھ یہ علاقہ بھی ہنوز مختلف النوع مسائل کا شکار ہے۔ وہ اس لیے کہ یہ تینوں علاقے جو ۸۴ ہزار مربع میل ایک ہی ریاست تھے۔ 16 مارچ 1946ء میں جب معاہدہ امرتسر ہوا اور برٹش انڈیا (برطانوی ہند) نے ریاست جموں و کشمیر کو مہاراجہ گلاب سنگھ کو 75 لاکھ شاہی نانک (روپے) کے عوض فروخت کیا تو ریاست جموں و کشمیر میں شمالی علاقہ جات (یعنی گلگت بلتستان) بھی شامل تھے۔ ضلع استور اور بلتستان کو مہاراجہ گلاب سنگھ کے زیر نگیں رکھا گیا اور ضلع گلگت اور اس کے مضافاتی و ملحقہ علاقہ جات کو دفاعی طور پر اپنے پاس ہی رکھا مگر انتظامی امور کو سلجھانے اور نمٹانے کے لیے مہاراجہ گلاب سنگھ کے گورنر گھنسارا سنگھ کے حوالے کیا گیا۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ پاکستان کی طرح ریاست جموں و کشمیر (آزاد کشمیر و گلگت بلتستان) کو مذاکرات کے ذریعے آزادی نہیں ملی بلکہ یہاں کے غیور عوام، علماء اور مجاہدین کی بے پناہ قربانیوں کے عوض آزادی ملی۔ مجاہدین آزادی اور کشمیر انفنٹری کے نوجوانوں نے شمالی علاقہ جات اور کشمیر سے ڈوگرہ فوج کو مار بھگایا۔ جذبہ جہاد و حق آزادی کے جذبہ بے کراں کو لیے مجاہدین اہل حق نے جب سرینگر کے دہلیز پر قدم رکھا تو انڈیا کو سخت تکلیف ہوئی اور ڈر لگا۔ افراتفری کے اس موقع پر انڈیا اپنی مکاری کو کام میں لاتے ہوئے اس مسئلے کو اقوام متحدہ میں لے گیا۔ یوں ریاست جموں و کشمیر (آزاد کشمیر، گلگت بلتستان اور جموں کشمیر) ایک متنازعہ علاقے کے طور اقوام متحدہ (United Nation) کے عالمی ایجنڈے میں آ گیا۔ U.N.C.I.P (یونائیٹڈ نیشن کمیشن فار انڈیا اینڈ پاکستان) تشکیل میں آئی۔ اس نے اس علاقے کو ایک متنازعہ خطے کے طور پر تسلیم کیا اور ایک قرارداد منظور ہوئی جس کے تحت جب بھی استصواب رائے ہوگی۔

U.N.C.I.P کی فوج کے زیر نگرانی ہوگی۔ ان متنازعہ علاقوں سے پاکستان اپنی فوج کا مکمل انخلاء جبکہ انڈیا جزوی انخلاء کریگا۔ ان متنازعہ علاقوں کے حوالے سے U.N.C.I.P نے کئی ایک کوششیں کی مگر انڈیا کی ہٹ دھرمی اور خبث باطن کی وجہ سے ثمر بار نہ ہو سکیں۔ عالمی میدان میں ہمیشہ اس حوالے سے پاکستان کو اخلاقی برتری حاصل رہی اور قضیہ کشمیر مضبوط ہوتا گیا۔ بعد کے کچھ ادوار خصوصاً معاہدہ شملہ، مشرف کے کمزور ترین نکات اور کارگل وار میں نااہل حکمرانوں کی وجہ سے پاکستان عالمی برادری سے تعاون حاصل کرنے میں ناکام بھی ہوا اور مسئلہ کشمیر کو پاکستان اور انڈیا کا اندرونی مسئلہ قرار دیا جانے لگا حالانکہ اس سے پہلے یہ ایک عالمی مسئلہ تھا۔

پاکستان کے زیر انتظام علاقوں میں شمالی علاقہ جات اور آزاد کشمیر ہیں۔ انتظامی دشواریوں کی وجہ سے آزاد کشمیر کی قیادت نے معاہدہ کراچی (28 اپریل 1949) کے ذریعے گلگت بلتستان کو وفاق کے حوالہ کیا۔ آزاد کشمیر کو 74ء کے ایکٹ کے ذریعے کچھ آئینی صورت دے گئی، اس وقت کی حکومت پاکستان نے مسئلہ کشمیر کی عالمی پوزیشن کو مدنظر رکھتے ہوئے کشمیریوں کو یہ حقوق دیے تھے' اس دور میں وہ اس سے خوش تھے جبکہ آج کشمیری قیادت بھی اس میں اصلاحات چاہتی ہے۔ جبکہ گلگت بلتستان کو مختلف ادوار میں مختلف اصلاحاتی پیکجز دیے گئے، ان پر گفتگو کافی تفصیل طلب ہے تاہم سیلف امپاورمنٹ اینڈ گورننس 2009ء کے نام سے ایک مخصوص طبقے کو نوازنے کے لیے ایک انتظامی پیکج دیا گیا جو صدر زرداری صاحب کی ایماء پر چند بابو حضرات نے لکھا ہے۔

ہم نے روز اول ہی سے اس مخصوص مذہبی سوچ و تعصب کے حامل پیکج کو مسترد کیا تھا۔ ہمیں ماقبل کے پیکجز کا حشر سامانیوں سے واقفیت تھی۔ تاہم گزشتہ چار سالوں میں یہ پیکج اپنی تمام تر حشر سامانیوں سے ساتھ براجمان ہے۔ ہم نے اس پیکج کی مخالفت کسی مذہبی بنیاد پر نہیں کی بلکہ ہم نے مملکت خداداد پاکستان کو اپنی آئینی و اسلامی منزل و ماویٰ اور مقبوضہ کشمیر کے مظلوم بھائیوں کی آزادی کو اپنا اولین فریضہ سمجھ کر مخالفت کی۔ محبِ وطن اہلیان گلگت بلتستان کے عوام کی ایک بھاری تعداد نے اپنے قول و فعل سے یہ ثابت کر دیا کہ پاکستان کی سالمیت و بقاء اور مقبوضہ کشمیر کے مسلم بھائیوں کی آزادی و حریت کا یہ تقاضا ہے کہ پاکستان کے زیر انتظام آزاد کشمیر و گلگت بلتستان جو آل جموں و کشمیر کے آئینی و تاریخی حصے ہیں کو باہم ملا کر ایک ایسا پلیٹ فارم تشکیل دیا جائے کہ مملکت پاکستان سے یہ "ون یونٹ" انتظامی طور پر مستفید بھی ہو اور کشمیر کاز کو نقصان بھی نہ پہنچے۔ ہم نے بارہا مقتدر طبقوں کی توجہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اس اہم مسئلے کی طرف دلائی۔ تقریر و تحریر اور دیگر ذرائع کو اپنی بساط کے مطابق استعمال میں لایا' مکمل آئینی و جمہوری جدوجہد کی، احتجاجی دھرنے ہوئے۔ مگر کسی کے کانوں جوں تک نہیں رینگی بلکہ اس انتظامی حکم نامے کو باقاعدہ آئینی صورت دینے کے لیے کام شروع کیا جانے لگا جو تقریباً ناممکن ہے تاہم جس کی وجہ سے ہمیں سخت تشویش ہوئی۔ گلگت بلتستان کی جملہ مقتدر احباب سے مشاورت کی گئی بالآخر اس طوفان بدتمیز کو روکنے کے عملی اقدامات کا پروگرام بنایا گیا، یوں ایک مقدس مشن کو لے کر ہم اسلام آباد پہنچے۔ انتہائی اختصار کے ساتھ یہاں اس کی روائیداد درج کی جارہی ہے تاکہ سچ اور جھوٹ میں تمیز ممکن ہو سکے۔ قوم و علاقے اور ملت کے درد میں اسلام آباد اور گلگت کے بڑے بڑے عالی شان محلات اور ہوٹلوں میں تعیش، پروٹوکول اور قومی دولت لوٹنے والوں کی اصلیت بھی سامنے آجائے اور در پردہ کچھ حقائق بھی اور تاریخ کا ریکارڈ بھی درست رہے۔

راقم الحروف' دیامر قومی جرگہ (جس میں ضلع دیامر کی تمام مذہبی و سیاسی قیادت بشمول جناب ملک مسکین صاحب اور جناب حاجی امیر جان صاحب، جناب مولانا عبدالسمیع جماعت اسلامی گلگت بلتستان' عطاء اللہ چیئر مین دیامر ڈیم ایکشن کمیٹی' اقبال صاحب مسلم لیگ ق' مولانا حق نواز امیر جے یوائی بلتستان' و جنرل سیکریٹری انجمن اہل سنت بلتستان' قاری عبدالحکیم استوری سابق ممبر جی بی اسمبلی و امیر جے یوائے ضلع استور' عنایت اللہ شمالی چیئر مین جی بی این اے' اہل سنت و الجماعت گلگت بلتستان اور دیگر سیاسی و مذہبی رہنماؤں سے طویل مشاورت کے بعد یہ طے ہوا کہ اس انسانیت کش پیکج سے جان چھڑائی جائے۔ اور وحدت کشمیر کی راہ نکالی جائی اور تحریک آزادی کشمیر کی راہ میں کوئی دشواری بھی پیش نہ آئے۔ جماعت اسلامی آزاد کشمیر کے وساطت سے کشمیری قیادت سے ایک اہم اجلاس چھ (6) فروری کو طے ہوا۔ جو قاضی حسین احمد کی وفات کی وجہ سے ملتوی ہو کر 7 فروری کو منعقد ہوا۔

تاہم کام کو آگے بڑھاتے ہوئے ہم نے آئینی اور دفاعی ماہرین سے بھی مشاورت کی اس کے بعد آزاد کشمیر کے لیڈر شپ کے ساتھ باقاعدہ نشستیں شروع ہوئی۔ ہماری دعوت پر حکومت آزاد کشمیر اور آزاد کشمیر و جموں کشمیر کے تمام سیاسی و مذہبی اور جہادی قیادت نے لبیک کہا۔ چند اہم سیاسی و جہادی پارٹیوں کی قیادت کے نام لکھنا مناسب لگتا ہے۔ جناب عبدالرشید ترابی امیر جماعت اسلامی آزاد جموں کشمیر' جناب مشتاق احمد ایڈوکیٹ صاحب' نائب امیر جماعت اسلامی آزاد و جموں کشمیر' راجہ فاروق حیدر صدر پاکستان مسلم لیگ (ن)' جناب سردار یعقوب صدر حکومت آزاد کشمیر' جناب چودھدری عبدالمجید وزیر اعظم آزاد کشمیر' جناب جسٹس عبدالمجید رہنما لبریشن فرنٹ آزاد کشمیر' سردار انور خان سابق صدر آزاد ریاست جموں وکشمیر' سردار عتیق خان سابق وزیر اعظم آزاد ریاست جموں وکشمیر' جناب امان اللہ خان صاحب چیئر مین جے کے ایل ایف' جناب یاسین ملک چیئر مین جے کے ایل ایف' جناب غلام محمد صفی رہنماء حریت کانفرنس (گیلانی گروپ) جناب محمود ساغر رہنما حریت کانفرنس (میر واعظ گروپ)' چودھدری منیر حسین شہید بھٹو گروپ' مولانا نذیر فاروقی جے یو آئی آزاد کشمیر' نورالباری نائب امیر جماعت اسلامی آزاد ریاست جموں وکشمیر اور گلگت بلتستان کے تمام رہنماؤں کی طویل بحث و مباحثہ کے بعد متفقہ طور پر چند اہم امور پر دستخط کیے گئے۔ ایک کوارڈینیشن کمیٹی تشکیل دی گئی۔ دونوں طرف کے قائدین پر مشتمل ایک مشاورتی اجلاس میں 7 جنوری 2013 ء کو جن اہم نکات پر مکمل اتفاق کرتے ہوئے اعلامیہ جاری کیا گیا۔ یہ مشترکہ اعلامیہ مفاد پرستوں کو ہضم نہ ہوسکا، انہوں نے اس پر واہ ویلا شروع کر دیا جو سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ مقامی اخبارات شاہد ہیں۔ اعلامیہ ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

☆.... آزاد کشمیر و گلگت بلتستان کی قیادت نے اپنے ایک مشاورتی اجلاس میں تحریک آزادی کشمیر کی تقویت اور پاکستان کی سلامتی کے لیے ریاست کے دونوں آزاد حصوں کے ایک مشترکہ آئینی اور انتظامی ڈھانچے کی تشکیل پر اتفاق کرتے ہوئے اس عزم کا اظہار کیا کہ ریاست کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی ہر سازش کا بھر پور مقابلہ کیا جائے گا۔

☆.... اجلاس میں آزاد جموں وکشمیر کے عبوری آئین اور گلگت بلتستان کے موجودہ انتظامی بندوبست کی بھی کشمیریوں کی وحدت کے مغائر قرار دیا اور گلگت بلتستان میں مسلسل بدآمنی اور ٹارگٹ کلنگ کے واقعات پر شدید تشویش کا اظہار کرتے ہوئے وہاں موجودہ پیکج گورننس آرڈر 2009ء کے تحت قائم ہونے والے نظام کی ناکامی قرار دیا۔ مذہبی و سیاسی تنظیموں اور کشمیری قیادت کی تجاویز کو نظر انداز کرتے ہوئے وہاں مسلط کیا گیا۔

☆... گلگت بلتستان کو سٹریٹیجک (Stratigic) اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے وہاں فی الفور ایک ایسا آئینی و جمہوری انتظام کیا جائے جسے تمام سیاسی جماعتوں اور مکاتب فکر کا اعتماد حاصل ہو اور خطے کے تاریخی پس منظر کی روشنی میں آزاد جموں وکشمیر کے ساتھ آئینی اور انتظامی لحاظ سے مربوط ہو' تاکہ ریاست کے دونوں حصے تحریک آزادی کشمیر کے لیے بیس کیمپ کا کردار ادا کر سکیں اور اندرونی و بیرونی دشمنوں کے عزائم ناکام ہوسکیں۔

☆ ... اجلاس نے مندرجہ بالا نکات پر مشتمل امور کو پائیہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے ایک مشترکہ کوآرڈی نیشن (Co-ordination) کمیٹی بنانے پر اتفاق کیا۔ جس میں آزاد کشمیر کے تمام سیاسی جماعتوں کے قائدین اور گلگت بلتستان سے آئے ہوئے جرگہ کے ممبران اور علمائے کرام وزعماء شامل ہونگے۔

☆... اجلاس نے متفقہ طور پر سردار محمد انور خان سابق صدر آزاد کشمیر کو کوارڈی نیشن کمیٹی کا صدر اور مشتاق احمد ایڈوکیٹ نائب امیر جماعت اسلامی آزاد جموں وکشمیر کو سیکرٹری نامزد کیا۔

ہم نے روز اول کہا تھا اور آج بھی ہماری وہی پالیسی ہے کہ یہ پیکج چند افراد کی عیاشی اور مخصوص طبقات کو نوازنے کے لیے گلگت بلتستان کے تمام اسٹیک ہولڈرز سے مشاورت کئے بغیر دیا گیا ہے۔ جس سے سوائے افراتفری، ظلم اور ٹیکس جیسے ناروا منصوبوں کے کچھ نہیں ملا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ گلگت بلتستان کشمیر کا حصہ ہیں۔ اقوام متحدہ میں بھی ریاست پاکستان کا یہ موقف ہے۔ تمام کشمیری سیاسی و مذہبی زعماء کا بھی یہی دعویٰ ہے۔ وہ ببانگ دہل کہتے ہیں کہ گلگت بلتستان کشمیر کا حصہ ہیں۔ 19 جنوری 2013ء اسلام آباد میں منعقد ہونے والی ''کشمیر کانفرنس اسلام آباد'' کا اعلامیہ میں انہوں نے اس بات کو متفقہ تسلیم کیا کہ گلگت بلتستان کشمیر کا حصہ ہیں۔ مولانا فضل الرحمان صاحب سے بار بار کی ملاقاتوں میں بھی ان کا موقف واضح نظر آیا کہ گلگت بلتستان کشمیر کا حصہ ہیں اور موجودہ پیکج چند عیاشوں کی عشرت کے لیے ترتیب دیا گیا ہے۔ ہم ان سطور میں کشمیر کانفرنس اسلام آباد میں ہونے والی مختلف کشمیری سیاسی و مذہبی رہنماؤں اور گلگت بلتستان کے موقر سیاستدانوں اور مذہبی رہنماؤں کی باتیں بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ ان کا موقف کیا ہے۔ تاکہ سند رہے۔ ملاحظہ ہو۔

سردار عتیق احمد خان نے ابتدائی خطبے میں کہا کہ ''پاکستان مذکرات کے ذریعے آزاد ہوا ہے لیکن کشمیر اور گلگت بلتستان کا ایک انچ بھی مذکرات کا ذریعے آزاد نہیں ہوا بلکہ یہاں کے لوگوں نے اپنی مدد آپ ان علاقوں کو آزاد کروایا ہے۔ مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے سہ مذکراتی عمل شروع کیا جائے' گلگت بلتستان بھی ایک فریق ہے جو کشمیر کا حصہ ہیں''۔

چودھری عبدالمجید وزیراعظم آزاد کشمیر نے کہا کہ ''بشمول گلگت بلتستان اور آل جموں و کشمیر کی منزل پاکستان ہے۔ یہ پورا علاقہ 84 ہزار مربع میل ہے۔ یہ غلط فہمی دور ہونی چاہیے کہ گلگت بلتستان کو صوبہ نہیں بنایا جا رہا ہے۔ یہ لکھا ہوا ہے کہ گلگت بلتستان کشمیر کا حصہ ہیں۔ ایک کلرک گلگت بلتستان کو ڈیل کر رہا تھا اس لیے سہولیات دینے کے لیے یہ سلف امپاورمنٹ اینڈ گورننس آڈر 2009ء کا پیکج دیا گیا ہے۔ گلگت بلتستان کشمیر کا حصہ ہیں اور پورا کشمیر پاکستان کا۔ گلگت بلتستان کے لوگ ہمارے بازو ہیں۔ ہم ایک جسم کی مانند ہیں۔ ہماری منزل ایک ہے۔ ہم بالکل الگ نہیں ہیں۔ ہم کسی بھی طور الگ نہیں ہو سکتے' تاہم میڈیا پر یہ باتیں زیادہ مناسب نہیں''۔

جے یو آئی کے سربراہ جناب مولانا فضل الرحمان صاحب نے بحیثیت صدر مجلس کہا کہ ''یہاں تک گلگت بلتستان کا تعلق ہے تو اس پر بھی ایک اجلاس ہوا تھا۔ سیلف امپاورمنٹ اینڈ گورننس 2009ء کا پیکج صرف انتظامی سہولیات دینے کا عمل ہے جیسے کشمیر کو دیا گیا ہے۔ آزاد کشمیر کے ہائی کورٹ نے گلگت بلتستان کو آزاد کشمیر کا نہیں بلکہ آل جموں و کشمیر کا حصہ قرار دیا ہے۔ گلگت بلتستان کو کوئی بھی ایسی صورت نہ دی جائے جس میں چند حضرات کا اتفاق ہو، اور بہت ساروں کو اختلاف۔ کشمیر کے صدر اور وزیراعظم ہیں مگر پوری دنیا ان کو ریاست تسلیم نہیں کرتی ہے تو گلگت کے گورنر اور وزیراعلیٰ ہو مگر اس کو صوبہ تصور نہیں کیا جاسکتا ہے۔ یہ آئین پاکستان کے خلاف ہے۔ گلگتی قائدین یہاں تشریف لائے ہیں ہم ائندہ چند دنوں میں ان سے تفصیلی بات کریں گے اس موضوع پر، اور ہم خود بھی وحدت کشمیر و گلگت بلتستان پر کام کر رہے ہیں''۔

امیر جماعت اسلامی آزاد کشمیر و گلگت بلتستان جناب عبدالرشید ترابی نے کہا کہ ''ریاست کی تقسیم کے تصور کو ختم کیا جانا ایک اہم ضرورت ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ گلگت بلتستان اور آزاد جموں و کشمیر ریاست کے اہم حصے ہیں۔ ہم موجودہ پیکج میں بھی اصلاحات چاہتے ہیں تاکہ آزادی کشمیر اور مسئلہ کشمیر کو تقویت ملے''۔

دیامر جرگہ کے چیئرمین اور جے یو آئی گلگت بلتستان کے سینئر نائب امیر مولانا عنایت اللہ نے کہا کہ ''آزاد کشمیر

بشمول گلگت بلتستان تحریک آزادی کے لیے بیس کیمپ ہے۔ آپ کشمیر کے حوالے سے مدعی ہیں اور ہم گواہ مگر افسوس کی بات ہے کہ مدعی کمزور اور گواہ چست ہے۔ گلگت بلتستان جغرافیائی حوالے سے انتہائی حساس ہے۔ جب معاہدہ امرتسر ہوا تو گلگت بلتستان کا انتظام اپنے پاس ہی رکھا تھا۔ آج گلگت بلتستان میں شیعہ سنی کو لڑایا جارہا ہے۔ ہمارا علاقہ مذہبی قتل وغارت کا آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ یہ اس گریٹ گیم کا حصہ ہے جو عالمی طاقتیں تیار کرچکی ہیں۔ جو لوگ براہ راست پاکستان کو چاہتے ہیں ان کے پیچھے کون کیا سازشیں کررہا ہے اس کا بے نقاب ہونا بے حد ضروری ہے۔ 2009ء کے انتظامی پیکج کے حوالے سے ہم سب سخت نالاں اور مخالف ہیں۔ چار سالہ تجربہ بتاتا ہے کہ اس سے سوائے نقصان کے کچھ نہیں ملا۔ جو لوگ برملا صوبے کی بات کرتے ہیں وہ کیوں ایسا کرتے ہیں اس کا احساس کسی کو نہیں حالانکہ یہ ایک اہم پیچیدہ مسئلہ ہے۔ ہم کسی بھی فورم میں یہ ثابت کرنے کے لیے تیار ہے کہ گلگت بلتستان کشمیر کا آئینی، تاریخی اور تہذیبی وثقافتی اور جغرافیائی حصہ ہے۔

حاجی امیر جان سابق ممبر لیجسلیٹیو اسمبلی گلگت بلتستان، جناب ملک مسکین سابق اسپیکر نے بھی اس موضوع پر تفصیلی بات کی۔ راقم الحروف نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا، کانفرنس کے بعد جناب سردار عتیق صاحب سے الگ تفصیلی نشست رہی جس میں یہ سارے امور زیر بحث آئے۔

''آل پارٹیز کشمیر کانفرنس اسلام آباد'' میں ایک قرارداد متفقہ طور پر منظور کی گئی۔ جس میں گلگت بلتستان کے حوالے سے ایک خصوصی شق شامل تھی۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے درج کی جاتی ہے۔ قرارداد کی وہ شق یہ ہے۔

☆ ''آل پارٹیز کشمیر کانفرنس اسلام آباد'' حکومت پاکستان کی جانب سے گلگت بلتستان میں آئینی وقانونی اور ترقیاتی اصلاحات کو خوش آئند قرار دیتے ہوئے مطالبہ کرتا ہے کہ گلگت بلتستان کی عالمی سطح پر تسلیم شدہ متنازعہ سیاسی حیثیت کو تبدیل کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ بہتر یہ ہے کہ آزاد جموں وکشمیر اور گلگت بلتستان کو یکساں نظام حکومت دیا جائے اور آئینی لحاظ سے مربوط کیا جائے۔ یہ تمام روئیداد بلکہ اس سے بھی زیادہ تفصیل سے ۵ جنوری کے اخبارات میں تفصیل سے شائع ہوچکی ہیں۔

تنظیم اہل سنت والجماعت کے ایک مرکزی وفد نے راقم الحروف کی صدارت میں اسلام آباد میں مسلم لیگ (ن) کے چیئرمین راجہ ظفر الحق سے ایک اہم ملاقات کی۔ گلگت بلتستان کی سیاسی ومذہبی صورت حال پر تفصیلی تبادلہ خیال ہوا۔ راقم نے راجہ ظفر الحق کو گلگت بلتستان کی کشیدہ صورت حال بالخصوص 2009ء کے پیکج کی تباہ کاریوں کے حوالے سے تفصیلات پیش کیا۔ راجہ ظفر الحق نے کہا کہ گلگت بلتستان اور آزاد کشمیر کو یک جان ہونا چاہیے، دونوں یونٹس کی ایک کونسل قائم کی جانی چاہیے تاکہ یہ علاقے قریب آسکیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ گلگت بلتستان کشمیر کا اٹوٹ انگ ہے، ریاست جموں کشمیر ناقابل تقسیم وحدت ہے۔ میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کو ایک وحدت بنانے اور اس کو آئینی تحفظ دینے پر آزاد کشمیر کی قیادت متفق ہے۔ راجہ صاحب نے کہا کہ گلگت بلتستان تاریخی طور پر ریاست کشمیر کا حصہ ہیں اس لیے دونوں علاقوں کو ایک نظام کے تحت چلایا جائے۔ راجہ ظفر الحق نے وفد کے خیالات وخدشات سے اتفاق کیا اور ہر ممکن تعاون دلانے کی یقین دہانی کرائی اور مسلم لیگ ن کے سربراہ نواز شریف سے ملاقات کے لیے بھی وفد کو یقین دلایا۔

اس سلسلے ہماری ایک تفصیلی نشست جموں کشمیر لبریشن فرنٹ کے چیئرمین جناب امان اللہ صاحب بھی ہوئی۔ انہوں نے ہمیں خوش آمدید کہا انہوں نے کہ آپ نے ایک اہم قومی ایشو کی طرف پیش قدمی کی ہے مجھے یہ تفصیل سے سننے کے بعد بے حد خوشی ہورہی ہے کہ آپ بھی میرے نظریہ یعنی وحدت کشمیر کے قائل بلکہ اس کے لیے عملی اقدام کررہے ہیں۔ میں سمجھتا

ہوں کہ موجودہ سیٹ آپ یعنی سیلف امپاورمنٹ اینڈ گورننس 2009ء کے پیچھے ایک مضبوط مسلکی ہاتھ کارفرما ہے جو سب کو نظر آ رہا ہے۔ اور اس میں دو رائے بھی نہیں ہے۔ وحدت کشمیر کے حوالے سے جتنی سستی اور کاہلی کشمیری لیڈرشپ نے کی ہے اتنی ہے گلگت بلتستان کے سیاسی و مذہبی اور علاقائی قیادت نے بھی کی ہے۔ ہم سب مجرم ہیں۔ وحدت کشمیر کے لازوال نظریے کو لے کر جب ہم گلگت میں آئے تو ہماری حوصلہ افزائی نہیں کی گئی، ہماری حوصلہ شکنی کی گئی۔ خیر ماضی کی باتوں کو ایک طرف رکھتے ہوئے ہمیں آنے والے دنوں کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے۔ میں ذاتی طور پر اور تنظیمی اعتبار سے بھی آپ کے تمام مطالبات اور خدشات سے اتفاق کرتا ہوں اور آپ کے مؤقف کی مکمل تائید کرتا ہوں۔ کیونکہ یہ میرا مؤقف ہے۔ ہم اکھٹے اس نظریہ وحدت کی بات کریں تو ہمیں جلد کامیابی مل جائے گی۔ امان اللہ خان نے یہ حقیقت بھی واشگاف انداز میں واضح کی کہ قانونی اور تاریخی یا کسی بھی حیثیت سے بھی گلگت بلتستان کشمیر کا حصہ ہیں۔ گلگت بلتستان کو کشمیر سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا ہے اور یہ ہمارا حق ہے اور ارباب بست وکشاد اور صاحبان فکر و دانش اور عالمی برادری کو چاہیے کہ ہمارا یہ بنیادی و آئینی اور اسلامی حق کو دل سے قبول کرے۔ انہوں نے ہمیں یہ مشورہ بھی دیا کہ ہم علاقائی قیادت بالخصوص مہدی شاہ اور اس کی پارٹی کو بھی مدعو کیا جائے تاکہ وہ اپنے آرگومنٹس پیش کریں۔ جناب امان اللہ خان صاحب نے آخر میں ایک پتے کی بات کی کہ ''میں نے سپریم کورٹ میں دلائل کے ساتھ ثابت کردیا ہے کہ گلگت بلتستان کشمیر کا حصہ ہیں. یہ ایک کامن مسئلہ ہے، کم سے کم اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہونا چاہیے۔ ہاں یہ بھی میرے علم میں ہے کہ کچھ لوگ ذاتی مفادات کے لیے قومی مفادات کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ تاہم اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا ہے، ایسے لوگوں کی عمر کم ہی ہوتی ہے۔ خان صاحب نے مشترک قدم مکمل اشتراک وتعاون اور تیاری کے ساتھ اٹھانے کی پیشکش بھی کردی۔

مولانا سمیع الحق صاحب، چیئرمین دفاع پاکستان کونسل اور امیر جمعیت علمائے اسلام سے بھی ہماری تفصیلی ملاقات ہوئی، مولانا سمیع الحق صاحب ایک زیرک سیاستدان ہیں۔ ملکی معاملات میں گہری دلچسپی رکھتے ہیں، گلگت بلتستان کے حوالے سے ان کے پاس بہترین معلومات ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ''امریکہ گلگت بلتستان کو دوسرا اسرائیل بنانا چاہتا ہے، گلگت بلتستان میں امریکہ اپنا ایجنڈا مسلط کرنا چاہتا ہے اور اس کے لیے مخصوص لوگوں کو نہایت خوبصورت انداز میں استعمال بھی کررہا ہے۔ تاکہ پاکستان، چین، کشمیر اور سنٹرل ایشیا پر نظر رکھ سکے۔ ہمیں معلوم ہے کہ گلگت بلتستان کو صوبہ بنانے سے شدید قسم کے مسائل پیدا ہونگے اور پاکستان کی سالمیت کو بھی خطرہ ہے۔ آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کو مربوط کرکے تمام سیاسی و مذہبی اور علاقائی مکاتب فکر و عقیدہ کے لوگوں سے مشاورت کرکے ایک قابل قبول آئینی نظام دیا جانا چاہیے۔ انہوں نے یقین دلایا کہ دفاع پاکستان کونسل کے پلیٹ فارم سے اس اہم قومی مسئلے کو اٹھایا جائے گا۔''

گلگت بلتستان میں مذہبی فسادات کروانے میں جو لوگ ملوث ہیں اور علاقے کو خون اور آگ کی طرف دھکیلا جاتا ہے اس کے لیے کردار ادا کون کررہا ہے، یہ تفصیل طلب موضوع ہے۔ ہم یہاں صرف ایک دو حوالے دینا مناسب ہے کہ گلگت بلتستان میں دیگر اسلام دشمنوں کے علاوہ بھارت کیا سوچ رکھتا ہے اور کردار ادا کررہا ہے۔ روزنامہ کے ٹو 15 فروری کے اداریے میں مرقوم ہے کہ ''کچھ عرصہ قبل ڈیفنس اینڈ سکیورٹی الرٹ'' نامی ایک بھارتی جریدے میں ڈاکٹر آروند اور ڈاکٹر آشوک نے اپنی ایک تجزیاتی رپورٹ میں کہا تھا کہ گلگت بلتستان میں بھارت کو اپنی دفاعی دلچسپی بڑھانی چاہیے جبکہ ''اندین ڈیفنس ریویو'' نامی جریدے میں بھارتی خفیہ ادارے کے سابق سربراہ لیفٹیننٹ جنرل کمال داور نے لکھا تھا کہ گلگت بلتستان

جسے دنیا کی چھت بھی کہا جاتا ہے تقسیم سے اب تک غیر قانونی طور پر پاکستان کے قبضے میں ہے۔ خطہ تاریخی اور جیواسٹریٹجک حوالے سے عالمی سطح پر بہت اہمیت کا حامل ہے جبکہ وسائل کے اعتبار سے بھی ایک امیر خطہ ہے جہاں یورینیم' سونا' کا پر اور قیمتی پتھروں کے وسیع ذخائر موجود ہیں اس کے علاوہ یہ خطہ زبردست قسم کی بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ چین کا اس علاقے کی طرف بڑھتا رجحان چین اور پاکستان کی طرف سے مشترکہ طور پر بھارت پر حملے کی منصوبہ بندی بھی ہوسکتی ہے''۔

ہم سمجھتے ہیں کہ یہی وہ مرکزی خرابی ہے جس کی وجہ سے گلگت بلتستان کے حالات اس نہج پر پہنچ چکے ہیں، علاقے میں دہشت گردی' تفرقہ بازی' قتل وغارت' اور ظلم وستم کا بازار گرم ہے۔ ایسے میں ضرورت اس بات کی ہے کہ گلگت بلتستان میں تمام اندرونی اور بیرونی خطرات کا راستہ روکا جائے اور اعلیٰ درجے کا منصوبہ ترتیب دے کر گلگت بلتستان کو آگ وخون کے دریا میں دھکیلنے والوں سے نجات دلایا جانا از حد ضروری ہے۔ کیا ہم ارباب حل وعقد اور صاحبان بست وکشاد بالخصوص پاک فوج اور خفیہ اداروں سے یہ پوچھنے کی جسارت کر سکتے ہیں کہ '' وہ کون سے لوگ ہیں جو خطے میں بھارت زندہ باد کے نعرے لگاتے ہیں اور بھارت کی طرف مارچ کرنے کے دھمکی بابانگ دھل دیتے رہتے ہیں؟ وہ کون سے لوگ ہیں جو پاکستان کا سبز ہلالی جھنڈا پاؤں تلے روندتے آتے ہیں اور جلا کر خاکستر کرتے ہیں اور کشمیر کو بائی پاس کر کے سیدھا پاکستان کے ساتھ ملنے کا نعرہ (اس نعرہ کے پیچھے ان کے مخصوص عزائم کارفرما ہیں) لگاتے ہیں حالانکہ ایسا ہونا ملک کے آئینی وقانونی اور بین الاقوامی قوانین اور اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق ناممکن ہے۔ اس سے اقوام عالم میں کشمیر کاز بہت متاثر ہوگا بلکہ شدید نقصان پہنچے گا۔

گزشتہ دنوں روزنامہ کے ٹو 25 فروری 2013 میں جناب کلب علی نگری صاحب کا ایک کالم '' گلگت بلتستان آئینی صوبہ؟ کے عنوان شائع ہوا' اس نے حقیقت پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے چند اہم باتیں تحریر کی۔ وہ لکھتے ہیں کہ '' دیامرڈیم متنازعہ کشمیر کے ایک حصے پر تجویز ہونے کی بنیاد پر ورلڈ بینک' ایشائی ترقیاتی بینک اور IFM جیسے بین الاقوامی مالیاتی ادارے حکومت پاکستان کو ڈیم کے تعمیر کے مطلوب قرض ہندوستان کے اعتراض پر دینے سے انکار کر چکے ہیں۔ گلگت بلتستان کو پاکستان کا آئینی صوبہ بنانے والے احباب کے ملاحظے کے لیے وہاب الخیری ٹرسٹ کی جانب سے گلگت بلتستان کو سیاسی حقوق دلانے کے لیے سپریم کورٹ آف پاکستان میں دائر پیٹیشن '' اہلیان گلگت بلتستان بنام وفاق پاکستان '' کا جواب دعویٰ میں مؤقف پیش ہے۔

Gilgit Baltistan are not the part of pakistan. But we have active military cantrol over there.

ہم یہ سوال گلگت بلتستان کے سیاسی و مذہبی اجارہ داروں سے پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ اگر گلگت بلتستان کشمیر کا حصہ نہیں ہے تو ہمیں بتایا جائے کہ '' 1934ء سے 1937ء تک بلتستان کے لیے تحصیل اسکردو کے افتخار علی خان' گلگت کے لیے استور سے وزیر محمد خان نے اور 1937ء سے 1942ء تک بلتستان کے لیے اسکردو سے محمد علی شاہ اور گلگت کے لیے استور سے حسن خان اور 1942ء سے 1947ء تک بلتستان کے لیے اسکردو سے فتح اللہ خان اور گلگت کے لیے استور سے غلام رضا اور 1947ء کو استور کے لئے کاچو محمد شاہ نے کشمیر اسمبلی میں نشستیں، وظائف اور مراعات کیوں لیے ہیں؟۔ اگر گلگت بلتستان کشمیر کا حصہ نہیں ہیں تو کشمیر نے اتنا طویل عرصے گلگت بلتستان کے لوگوں کو اپنی اسمبلی میں کیوں نمائندگی دی؟ اور باسیان گلگت نے اس نمائندگی کو تسلیم کرتے ہوئے کشمیر اسمبلی میں اپنے لوگ کیوں بھیجے؟

اگر گلگت بلتستان کشمیر کا حصہ نہیں ہیں تو حکومت پاکستان نے جب معاہدہ کراچی کیا تو کشمیر سے تحریری اجازت کیوں لی کہ

ہم گلگت بلتستان کے حوالے سے یہ معاہدہ کرنے جارہے ہیں اور اگر کشمیر گلگت کو اپنا حصہ نہیں مانتا تو اس نے یہ سرکاری کاروائی کیوں کی؟۔ حکومت پاکستان اور حکومت کشمیر نے اس کو کیوں ضروری سمجھا؟۔ اس کے علاوہ حکومت پاکستان اور انڈیا کے مابین اور حکومت کشمیر اور گلگت بلتستان کے سابقہ حکومتوں کے مابین ہونے والے بہت سارے معاہدے اس بات کے بین ثبوت ہیں کہ گلگت بلتستان کشمیر کا حصہ ہیں، کشمیر کا جغرافیائی، آئینی، تاریخی اور ثقافتی حصہ ہیں اور حکومت پاکستان کا کشمیر کے حوالے سے دائر کردہ قضیہ کشمیر کا مطالعہ اور اقوام متحدہ کی قراردادیں بھی اس بات کو مزید تقویت بخشتی ہیں کہ گلگت بلتستان کشمیر کا حصہ ہیں اور کشمیر کاز اور مسئلہ کشمیر کا بھی اہم حصہ ہیں۔ جی بی این اے کے پلیٹ فارم سے گلگت بلتستان کو کشمیر کا حصہ اور مسئلہ کشمیر کا حصہ ماننے والے، اور وہ لوگ جن کے آباؤ اجداد نے کشمیر اسمبلی اور کشمیریوں سے خوب مفادات لیے اور ہمیشہ کشمیر سرکار بلکہ ڈوگرہ سرکار کے کارندوں کا کردار ادا کیا اور اپنے قول و عمل سے ثابت کیا کہ گلگت بلتستان کشمیر کا حصہ ہیں، آج وہ لوگ کس منہ سے یہ کہتے ہیں کہ گلگت بلتستان کشمیر کا حصہ نہیں ہیں۔ یہ تو ایسا ہے کہ کوئی کہے کہ سورج مغرب سے نکلتا ہے یا کوئی ناہنجار اپنی ہتھیلی سے سورج کو چھپانے کی کوشش کرے۔ اور کس منہ سے اسٹیٹ سبجیکٹ رول کا مطالبہ کیا جاتا ہے جبکہ یہ رول تو حکومت کشمیر کا عطا کردہ ہے۔ تضاد کی بھی حد ہوتی ہے مگر یہاں تو کوئی حد ہی نہیں۔ حالیہ دنوں میں چند اہم احباب نے بھی پیکج کو درست بلکہ حالات کے مطابق قرار دیا۔ ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ کل تک جو لوگ اس پیکج کو جو خالص یک طرفہ ہے کے سخت مخالف تھے آج وہ لوگ بھی ان مخصوص سیاسی پس منظر رکھنے والے مفادات پرستوں کے ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔ جے یو آئی گلگت بلتستان کے معزز و مرکزی ذمہ داروں کا ایک وفد نے اسلام آباد میں وزیر اعلیٰ سے ملاقات کی اور اس کو یقین دلا کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں اور ساتھ رہیں گے۔ پیکیج عوامی امنگوں کے مطابق ہیں۔ اخبارات نے ان کے مسکراتی ہوئی تصاویر اور بیانات شہ سرخیوں میں چھاپے۔ اور ان کے بیانات روز روز مختلف شکلوں میں اخبارات کے زینت بنتے جارہے ہیں۔ ان کے ایک اخباری بیان میں کہا گیا کہ ''بعض نادان لوگ مسلکی رنگ دے کر پیکیج کی مخالفت اور تفرقہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ پیکج کو مسلکی رنگ دینا علاقے میں مسلکی تصادم برپا کرنے کی سازش ہے۔ موجودہ پیکج مکمل طور پر عوام کے مفاد میں ہے۔ ہماری جماعت سو فیصد پیکج کی حمایت میں ہے۔ گلگت بلتستان کے لیے اس سے بہترین پیکج نہیں دیا جاسکتا ہے اگر کسی کے پاس متبادل نظام ہے تو ہمیں بتائیں، یقیناً کسی کے پاس ٹھوس جواب نہیں۔ جمعیت علمائے اسلام (روزنامہ صدائے گلگت 13 فروری 2013)۔ دکھ اس بات پر ہے کہ امیر مرکزی کے واضح فیصلوں سے انحراف کیا گیا۔ ہمارے ایک وزیر با تدبیر جناب بشیر احمد وزیر تعمیرات گلگت بلتستان نے کہا کہ کچھ لوگ پیکیج کے خلاف سازش کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ہارے ہوئے ہیں (روزنامہ کے ٹو گلگت، 11 فروری 2013)۔ اور اگلے روز اپنے بیان سے مکر گئے۔ پھر حقائق سے آنکھیں چرا کر بات گھول مول کردی۔

جناب حاجی گلبر صاحب وزیر صحت کا بیان آیا ''پیکج کے خلاف جماعت اسلامی سازش کر رہی ہے۔ چند مفاد پرست لوگ عوام کو سیٹ آپ کے خلاف اکسا رہے ہیں۔ شکست خوردہ عناصر کی سازش ناکام ہوگی۔ وزیر تعمیر نے سازش کرنے والے لوگوں کے نام بتائے، میں ان سے مکمل اتفاق کرتا ہوں'' (کے ٹو 13 فروری 2013)۔

ہمارے ڈپٹی اسپیکر اپنی قانونی مہارت اور آئینی واقفیت کا ثبوت دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''پیکج کو دنیا کی کوئی طاقت واپس نہیں لے سکتی، موجودہ پیکج کو آئینی تحفظ حاصل ہے۔ جے یو آئی میں صرف 6 ماہ رہا ہوں، اس جماعت کے لوگوں سے میرا مزاج نہیں ملا اس لیے جماعت چھوڑ دی۔' جماعت اسلامی کی علاقے میں کوئی وقعت نہیں ہے، یہ بھڑکیں مارتی رہتی

ہے''۔(روزنامہ کے ٹو 16 فروری 2013)۔کیا ہم اپنے محترم اسپیکر صاحب سے یہ پوچھ سکتے ہیں کہ آپ کس آئین کی بات کرتے ہیں؟ اگر 1973ء کے آئین کی بات کرتے ہیں تو آئے اس کی دفعہ 258 میں صوبوں سے باہر علاقوں کی حکومت کے عنوان سے مندرج ہے''آئین کے مطابق جب کوئی خاص قانون پارلیمنٹ میں تشکیل نہیں پاتا' پاکستان کے کسی بھی ایسے علاقے میں اچھی حکومت اور امن کے لیے صدر ایک حکم کے ذریعے فیصلہ دے سکے گا جو کسی صوبے کا حصہ نہ ہو''۔کیا اب بھی ہماری آئینی پوزیشن واضح نہیں ہو پاتی؟ کیا پاکستان کی مجلس شوریٰ(پارلیمنٹ) میں گلگت بلتستان کے لیے کوئی قانون تشکیل پایا گیا ہے؟ کیا کوئی قانون تشکیل پانے کی بین الاقوامی قوانین کے مطابق گنجائش بھی ہے؟ اور حکومت پاکستان اور تحریک آزادی کشمیر کے کاز کے لیے مناسب بھی ہے؟ اور ہاں کیا ہمارے اسپیکر صاحب کو صدارتی حکم نامے کی آئینی وقانونی حیثیت کا بھی علم ہے؟ اگر علم ہونے کے باوجود اسپیکر محترم موجودہ نام نہاد پیکج کو آئینی پیکج کہنے پر مصر ہیں تو اس پر تبصرہ قانونی و آئینی ماہرین ہی کر سکتے ہیں' ہم کریں تو شکایت ہوگی کیونکہ ہمارے سامنے آئین کے دفعہ نمبر ایک کی تمام ذیلی شقات جن میں پاکستان کے تمام آئینی علاقوں کی تفصیل واضح طور پر لکھی ہوئی ہے اور دفعہ نمبر چھ کی ذیلی شقات بھی ہیں' جو ایسی لن ترانیوں کی قطعاً اجازت نہیں دیتی۔آئینی صوبے بنانے کی لن ترانیاں کرنے والے تمام سیاسی و مذہبی رہنماؤں سے گزارش ہوگی کہ ایک دفعہ ہی آئین کا مطالعہ کریں تاکہ ائندہ آئین پاکستان کو مضحکہ بنا کر پیش کرنے سے اجتناب ممکن ہو۔

جماعت اسلامی گلگت بلتستان کا موقف واضح انداز میں سامنے آیا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ''سازش نہیں ہو رہی ہے' پیکج اپنی موت آپ مر رہا ہے۔گلگت بلتستان کشمیر کا حصہ ہیں۔صوبہ نہیں بن سکتا۔آئینی حقوق کشمیر سے جڑ کر ہی ملیں گے۔پیکج کے حامی اپنے مراعات کے لیے عوام کے حقوق پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں۔جماعت اسلامی(روزنامہ کے ٹو 2013)۔

جماعت اسلامی کے مرکزی نمائندوں نے اخباری نمائندوں سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ''کل تک قاتل پیکج کہنے والوں کو اچانک موجودہ پیکج کیسے پسند آیا۔اسلام آباد میں بیٹھ کر اخباری بیانات دینے سے تاریخی حقائق تبدیل نہیں ہوتے۔اس پیکج سے صرف چار جماعتی ٹولے کو فائدہ ہو رہا ہے' منافقت چھوڑ کر حق بات کو تسلیم کرنا چاہیے۔غیر ذمہ دارانہ بیانات زیب نہیں دیتے۔جماعت اسلامی(روزنامہ صدائے گلگت 13 فروری 2013)۔

ضلع دیامر کے علماء وعمائدین کا وزنی مؤقف تو سب پر عیاں ہے، ان کا کہنا ہے کہ''گلگت بلتستان کے لیے دیا جانے والا نام نہاد پیکج کو فی الفور ختم کیا جائے، پیکج تمام خرافات کی جڑ ہے، وزیران ومشیران تو عیش وعشرت کر رہے ہیں مگر عوام ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہیں' گلگت بلتستان بہت حساس علاقہ ہے جس کی وجہ سے عالمی طاقتوں کی نظریں یہاں پر جمی ہوئی ہیں''علمائے دیامر(روزنامہ کے ٹو 15 فروری 2013ء)۔

مسلم لیگ ن' ضلع دیامر کے عوام وعمائدین اور دیگر علاقائی وقوم پرست سیاسی پارٹیوں کا موقف سامنے آچکا ہے۔اس نام نہاد پیکج کے خلاف سب ہی سیاسی پارٹیوں نے احتجاجی مظاہرے کیے، اس پیکج کو عوام دشمن قرار دیا' اس کے خلاف بینر زلگائے' مگر ایک مخصوص ٹولہ ہی اس کے حق میں فضائل ڈھونڈ رہا ہے اور چند مفاد پرست لوگ۔

ہم یہاں بعض بزرگوں' وزیروں' مشیروں اور جناب وزیر تعمیرات وڈپٹی جناب اسپیکر صاحب اور دیگر احباب سے کیا یہ پوچھنے کی جسارت کر سکتے ہیں کہ''کیا آپ ہی نے اس پیکیج کو عوامی اجتماعات، شہیدوں کے جنازوں اور مساجد کے منبر سے''قاتل پیکیج''، نہیں کہا تھا؟ کیا اس پیکج سے گزشتہ چار سالوں میں گلگت بلتستان کا امن خراب نہیں ہوا ہے؟ کیا اس پیکج سے گلگت بلتستان کے عوام کو فرقہ وارانہ قتل وغارت' بے تحاشا کرپشن' اقرباء پروری' غیر قانونی بھرتیاں' میرٹ کی پامالی اور ہڑتال'

دھرنے، احتجاج اور ضیاع خون مسلم کے علاوہ بھی کچھ ملا ہے؟ کیا اس پیکج کے آنے کے بعد امن معاہدہ اور ضابطہ اخلاق کا جنازہ نا اہل حکومت کی طرف سے نہیں نکالا گیا؟ کیا اس نام نہاد پیکج کے برآمد ہونے کے بعد، مذہب، ڈاڑھی، اسلام، مسجد و ملا اور دین دار طبقوں کو مضحکہ اور ٹھٹھ کا نشانہ نہیں بنایا گیا ہے اور ان مقدس ناموں کو گالی بنا کر پیش نہیں کیا گیا؟ کیا اس پیکج کے آنے کے بعد گلگت بلتستان میں انتظامی اور مالیاتی انتشار نہیں پھیلا ہے؟ کیا اس پیکج سے بدترین بدعنوانیاں، سیاسی و مذہبی اضمحلال پیدا نہیں ہوا ہے؟ کیا اس پیکج کے آنے کے بعد گلگت شہر اور اس کے مضافات میں عوام الناس کی زندگی محفوظ ہوگئی ہے یا ویرانوں، شاہراہوں، بستیوں اور بازاروں سے غریبوں کی لاشیں موصول ہوئی ہیں؟ کیا ایک مخصوص طبقے کے علاوہ گلگت بلتستان کے عوام کا معاشی قتل عام نہیں ہوا ہے؟۔ کیا اس پیکج کے ذریعے گلگت اور بلتستان کے درمیان نفرت اور تعصب پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے؟۔ کیا آج گلگت اور دیامر ڈویژن کے ممبران اور وزراء یہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ وزیر اعلیٰ صرف بلتستان کے وزیر اعلیٰ ہو کر رہ گئے ہیں۔ کیا بلا تفریق تمام مسالک کے ممبروں نے اس بات کا کھلم کھلا اعتراف نہیں کیا کہ موجودہ وزیر اعلیٰ اور کابینہ صرف اور صرف بلتستان کو نواز رہے ہیں؟۔ کیا آپ کی پالیسی آپ کے مرکزی پارٹی کی پالیسی سے یکسر مختلف نہیں ہے؟ کیا مولانا فضل الرحمان صاحب کے نظریات بھی یہی ہیں؟ یقیناً نہیں۔ انہوں نے تو اسلام آباد میں بارہا اس حوالے سے اپنا موقف واضح کیا کہ کشمیر اور گلگت بلتستان ایک ہی ہیں۔ کیا آپ اپنے امیر کی نافرمانی نہیں کر رہے ہیں؟۔

کیا اس طرح کے پیکیج سے کشمیر کاز اور وحدت کشمیر کے فلسفے کو شدید نقصان نہیں پہنچ رہا ہے؟ کیا اہل سنت عوام کی اکثریت کو آپ چند ہارے ہوئے لوگوں سے تعبیر کرنا مناسب سمجھتے ہیں؟ کیا جی بی کی موجودہ حکومت نے بارہا آپ کو آپ کی اوقات یاد نہیں دلائی کہ ہمیں ان کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ ہماری ان کو ضرورت ہے؟ کیا آپ کا سیاسی منشور اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ گلگت بلتستان کی سالمیت اور کشمیر کے ٹکڑے ٹکڑے کا فیصلہ آپ ایک کرپشن میں لت پت لولی لنگڑی حکومت کے ساتھ مل بیٹھ کر کریں؟ کیا آئین پاکستان اس کی اجازت دیتا ہے؟ کیا اقوام متحدہ کی قراردادیں اور بین الاقوامی طور پر حکومت پاکستان کا کشمیر قضیہ اور اس کے مندرجات اس کی اجازت دیتی ہیں؟ کیا آپ کے اباواجداد کشمیر سے تشریف نہیں لائے تھے؟ کیا ان کا بھی یہی موقف تھا کہ گلگت بلتستان کا کشمیر کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے؟۔ پیکج کے حامی بتلائے کہ استصواب رائے کے وقت گلگت بلتستان کی حیثیت کیا ہوگی؟ کیا آپ نے بار بار کی ملاقاتوں میں یہ نہیں کہا تھا کہ آپ کا موقف درست ہے لہذا آپ اپنی جدوجہد جاری رکھیں؟ انتہائی معذرت سے عرض ہے کہ کیا "بعض نادان لوگ مسلکی رنگ دے کر پیکیج کی مخالفت اور تفرقہ ڈالنا چاہتے ہیں پیکج کو مسلکی رنگ دینا علاقے میں مسلکی تصادم برپا کرنے کی سازش ہے جیسے بیانات دینے سے آپ کا ضمیر مطمئن ہے؟۔ کیا آپ کی تمام قیادت اور جماعت کی اکثریت بھی آپ سے متفق ہیں؟ یا مرکزی نائب امیر اور بلتستان ڈویژن کے امیر اور ضلع دیامر کے تمام کارکنان اور رفقاء آپ سے علی الاعلان برأت کا اظہار کر رہے ہیں اور اپنے دلائل سے اپنا موقف منوا بھی رہے ہیں کہ گلگت بلتستان کشمیر کا حصہ ہیں اور پیکج عوامی دشمن ہے۔ گزشتہ چار سالہ تاریخ کا عمیق جائزہ بتاتا ہے کہ یہ پیکج کسی بھی سطح پر ناکام ہے۔ بہرصورت کہنے اور لکھنے کو بہت ساری باتیں ہیں۔ اگر دلائل اور تاریخی شواہد کی بنیاد پر بات کی جائے تو بحث بہت طول پکڑے گی۔ ہم بحالت مجبوری یہ سطور صرف اس لیے رقم کر رہے ہیں کہ آنے والا مورخ درست سمت کا تعین کرے گا۔ کہ کون کس وقت قوم، ملت اور علاقے کا کس مد میں سودا کر رہا تھا۔ صرف اور صرف ریکارڈ کی درستگی اور محفوظ رکھنے کے لیے یہ سطور قلم بند کیے جا رہے ہیں ورنہ قوم کے سامنے سب کچھ واضح ہے کہ کون کس حیثیت میں کہاں پر کھڑا ہے۔ خدا ہمیں راہ مستقیم دکھائے اور احقاق حق اور ابطال باطل کی توفیق بھی دے۔ آمین

ٹیکس کا نفاذ، پیکج کے ثمرات کا نتیجہ

گلگت بلتستان میں لگائے جانے والی ٹیکس کے بارے میں بھی چند معروضات پیش کرنی ہیں۔ٹیکس کے نفاذ کے حوالے سے بھی نام نہاد گلگت اسمبلی اور جی بی کونسل میں اتفاق اور یکجہتی نہیں ہے۔کونسل میں بھی چند لوگ ٹیکس کے نفاذ پر شدت سے مخالفت کرتے ہیں۔ایک طرف یہ لوگ صوبے کا راگ الاپ رہے ہیں اور ساتھ ہی ٹیکس کی مخالف بھی کرتے ہیں۔ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر موجودہ پیکج یعنی سلف اینڈ گورننس آرڈر برائے 2009ء اگر عوامی مفاد میں ہے اور آئینی صوبے کے لیے پیش رفت ہے تو ٹیکس دینے میں کیا حرج ہے۔ان کوتاہ فہموں کو یہ سمجھ ہی نہیں آتی کہ ہم باقاعدہ پاکستان کا حصہ نہیں ہیں۔ صوبے بنانے کے لیے قومی اسمبلی میں بھاری اکثریت سے قراداد پاس کرنی ہوگی اور آئین میں باقاعدہ ترمیم ہوگی جو سرد ست ناممکن نہیں محال بھی ہے۔حکومت کا ایک اہم وزیر،صوبائی وزیر پلاننگ اینڈ منصوبہ بندی جناب راجہ اعظیم کا بیان ہے کہ ''ٹیکس عوام کا معاشی قتل ہے، ہرگز برداشت نہیں کرریں گے۔وفاق پہلے صوبے کی آئینی حیثیت تعین کرے'' سابق مشیر جناب وزیر عبادت کہتے ہیں کہ آئینی صوبے سے پہلے ٹیکس نہیں دیں گے''۔اگر ٹیکس لگانا ہی ہے تو گلگت بلتستان کو الگ صوبہ بنایا جائے یا ریاست''۔روزنامہ صدائے گلگت 4 فروری 2013)۔

اس طرح کی بے شمار باتیں اخبارات کی زینت بنتی ہیں۔ایک طرف سے یہ لوگ پیکج کی آڑ میں عوام الناس کا معاشی،اقتصادی،مذہبی اور سیاسی قتل عام کرنے پر مصر ہیں دوسرے طرف اسی پیکج اور پیکج کی عطا کردہ نام نہاد کونسل کے فرامین کی بھر مخالفت کرتے ہیں۔ان کی یہ دوغلی پالیسی گزشتہ چار سالوں سے مختلف شکلوں میں جاری ہے۔ہم پہلے ہی دن سے بارہا کہہ چکے ہیں کہ سلف امپاورمنٹ اینڈ گورننس آرڈر برائے 2009ء عوام دشمن پیکج ہے۔اس پیکج کے آنے سے کرپشن آیا ہے۔لڑائی جھگڑے آئے ہیں۔قتل وغارت میں اضافہ ہوا ہے۔سرکاری محکموں میں رشوت اور سفارش واقرباء پروری کا کلچر مزید اپنے پنجے گاڑ چکا ہے۔غریب عوام مزید غریب ہوئے ہیں۔تمام سرکاری ملازمین مختلف النوع مسائل ومشکلات کا شکار ہوچکے ہیں۔اس پیکج کی برکت سے غریب عوام اور سرکاری ملازمین کو ٹیکس جیسا تحفہ دیا گیا ہے۔ہمارا سوال صرف اتنا سا ہے کہ ان لوگوں سے صرف ایک دفعہ پوچھا جائے جن پر ٹیکس لگا ہے کہ کیا آپ موجودہ سلف امپاورمنٹ اینڈ گورننس آرڈر سے خوش ہیں،تو وہ ہزار دفعہ اس سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔عالمی مسلمہ ضابطہ ہے کہ آئینی حقوق کے بغیر ٹیکس لاگو نہیں ہوتا ہے۔

☆☆☆

خصوصی شمارہ کے حوالے سے چند گزارشات/مدیر کے قلم سے

الحمدللہ! مولانا نذیر اللہ خان مرحوم (فاضل دارالعلوم دیوبند)(1930ء تا اکتوبر 2010ء) کی شخصیت،خدمات ،افکار ونظریات پر مبنی،تفصیلی روئیداد پر مشتمل خصوصی شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔چونکہ گلگت بلتستان میں اس طرح کے خصوصی شماروں کا کبھی بھی اہتمام نہیں کیا گیا ہے اور نہ ہی اس کے لیے ذہنی طور پر کوئی تیار ہوتا ہے۔بنا برایں یہ کام کافی کٹھن تھا مگر اللہ رب العزت کے فضل وکرم،جامعہ نصرۃ الاسلام اور رئیس الجامعہ اور اہل قلم کی معاونت اور اپنے ذاتی ذوق ولگن سے یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔اس خصوصی شمارے میں آپ کو گلگت بلتستان کے تمام نامور لوگوں کی تحریریں،مضامین اور کالم پڑھنے کو

ملیں گے۔ یہ میرا خدا جانتا ہے کہ ان تمام اصحاب قلم سے حضرت مولانا مرحوم پر چند صفحات، میں نے کس مشکل سے لکھوائے ہیں، ہر ایک کی کتنی منتیں کرنی پڑیں۔ بہتوں کو خطوط لکھے۔ بار ہا ٹیلی فونک رابطہ کیا گیا مگر کوئی مثبت جواب ندارد۔ مجھے حیرت ان لوگوں پر ہوئی جو عمر بھر مولانا کے خوشہ چیں رہے اور مولانا کے وسیع دستر خوان سے شکم پروری کرتے رہے مگر ان کی وفات کے بعد ان پر کچھ لکھنے کو کہا گیا تو وہ طرح دے جاتے۔ شکایات کرتے۔ ٹال مٹول کرتے۔ بلکہ الٹا ہمیں موردِ الزام ٹھہراتے۔ بہرصورت بہت سارے ایسے ہیں جن سے میں لکھوانے میں کامیاب نہیں ہوا اور کافی سارے اہل علم وقلم نے لکھا اور بہت خوب لکھا۔ اللہ ان کو جزائے خیر دے۔ مولانا کے کچھ قرابت داروں کے پیغامات شامل کرنے کی بے حد خواہش تھی، بار بار کے رابطے کے باوجود بھی انہوں نے ایک لفظ بھی لکھ کے نہیں دیا۔

میں یہاں یہ بات عرض نہ کروں تو ناشکری ہوگی کہ ''اس خصوصی شمارے کے تیار کرنے میں رئیس الجامعہ حضرت قاضی صاحب نے میری اچھی حوصلہ افزائی کی، ہمت بندھائی، کام کو سراہا، شمارے نے پہلے آنا تھا مگر کام کے کثرت کی وجہ سے دیر ہوئی، اس کا بوجھ بھی حضرت نے اپنے کاندھوں پر لیا اور کہا کہ ''میری وجہ سے تاخیر ہوئی ہے''۔ انہوں نے شمارے کے حوالے سے میری تمام گزارشات کو نہ صرف ملحوظ خاطر رکھا بلکہ بہت ساری جگہوں میں میری باتوں کو ترجیح دی۔ کچھ تحریریں ایسی تھی جو نا قابل اشاعت تھی ان کو قابل اشاعت بنایا گیا، کچھ تحریروں میں اشارات وکنایات کے ذریعے جامعہ اور رئیس الجامعہ کی طرف انگلیاں اٹھائی گئی تھی مگر انہوں نے یہ کہہ کر درگذر کر دیا کہ انہیں بھی اپنے خیالات کے اظہار کرنے کا حق ہے، ہمارے رسالے میں شائع ہونے میں کوئی حرج نہیں۔ یقیناً یہ ان کا بڑا پن ہے۔

ورنہ تو مجھے یہ بھی دیکھنے کو ملا ہے کہ فلاں کا نام ہمارے رسالے میں نہیں آنا چاہیے، یہاں تو اپنوں کے ناموں سے بھی نفرت کی جاتی ہے۔ ایک اہم بات یہ بھی ذہن میں رہے کہ مولانا مرحوم پر لکھی گئی تمام تحریریں من وعن شائع کی گئی ہیں۔ ایک دو تحریروں میں گرائمر یا کسی ترکیب کی درستگی اور بعض جملوں کو حذف کیا گیا ہے۔ یہ کام صرف نوآموز لکھاریوں کی تحریروں میں کیا گیا ہے ورنہ جید اہل قلم کی تحریروں میں ایک لفظ کی بھی کمی وبیشی نہیں کی گئی ہے۔ یہاں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ سہ ماہی نصرۃ الاسلام کی ترتیب وتزئین، پروف ریڈنگ، ایڈیٹنگ، اہل علم وقلم سے مضامین لکھوانا، سرکولیشن اور رسالے کے دفتری انتظام وانصرام، غرض سب کچھ کے لیے مجھے بذاتِ خود سر کھپائی کرنی پڑتی ہے، اس لیے کچھ خامیاں ہونگیں بلکہ یقیناً ہیں تو آپ درگذر فرمائیں اور دعاؤں کے ساتھ نیک مشوروں سے بھی نوازیں تاکہ ہم بہتر سے بہترین کی جانب گامزن ہو جائیں۔ بہرصورت اس شمارے میں مولانا مرحوم کی شخصیت پر اصحاب علم وقلم، صاحبان فکر ودانش اور ارباب سیاست وقیادت کی جاندار تحریریں پڑھ کر آپ محظوظ ہونگے۔ اور اگر موقع ملے تو اپنے مستجاب الدعوات دعاؤں میں ضرور یاد رکھیے گا۔ اللہ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔ اپنا بہت خیال رکھیں!

گزشتہ سے پیوستہ

مکالمات و ڈائیلاگ

بین المذاہب اختلافات اور مکالمہ کے ذریعہ ان کا حل......

قرآن وسیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں

مقالہ نگار: **پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی**

فاضل: جامعہ علوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

صدر: شعبۂ اسلامیات، قائدملت گورنمنٹ ڈگری کالج لیاقت آباد کراچی

سپروائزر: ایم فل/ پی ایچ۔ڈی شعبہ قرآن والسنہ، فیکلٹی اسلامک اسٹڈیز جامعہ کراچی، وفاقی اردو یونیورسٹی کراچی

ہائر ایجوکیشن کمیشن اسلام آباد، پاکستان

اختلاف تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں:

نفس اختلاف عقلاً ونقلاً ممنوع نہیں احادیث نبویہ ﷺ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی (م ۹۰۲ھ) نے اپنی کتاب (۲۶) میں طبرانی اور دیلمی کے حوالہ سے جویبر (۲۷) اور ضحاک (۲۸) کے توسط سے ابن عباسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے۔

عن ابن عباس – رضی اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم العمل بما فى كتاب اللّٰه لا عذر لأحد فى تركه، فإن لم يكن فى كتاب اللّٰه فسنة ماضية منى فإن لم تكن سنة، فما قال اصحابى، إن أصحابى كلهم بمنزلة النجوم فى السماء فأيما أخذتم به اهتديتم، و اختلاف أصحابى لكم رحمة (۲۹)

آپ ﷺ نے فرمایا کتاب اللہ میں جو حکم ہے اس پر عمل لازم ہے، کسی حال میں عمل نہیں چھوڑا جا سکتا ہے، اگر کتاب اللہ میں حکم نہ ملے تو سنت رسول اللہ میں تلاش کرو، اگر وہاں بھی حکم نہ ملے تو میرے صحابی کے قول پر عمل کریں، بیشک میرے تمام صحابہؓ آسمان کے ستاروں کی مانند ہیں، تم جس کے قول پر عمل کرو گے ھدایت پا جاؤ گے۔ میرے صحابہؓ کا اختلاف امت محمد یہ ﷺ کے لئے رحمت ہے۔

سخاوی نے اس روایت کو نقل کر کے ضعیف قرار دیا ہے۔ (۳۰) ڈاکٹر عبدالکریم نے زیدان نے اس سے بھی زیادہ سخت رائے اختیار کی ہے۔ (۳۱)

آپ ﷺ سے منقول یہ مذکورہ حدیث اختلاف اُمتی رحمۃ یہ چند الفاظ کے اضافہ:

اختلاف امتى رحمة للناس (۳۲)

یا چند الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ

اختلاف امت محمد رحمة لعباد اللّٰه (۳۳)

زبان زدعام وخاص ہے۔ اسے سخاوی نے نقل کر کے غریب الحدیث قرار دیا ہے، دوراویوں اسحاق موصلی (۳۴) اور عمرو بن الجاحظ (۳۵) کے سبب۔ لیکن اہم بات یہ ہے کہ اس حدیث کو متعدد محدثین نے نقل کیا ہے۔ (۳۶) اور اس مفہوم کی متعدد روایات نقل کی ہیں، جس سے واضح ہوتا ہے کہ خود امت کا تعامل بھی اختلاف کو رحمت سمجھتا رہا ہے۔

لہٰذا متضاد مفہوم لینا کہ اختلاف رحمت ہے تو کیا اتفاق عذاب ہے، درست نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اختلاف مطلوب ومقصود نہیں ہے، لیکن فروعی وجدید مسائل میں توسع کے لئے اختلاف کی حوصلہ شکنی بھی نہیں کی گئی ہے۔

امام شاطبی سے روایت ہے امت کے مجتہدین کا فروع میں اختلاف رحمت اور وسعت ہے۔

اسی طرح ابن عباسؓ سے ایک ضعیف روایت منقول ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں نبی (ﷺ) کی سنت نہ ملے تو میرے صحابہؓ کی سنت ہے، میرے صحابہؓ آسمان کے ستاروں کی مانند ہیں تم جس کی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے، میرے صحابہؓ کا اختلاف تمہارے لئے رحمت ہے۔

فان لم تكن سنة منى فما قال اصحابى ان اصحابى بمنزلة النجوم فى السماء فا يما اخذ تم به اهتديتم و اختلاف اصحابى لكم رحمة (۳۷)

اس طرح ایک روایت ہے:

اختلاف امتی رحمة

میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ (۳۸)

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے منقول ہے آپ نے فرمایا:

ما أحب ان اصحاب رسول الله لم يختلفوا لا نہٗ لو كان قولاً واحدا كان الناس فى ضيق و انهم آئمه يقتدى بهم فلو أخذ أحد بقول رجل منهم كان فى سعة(۳۹)

امام غزالی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں فقیہ کا اختلاف اگر ہوائے نفس کی بنیاد پر ہے، دلائل کی بنیاد پر نہیں تو یہ اختلاف مذموم ہے ورنہ نہیں۔ (۴۰)

اختلاف صحابہؓ کی مثالیں:

آپ ﷺ نے غزوہ بنی قریظہ کے موقع پر صحابہؓ کی ایک جماعت کو حکم دیا کہ عصر کی نماز بنی قریظہ میں پڑھنی ہے، لیکن راستہ میں عصر کا وقت ہوگیا ایک جماعت نے آپ ﷺ کے حکم کا مطلب یہ سمجھا کہ آپ ﷺ کا مقصود جلد پہنچنا تھا، اب تاخیر ہوگئی ہے لہٰذا راستہ میں عصر ادا کریں، دوسری جماعت نے کہا آپ ﷺ نے عصر کی نماز بنی قریظہ میں پہنچ کر ادا کرنے کا حکم دیا تھا، لہٰذا راستہ میں ادا نہیں کرنی چاہئے، جب آپ ﷺ کے سامنے دونوں جماعتوں نے اپنا موقف پیش کیا تو آپ ﷺ نے کسی پر بھی نقد نہیں کیا، یہ آپ ﷺ کے حکم کی تعبیر میں اختلاف تھا، مقصود دونوں کا تعمیل حکم تھا۔ (۴۱)

صحابہؓ کے درمیان متعدد مسائل میں اختلاف تھا، مثلاً معراج جسمانی ہوئی یا روحانی، حضرت عائشہؓ کا موقف تھا روحانی، حضرت ابن عباسؓ اور اکثر صحابہؓ کا موقف تھا جسمانی ہوئی۔ (۴۲)

میت کو عذاب دیا جاتا ہے اس کے اہل وعیال کے آہ وبکا کرنے پر، حضرت عائشہؓ نے اس روایت کا انکار کیا ہے، دیگر صحابہؓ قائل تھے۔ (۴۳)

اسی طرح صحابہؓ کے درمیان اختلاف تھا کہ مردے زندوں کو سنتے ہیں یا نہیں؟ آپ ﷺ نے رب کو دیکھا یا نہیں؟
ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان اختلافات کے باوجود سب کا عدم تکفیر پر اتفاق تھا۔ (۴۴)
اسی طرح مختلف قراءات پر آپس میں اختلافات تھے، قاضی شریح ''بل عجبتُ'' کی قرأت کے منکر تھے۔ اسی طرح اس نکتہ پر مفسرین کا اختلاف ہے کہ ذبیح اسماعیل ہیں یا اسحٰق علیہ السلام۔ (۴۵)
حضرت عمر بن عبدالعزیز سے منقول ہے:

ما احب ان اصحاب رسول اللہ ﷺ لم یختلفوا لانہ لو کانوا قولا واحدا کان الناس فی ضیق، وانھم ائمۃ یقتدی بھم فلو اخذ رجل بقول احدھم کان فی سعۃ-(۴۶)

اگر صحابہ کے درمیان کسی مسئلہ میں اختلاف نہ ہوتا، سب ایک رائے پر متفق ہوتے تو لوگوں کے لئے عمل کا دائرہ تنگ ہو جاتا، صحابہ آئمہ ہیں ہر ایک اقتداء کے قابل ہے جس کا چاہے قول اختیار کرے اسی میں وسعت ہے:
صحابہ کرامؓ وتابعین عظام رحمہم اللہ میں سے کسی نے کبھی اس بات پر زور نہیں دیا کہ ان کے موقف کو سو فیصد درست مانا جائے، اور دوسرے کے موقف کی لازماً تغلیط کی جائے۔
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ آپؓ نے ایک مسئلہ پر اپنی رائے بیان کرنے کے بعد فرمایا:

اقول فیھا برأی فان یک صوابا فمن اللہ، وان یک خطا فمنی واستغفر اللہ (۴۷)

یعنی اگر میری رائے صحیح ہے تو اللہ کی طرف سے ہے، اگر غلط ہے تو میری جانب سے ہے، اور میں اللہ سے مغفرت کا خواہاں ہوں۔
اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا:

قولنا ھذا الرای و ھو احسن ماقدرنا علیہ فمن جاء نا باحسن من قولنا فھو اولی بالصواب منا (۴۸)

اسی طرح امام مالک بن انس رحمہ اللہ فرماتے ہیں، علماء کا اختلاف امت محمدیہ کے لئے رحمت ہے، جو جسے صحیح سمجھتا ہے، اس کی پیروی کرے سب حق پر اور ہدایت پر ہیں۔

ان اختلاف العلماء رحمۃ من اللہ تعالی علیہ ھذہ الامۃ، کل یتبع ماصح عندہ وکل مصیب وکل علی ھدی-

یہی موقف حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا ہے وہ فرماتے ہیں:

لم یعبر الجسر الی خراسان مثل اسحاق، وان یخالفنا فی اشیاء فان الناس لم یزل یخالف بعضھم بعضا-

حضرت ابوبکرؓ سے جدہ کی میراث کی بابت سوال کیا گیا۔ آپ نے اپنے علم کے مطابق جواب دیتے ہوئے فرمایا:

مالک فی کتاب اللہ من شئ وما علمت لک فی سنۃ رسول اللہ ﷺ من شئ ولکن اسال الناس-

یعنی یہ مسئلہ نہ کتاب اللہ میں ہے نہ سنت رسول اللہ ﷺ میں لہٰذا میں لوگوں سے رائے لوں گا۔ پھر آپ ﷺ نے یہ

مسئلہ صحابہ t کے سامنے رکھا تو حضرت مغیرہ بن شعبہ اور محمد بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے گواہی دی کہ:

ان النبی اعطاها السدس (۴۹)

آپ ﷺ نے دادی کو چھٹا حصہ دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ شوہر کی دیت میں بیوی کی وراثت کے قائل نہیں تھے۔ نبی کریم ﷺ کے ایک عامل حضرت ضحاک بن سفیان الکلابی رضی اللہ عنہ نے باقاعدہ خط کے ذریعہ آپ رضی اللہ عنہ کو تحریر کیا کہ آپ ﷺ نے اُشیم الضبابی کی بیوی کو وراثت دلوائی تھی۔

ان رسول اللہ ورث امراۃ اشیم الضبابی رضي اللہ عنها من دیة زوجها - (۵۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خط پڑھ کر فوری طور پر اپنی رائے سے رجوع کرلیا اور فرمایا: **لولم نسمع بهذا اقضینا بخلافه** ،اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجوس سے جزیہ لینے کے بارے میں تفصیلی احکام سے واقف نہیں تھے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کا یہ حکم ان تک پہنچایا کہ اہل کتاب جیسا ان سے سلوک کرو۔

سنوا بهم سنة اهل الکتاب (۵۱)

حضرت عمرؓ نے اس کے مطابق عمل کیا۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ "متوفی عنہا زوجھا" کی عدت کے بارے میں اس بات کے قائل نہیں تھے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر میں عدت گزارے گی۔ ایک صحابیہ حضرت فریعۃ بنت مالک نے اپنا واقعہ ان کے سامنے رکھا کہ جب ان کے شوہر کا انتقال ہوا تو نبی کریم ﷺ نے ان کو یہ ہدایت دی کہ اپنے شوہر کے گھر میں عدت گزارو۔ **امکثی فی بیتک حتی یبلغ الکتاب اجله** ،حضرت عثمانؓ نے اپنی رائے تبدیل کرلی۔ حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ابتدا میں یہ فتوی تھا کہ دوران حمل اگر کسی عورت کا شوہر انتقال کر جائے تو وہ وضع حمل یا چار ماہ اور دس دن میں سے جو مدت زیادہ ہوگی وہ اس عرصہ کی عدت گزار یگی، حضرت سبیعۃ اسلمیۃ رض اللہ عنہا کے حوالہ سے جب ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فتوی کا علم ہوا کہ آپ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا: **ان عدتها وضع حملها** کہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے۔

تو دونوں حضرات نے فتویٰ سننے کے بعد فوری طور پر اپنی رائے سے رجوع کرلیا۔ حضرت عطاء بن یاسر اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دو افراد سفر میں ساتھ تھے کہ نماز کا وقت ہوگیا، پانی نہ ہونے کی وجہ سے دونوں نے تیمّم کر کے نماز پڑھ لی، کچھ دور جانے کے بعد پانی مل گیا ان میں ایک صحابی نے وضو کر کے نماز دہرالی جبکہ دوسرے صحابیؓ نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ سفر سے واپسی کے بعد نبی کریم ﷺ کے علم میں جب یہ واقعہ لایا گیا تو آپ ﷺ نے اس شخص سے جس نے نماز کا اعادہ نہیں کیا تھا فرمایا:

اصبت السنة ای الشریعة الواجبة واجزاتک الصلاۃ

آپ نے شریعت کے تقاضہ پر عمل کیا اور نماز درست ہوگئی، اور جس شخص نے وضو کر کے نماز دہرائی تھی اس سے فرمایا:

لک الا جرمرتین- (۵۲)

تمہارے لئے دوہرا ثواب ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ابتدا میں یہ رائے تھی کہ حالت جنابت میں اگر صبح ہو جائے تو روزہ نہیں رہتا۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کسی زوجہ مطہرہ رضی اللہ عنہا نے اس پر تنبیہ کی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے سے فوری طور پر رجوع کرلیا۔(۵۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ابتدا میں یہ فتویٰ تھا کہ عورتیں غسل کرتے ہوئے اپنے بال کھولیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علم میں جب یہ بات لائی گئی تو آپ رضی اللہ عنہا نے انتہائی سخت تنقید کرتے ہوئے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک برتن سے غسل کرتی تھی، اور سر پر تین مرتبہ پانی بہاتی تھی، بغیر بال کھولے ہوئے۔

یا عجبا لابن عمر هذا يامر النساء ان ينقضن رؤسهن افلا يامرهن ان يحلقن رؤسهن، لقد كنت اغتسل انا ورسول الله صلى الله عليه وسلم من اناء واحد وما ازيد على ان افرغ على راسي ثلاث افرغات۔ (۵۴)

اس کے بعد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے سے رجوع کرلیا۔

ایک ہی فقہ کے آئمہ کے درمیان اصولی اختلافات کی مثالیں: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اصل یہ ہے کہ ذمیوں کا جو عقیدہ اور جو مذہب حکم ہو اس پر انہیں چھوڑ دیا جائے گا اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک انہیں احکام اور معاملات کے بارے میں آزاد نہیں چھوڑا جائے گا۔ اس اختلاف پر بہت سے مسائل متفرع ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر جمال الدین عطیہ لکھتے ہیں: ذمی نے اگر ذمی عورت سے دوسرے شوہر کی عدت کے اندر شادی کرلی ہے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں کو اسی حال پر چھوڑ دیا جائے گا اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک تفریق کر دی جائے گی۔

ذمی مرد نے اگر کسی ایسی عورت سے شادی کرلی جس سے نکاح کرنا اسلامی شریعت میں حرام ہے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جب تک وہ دونوں مرد اور عورت مسلمان حاکم کے پاس خود مقدمہ لے کر نہ آئیں ان دونوں کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی، اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک تفریق کر دی جائے گی۔

اگر ایک مجوسی نے اپنی ماں سے نکاح کیا اور وطی بھی کی پھر اسلام قبول کرلیا اس کے بعد کسی انسان نے اس پر زنا کا الزام لگایا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک الزام لگانے والے پر حد قذف جاری کی جائے گی۔ کیونکہ امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک مجوسی مرد اور اس کی ماں اسی نکاح کی حالت میں باقی رکھے گئے تھے، لہٰذا ماں سے وطی کرنا اس کے لئے زنا نہیں ہوا، اس لئے اسے زانی کہنے والے پر حد قذف جاری کی جائے گی، اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک حد نہیں جاری کی جائے گی۔

مجوسی نے اگر کسی ایسی عورت سے نکاح کیا جس سے اس کا نکاح کرنا اسلامی شریعت میں حرام ہے تو امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک مجوسی مرد کے ذمہ اس عورت کا نفقہ لازم ہوگا۔ کیونکہ وہ دونوں اسی نکاح پر برقرار رکھے جائیں گے۔ اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک مجوسی مرد کے ذمہ نفقہ لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ ان دونوں کا عقد نکاح باقی نہیں رکھا جائے گا۔

اگر ایک ذمی نے ذمی عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ عورت کو کوئی مہر نہیں دے گا تو امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک یہ نکاح درست ہے، اور عورت مہر کی مستحق نہیں ہوگی، اگر چہ دونوں اسلام لے آئے ہوں اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اسلام لانے کے بعد اس عورت کے لئے مرد کے ذمہ مہر مثل واجب ہوگا، اور اگر دخول سے پہلے طلاق دے دی ہو تو متعہ ہوگا۔(۵۵)

دوسری مثال ابن رشد کی کتاب "بدایۃ المجتہد و نہایۃ المقتصد" سے پیش کرتے ہیں تا کہ یہ معلوم

ہو سکے کہ بعد کے مرحلہ میں اختلافِ فقہاء پیش کرنے کا کیا انداز تھا یہ نمونہ باب الھبہ سے لیا گیا ہے:

باب ہبہ کے مشہور مسائل میں سے ہبہ سے رجوع کرنے کے جواز کا مسئلہ ہے اس سلسلے میں امام مالک رحمہ اللہ اور مدینہ کے تمام علماء کا مسلک یہ ہے کہ باپ نے بیٹے کو جو کچھ ہبہ کیا ہے اس سے رجوع کرسکتا ہے، بشرطیکہ بیٹے نے نہ نکاح کیا ہو اور نہ کسی سے نئے قرض کا معاملہ کیا ہو، خلاصہ یہ ہے کہ اس پر غیر کا کوئی حق مرتب نہ ہوا ہو اور ماں کو بھی اختیار ہے کہ اپنی ہبہ کی ہوئی چیز سے رجوع کرلے، بشرطیکہ باپ زندہ ہو، امام مالک رحمہ اللہ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ ماں رجوع نہیں کرسکتی ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ اور ظاہریہ کا مسلک ہے کہ کوئی شخص اپنی ہبہ کی ہوئی چیز سے رجوع نہیں کرسکتا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ ہر شخص اپنی ہبہ کی ہوئی چیز سے رجوع کرسکتا ہے، الا یہ کہ اس نے اپنے کسی قریبی عزیز کو ہبہ کیا ہو۔

اس بات پر تمام فقہاء کا اجماع ہے کہ جس ہبہ میں صدقہ کی نیت ہو اس سے رجوع کرنا جائز نہیں ہوتا۔

اس مسئلہ میں ائمہ کے اختلافات کا سبب یہ ہے کہ اس بارے میں متعارض آثار وارد ہیں۔

جن لوگوں کا مسلک یہ ہے کہ ہبہ سے رجوع کرنا بالکل جائز نہیں، انہوں نے اس حدیث کے عموم سے استدلال کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اپنے ہبہ سے رجوع کرنے والے کی مثال اس کتے کی طرح ہے جو اپنی قے کو دوبارہ چاٹتا ہے۔ جن لوگوں نے ماں باپ کا استثناء کیا ہے اور ان دونوں کے لئے ہبہ سے رجوع کرنا جائز ہے، ان کی دلیل طاؤس سے مروی یہ حدیث ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

> کسی ہبہ کرنے والے کے لئے یہ جائز نہیں کہ اپنے ہبہ سے رجوع کرے سوائے والد کے اور انہوں نے ماں کو باپ پر قیاس کیا۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر طاؤس کی حدیث متصل ہوتی تو میں اسے اختیار کرلیتا، بعض دوسرے حضرات نے لکھا ہے کہ یہ حدیث حسین المعلم کی سند سے متصل ہے، اور حسین المعلم ثقہ ہیں۔

جن لوگوں کا یہ مسلک ہے کہ قریبی عزیزوں کے علاوہ دوسروں کو دیئے ہوئے ہبہ سے رجوع کرنا جائز ہے، انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا جسے امام مالک رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

> جو شخص صلہ رحمی کے لئے یا بطورِ صدقہ ہبہ کرے وہ رجوع نہیں کرسکتا اور جو شخص محض ثواب کے لئے کوئی ہبہ کرے وہ اپنے ہبہ سے رجوع کرسکتا ہے۔

یہ لوگ دلیل میں یہ بات بھی پیش کرتے ہیں کہ اصل یہ ہے کہ جس شخص نے کوئی معاوضہ لئے بغیر کوئی چیز ہبہ کی، اس کے ذمہ یہ ہبہ لازم نہیں ہوتا جیسے اگر اس سے وعدہ کیا جاتا تو اس میں لزوم پیدا ہوتا ہے، لیکن بطور صدقہ جو ہبہ کیا جائے اس کے لازم ہونے پر اتفاق ہے۔

مدینہ کے جمہور علماء کہتے ہیں کہ جس شخص نے بیٹے پر صدقہ کیا اور اس پر قبضہ کرنے کے بعد بیٹے کا انتقال ہوگیا۔ تو صدقہ کرنے والا ہی اس کا وارث ہوگا۔ امام مالک رحمہ اللہ کی مرسل روایات میں ہے کہ خزرج کے ایک انصاری شخص نے اپنے والدین پر صدقہ کیا پھر والدین کا انتقال ہوگیا۔ بیٹا ہی اس مال کا وارث ہوا، وہ مال کھجور کا درخت تھا اس کے

بارے میں نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

''تمہیں صدقہ کا ثواب مل گیا، اب میراث کی بنا پر اس کو لے لو۔''

ابوداؤد نے عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اور اس نے عرض کیا کہ میں نے اپنی ماں کو ایک باندی ہبہ کی تھی۔ ماں کا انتقال ہوگیا، اس نے میراث میں وہ باندی چھوڑی ہے، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تمہارا اجر ثابت ہوگیا اور وہ باندی تمہیں میراث میں واپس مل گئی ہے۔''

فقہاء ظاہر یہ کہتے ہیں ہبہ سے رجوع کرنا کسی کے لئے جائز نہیں کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس گھوڑے کے بارے میں جوانہوں نے ہبہ کیا تھا فرمایا: کہ اسے مت خرید و کیونکہ اپنے ہبہ سے رجوع کرنے والا اس کتے کی طرح ہے جو اپنی قے چاٹتا ہے، اس حدیث کی صحت پر سب کا اتفاق ہے۔ (۵۶)

قاضی ابن رشد کہتے ہیں ہبہ سے رجوع کرنا محاسن اخلاق میں نہیں آتا حالانکہ رسول اکرم ﷺ محاسن اخلاق کی تکمیل ہی کے لئے مبعوث کئے گئے ہیں۔ ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے، اختلاف اگر دلیل کی بنیاد پر ہے، تو درست ہے اور امت کا تعامل اسی پر ہے۔

اختلاف بین المذاہب الفقہاء پر اہم تصانیف:

☆ اس فن میں سب سے قدیم تصنیف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ (متوفی ۱۵۰ھ) کی ہے انہوں نے اختلاف الصحابہ کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی۔

☆ اس کے بعد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد امام ابو یوسف رحمہ اللہ (متوفی ۱۸۲ھ) نے اس فن میں دو کتابیں لکھیں جسے ابن الندیم رحمہ اللہ نے الفہرست میں ذکر کیا ہے۔

اختلاف ابی حنیفہ رحمہ اللہ و ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ ور کتاب الجوامع۔

☆ امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۷۹ھ) نے کتاب الحجہ علی اہل المدینہ تصنیف کی جس میں انہوں نے فقہاء کی آراء کا موازنہ کیا، خصوصاً امام مالک رحمہ اللہ کی فقہی آراء کا اپنے استاذ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فقہی آراء سے موازنہ کیا۔ (۵۷)

☆ امام شافعی (متوفی ۲۰۴ھ) کی مشہور تصنیف کتاب الام، اختلاف فقہاء کے موضوع پر متعدد کتابوں پر مشتمل ہے، مثلاً اختلاف ابی حنیفہ والاوزاعی اختلاف الشافعی ا و محمد بن الحسن رحمہ اللہ، اختلاف الشافعی رحمہ اللہ مع مالک رحمہ اللہ۔

اسی طرح اختلاف فقہاء پر بے شمار کتب ہیں، یہاں ریسرچ اسکالرز کے لئے چند اہم کتب کا اختصار کے ساتھ تذکرہ کیا جارہا ہے۔

☆ محمد بن نصر مروزی (م۲۹۴ھ) کی اختلاف الفقہاء ہے جس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ وعبداللہ رضی اللہ عنہ کی فقہی آراء ہیں۔

☆ محمد بن جریر طبری (م۳۱۰ھ) کی اختلاف الفقہاء ہے۔

☆ محمد بن ابراہیم بن المنذر شافعی (م ۳۱۹ھ) کی الاوسط فی السنن والاجماع اوراختلاف العلماء ہیں، لیکن تفصیلی کتاب الاشراف علی مذاہب ہے۔

☆ ابوجعفر طحاوی (م ۳۲۰ھ) کی اختلاف الفقہاء، اورشرح معانی الآثار ہیں۔

☆ ابن الوراق مروزی (م ۳۲۹ھ) کی مسائل الخلاف،

☆ ابو اللیث سمرقندی (م ۳۷۳ھ) کی مسائل الخلاف مالکی شافعی وحنفی اختلافات پر مشتمل ہے۔

☆ امام قدوری (م ۴۲۸ھ) کی التجرید شافعی حنفی آئمہ و تلامذہ کے اختلافات پر مشتمل ہے۔

☆ ابن حزم (م ۴۵۶ھ) کی المحلی

☆ بیہقی (م ۴۵۸ھ) کی کتاب الخلافیات۔

☆ ابوجعفر طوسی (م ۴۶۰ھ) کی الخلاف فی الفقہ

☆ امام غزالی (م ۵۰۵ھ) نے چار کتابیں لکھیں ماخذ الخلاف، لباب النظر، تحصین الماخذ، المبادی والغایات،

☆ احمد قفال شاشی (م ۵۰۷ھ) کی مشہور کتاب حلیۃ العلماء فی معرفۃ مذاہب الفقہاء،

☆ امام نسفی (م ۵۳۸ھ) کی کتاب الخلافیات،

☆ ابوبکر بن العربی (م ۵۴۳ھ) کی کتاب الانصاف فی مسائل الخلاف

☆ کاسانی (م ۵۸۷ھ) کی بدائع الصنائع۔

☆ ابوعبداللہ اندلسی (م ۵۲۱ھ) کی الانصاف فی التنبیہ علی الاسباب،

☆ ابن رشد (م ۵۹۵) کی بدایۃ المجتہد و نہایۃ المقتصد

☆ ابن قدامہ (م ۶۲۰ھ) کی المغنی

☆ ابن السبکی (م ۷۷۱ھ) کی الاشباہ والنظائر۔

☆ عبدالرحمن الدمشقی (م ۷۸۰ھ) کی رحمۃ الامۃ فی اختلاف الامۃ

☆ ابن عبدالبر کی جامع بیان العلم

☆ دبوسی حنفی، (م ۴۳۰ھ) کی تاسیس النظر

☆ زنجانی (۶۵۶ھ) کی تخریج الفروع عن الاصول۔

☆ ابوعبداللہ تلسانی (م ۷۷۱ھ) کی مفتاح الوصول الی بناء الفروع علی الاصول۔

☆ اسنوی (م ۷۷۲ھ) کی التمہید فی تخریج الفروع علی الاصول اور الکوکب الدری فی تخریج الفروع الفقہیۃ،

☆ شاہ ولی اللہ دھلوی کی الانصاف فی بیان سبب الخلاف، میں اصول فقہ کے فروع پر اثرات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر مصطفی سعید الخن نے اس حوالہ سے کتاب اثر الاختلاف فی القواعد الاصولیۃ فی اختلاف

الفقہاء عطیہ (۵۸)

اور ڈاکٹر جمال الدین عطیہ کی فقہ اسلامی کی نظریہ سازی جامع کتابیں ہیں۔

فقہاء کے درمیان اختلاف کی صورت میں عوام کے لئے رہنمائی:

عوام جو کہ شرعی رہنمائی کی خواہاں ہوتی ہے وہ مختلف فقہاء و مفتیان کرام کے متضاد فتاوی کو دیکھ کر فیصلہ نہیں کر پاتی ہے کہ کس پر عمل کرے حتی کہ ایک ہی فقہ حنفی کے متبع مفتیان کے فتاویٰ بھی یکساں نہیں ہوتے، لہٰذا عوام کے لئے چند صورتیں ہیں۔

بعض شوافع وحنابلہ فقہاء کی رائے ہے کہ عوام کو اختیار ہے مختلف فتاویٰ میں سے جسے چاہیں اختیار کریں اور جسے چاہیں چھوڑ دیں، احناف، مالکیہ اور اکثر شوافع اور امام احمد کی ایک روایت کے مطابق عوام کو اختیار نہیں بلکہ ضروری ہے وہ مختلف فتاویٰ میں سے کسی ایک کو ترجیح دیں۔ اور ترجیح دینے میں ایک مشورہ یہ دیا گیا ہے کہ سخت حکم کو اختیار کریں۔ دوسرا مشورہ یہ دیا گیا ہے کہ جس فتویٰ پر عمل کرنا زیادہ آسان ہو اسے اختیار کریں۔ تیسرا مشورہ یہ دیا گیا ہے جو مفتی زیادہ صاحب علم ہو اس کے فتویٰ پر عمل کریں۔ (۵۹)

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں عوام کو چاہئے وہ فتویٰ پر غور وفکر کریں، جسے افضل سمجھیں اور جس پر دل مطمئن ہو اس پر عمل کریں۔ (۶۰)

خلاصہ بحث:

اختلافات ہر دو میں ہر مذہب میں اور ہر نظام میں موجود تھے اور رہیں گے اختلاف زندگی کی علامت ہے اور بقول فارسی شاعر ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است لیکن اسلام میں ان اختلافات کو علمی مجالست ومکالمہ کے ذریعہ حل کرنے کی تعلیم دی گئی، اسے جنگ وجدال کا ذریعہ بنانے سے منع کیا گیا ہے اور احادیث و آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ جب فریق ثانی نے جواباً دلیل پیش کی ہے، تو فریق اول نے فوراً اپنا اختلاف ختم کر دیا ہے، اگر آج ہم سب کے اندر یہ جزبہ پیدا ہو جائے تو یقیناً تمام طبقے ایک دوسرے کے قریب آسکتے ہیں اور یہی اس مقالہ کا مقصود ہے۔

حواشي و حواله جات

۲۶۔ السخاوی، شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن الأجوبۃ المرضیۃ فیما سئل السخاوی عنہ من الأحادیث تحقیق محمد اسحٰق دار الرأیۃ الریاض الطعبۃ الاولی، ۱۴۱۸ھ، ج/۱، ص/۱۰۶

۲۷۔ وجویر بن سعید الأزدی، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: ضعیف جداً، تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے: تھذیب الکمال ۵/ ۱۶۷ (۹۸۵) والتقریب ص۲۰۵ (۹۹۴)

۲۸۔ الضحاک بن مزاحم الھلالی أبو القاسم تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے، تھذیب الکمال ۱۳/ ۲۹۱ (۲۹۲۸) و تہذیب التھذیب ۴/ ۴۵۳، والتقریب ص۴۵۹ (۲۹۹۵)

۲۹۔ السخاوی، الأجوبۃ المرضیۃ، ج/۱، ص/ ۱۰۵، لیکن اس روایت کو مختلف محدثین نے نقل کیا ہے اور زبان زد عام ہے دیکھئے: المقاصد الحسنۃ ص۲۶۔۲۷، رقم (۳۹) وعزاہ لما (الطبرانی والدیلمی) وکذلک الزبیدی فی إتحاف السادۃ المتقین ۱/ ۲۰۵، وانظر: زہر الفردوس ۴/ ۸۷، وأخرجہ أیضاً للبیہقی فی المدخل ص۱۶۲۔۱۶۳، رقم

(۱۵۲) والخطیب فی الکفایۃ فی علم الروایۃ، ص ۴۸، وابن عساکر فی تاریخ ۷/۶۳۲، وانظر سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ للشیخ الألبانی برقم ۵۹، وعزاہ لأبی العباس الأصم من حدیثہ

۳۰۔ السخاوی، الأجوبۃ المرضیۃ ج/۱، ص/۱۰۶

۳۱۔ زیدان، ڈاکٹر عبد الکریم مجموعۃ بحوث فقہیۃ مکتبۃ القدس مؤسسۃ الرسالۃ بغداد، عراق و بیروت، ۱۹۷۶ء، ص/۲/۲۷۲ تا ۳۰۹

۳۲۔ السخاوی، شمس الدین محمد بن عبد الرحمن (م ۹۰۲ھ) الأجوبۃ المرضیۃ فیما سئل السخاوی عنہ من الاحادیث تحقیق محمد اسحٰق دار الرأیۃ الریاض ۱۴۱۸ھ، ج/۱، ص/۱۰۴

۳۳۔ دیکھئے المقاصد الحسنہ، ص/۲۷

۳۴۔ یہ ابو محمد إسحاق بن إبراہیم الموصلی التمیمی الأرجانی ہیں، الأصل المعروف بابن الندیم کان من ندماء الخلفاء ولہ الطرف المشہور والخلاعۃ والغناء اللذان تفرد بہما کان من العلماء باللغۃ والأشعار وأخبار الشعراء وأیام الناس مولدہ سنۃ ۱۵۰ھ وتوفی سنۃ ۲۳۵ھ، تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے: تاریخ بغداد ۶/ ۳۳۸، ووفیات الأعیان ۱/۲۰۲

۳۵۔ عمرو بن بحر بن محبوب البصری المعتزلی ابو عثمان ہیں، صاحب التصانیف أخذ عن النظام مات سنۃ ۲۵۰ھ، تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے: تاریخ بغداد ۱۲/۲۱۲، ۲۲۰، وسیر أعلام النبلاء ۱۱/ ۵۲۶

۳۶۔ اس حدیث کو ابن الحاجب نے اپنی مختصر میں خطابی نے غریب الحدیث میں بیہقی نے اپنے رسالہ میں زرکشی نے اپنی مختصر میں، ابن الاثیر نے جامع الاصول کے مقدمہ میں نقل کیا ہے دیکھئے: ج/۱، ص ۱۸۲، بیضاوی نے اپنی تفسیر میں دیکھئے: ج/۳، ص/۵۴، غزالی نے احیاء العلوم کے مقدمہ میں دیکھئے: ج/۱، ص/۳۹، قرطبی نے اپنی تفسیر میں دیکھئے ذیل سورہ آل عمران آیت ۱۰۵، فیض القدیر ج/ص/۲۰۹

۳۷۔ موسوعۃ الفقہیۃ وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیۃ کویت، الطبعۃ الثانیۃ ۱۹۸۲ء، ج/۲، ص/ ۲۹۵، بحوالہ بیہقی اور المقاصد الحسنۃ، ص/۲۶

۳۸۔ اس روایت کو سیوطی نے الخصائص الکبریٰ میں بغیر تخریج کے نصر المقدسی سے نقل کیا ہے۔

۳۹۔ موسوعۃ الفقہیۃ، ج/۲، ص/ ۲۹۶، بحوالہ کشف الخفاء، ص/ ۶۵، اور الموافقات ج/۴، ص/ ۱۲۵

۴۰۔ غزالی، احیاء علوم الدین مطبوعۃ المکتبۃ التجاریۃ، ج/۱، ص/۴۲

۴۱۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ج/ ۷، ص/ ۳۲۸

۴۲۔ محمد عوامہ، ادب الاختلاف فی مسائل العلم والدین دار البشائر بیروت، ۱۹۹۷ء، ص/۱۴

۴۳۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ج/۳، ص/ ۱۵۰

۴۴۔ ابن تیمیہ، مجموع الفتاوی، ج/۱۲، ص/۴۹۲

۴۵۔ محمد عوامہ، ادب الاختلاف فی مسائل العلم والدین، ص/ ۱۵

۴۶۔ جامع بیان العلم، لأبی عمر یوسف ابن عبد البر النمری رحمہ اللہ ۴۶۳ء، ادارہ الطباعۃ المنیریۃ، دمشق، ج ۲، ص

۸۴
۴۷۔ محمد عوامہ، صفحات فی ادب الرای، جدہ دار القبلۃ للثقافہ الاسلامیۃ ۱۹۹۱ء، ص ۳۰
۴۸۔ احمد بن حجر الہیثمی، الخیرات الحسان، فی مناقب أبی حنیفہ النعمان مطبع المدنی مصر، ۱۴۱۵ھ، ص ۲۳
۴۹۔ ابن تیمیۃ، رفع الملام عن ائمۃ الاعلام، مطبع الوطنیۃ، قطر، ۱۹۷۴ء، ص ۷
۵۰۔ ابن تیمیۃ، رفع الملام عن ائمۃ الاعلام، ص ۸
۵۱۔ ابن تیمیۃ، رفع الملام عن ائمۃ الاعلام، ص ۱۱
۵۲۔ شہ والی اللہ، الانصاف فی سبب الاختلاف، مطبوعہ الرحیم اکیڈمی، کراچی ۲۰۰۴ء، ص ۲۶
۵۳۔ ابن تیمیہ، رفع الملام عن ائمۃ الاعلام ص ۴،
۵۴۔ ابن تیمیہ، رفع الملام عن ائمۃ الاعلام ص ۴
۵۵۔ عطیہ، ڈاکٹر جمال الدین فقہ اسلامی کی نظریہ سازی، مترجم عتیق احمد قاسمی الفیصل لاہور، ۱۹۷۷ء، ص/۱۶۴،
بحوالہ: تاسیس النظر: دبوسی، ص ۲۰۱۹
۵۶۔ ابن رشد، بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد مطبع حلبی، مصر، ج/۲، ص/۳۳۲
۵۷۔ مقدمہ ابوالوفاء افغانی، اختلاف ابی حنیفہ وابن ابی لیلی طبع ۱۳۷۵ھ
۵۸۔ عطیہ، ڈاکٹر جمال الدین، فقہ اسلامی کی نظریہ سازی، الفیصل اردو بازار ۱۹۷۷ء، ص/۱۷۲،
۵۹۔ الموسوعۃ الفقھیۃ، ج/۲، ص/۲۹۹، بحوالہ التقریر والتحبیر فی۔ فی الشرح التحریر مطبوعۃ بولاق قاہرہ، ج/۳،
ص/۳۴۹

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سیرت الصحابہؓ (پہلی قسط)

خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مختصر حالاتِ زندگی

مقالہ نگار: مولانا ظہیر احمد ر رفیق شعبہ تصنیف و تالیف: جامعہ نصرۃ الاسلام گلگت

نام ونسب: عثمان بن عفان بن العاص بن امیہ بن شمس بن عبد مناف بن قصی (۱)

حضرت عثمان غنیؓ کا حلیہ مبارک: حسن بن ابی الحسن بیان کرتے ہیں جب میں مسجد میں داخل ہوا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی چادر پر سہارا لئے ہوئے بیٹھے تھے۔ جب میں نے غور سے دیکھا تو آپؓ خوبصورت تھے۔ آپ کے چہرے پر چیچک کے معمولی نشان تھے اور ان کے بال ان کے بازوؤں تک پھیلے ہوئے تھے۔ مشہور روایت ہے کہ ابن سعد نے محمد بن عمر کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ وہ (محمد بن عمر) کہتے ہیں، میں نے تین مشہور آدمیوں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حلیہ مبارک کے بارے میں دریافت کیا تو میں نے ان کے بیانات میں اختلاف نہیں پایا۔ حضرت عثمانؓ قد و قامت کے لحاظ سے نہ بہت لمبے تھے اور نہ پست قد تھے۔ وہ خوبصورت تھے، ان کی جلد نرم و ملائم تھی، ان کی داڑھی بہت گھنی تھی، وہ گندم گوں تھے۔ دونوں کندھوں کے درمیان کا حصہ بہت بڑا تھا اور ان کے سر کے بال بہت گھنے تھے۔ امام زہری کی روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ درمیانہ قد و قامت کے تھے۔ ان کے بال خوبصورت تھے، چہرہ بھی حسین و جمیل تھا (۲)

قبولِ اسلام: یزید بن رومان سے مروی ہے کہ عثمانؓ بن عفان اور طلحہؓ بن عبیداللہ، زبیر بن العوامؓ کے نشانِ قدم پر نکلے۔ دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے۔ آپؐ نے دونوں پر اسلام پیش کیا، انہیں قرآن پڑھ کر سنایا، حقوق اسلام سے آگاہ کیا اور اللہ کی جانب سے بزرگی کا وعدہ کیا تو دونوں ایمان لے آئے اور تصدیق کی۔ عثمانؓ نے کہا: یارسول اللہ! میں حال ہی میں شام سے آیا ہوں، ہم لوگ معان اور الزرقا کے درمیان قریب قریب سو رہے تھے کہ ایک منادی ہمیں پکارنے لگا کہ اے سونے والو! جلدی ہوا کی طرح چلو، کیونکہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم مکے میں آگئے، یہاں آئے تو ہم نے آپ کو سنا، عثمانؓ کا اسلام قدیم تھا۔ رسول اکرم ﷺ کے دارالارقم میں داخل ہونے سے پہلے آپ مسلمان تھے (۳)۔

قبول اسلام پر حضرت عثمان غنیؓ پر تشدد: موسیٰ بن محمد بن ابراہیم بن حارث التیمی نے اپنے والد سے روایت کی جب عثمانؓ بن عفان اسلام لائے تو انہیں ان کے چچا کے حکم بن ابی العاص بن امیہ نے گرفتار کرلیا۔ انہیں رسی سے باندھا اور کہا کہ کیا تم اپنے باپ دادا کے دین سے نئے دین کی طرف پھرتے ہو، واللہ میں تمہیں کبھی نہ کھولونگا تاوقتیکہ تم اس دین کو ترک نہ کردو جس پر ہو۔ عثمان نے کہا واللہ میں اسے کبھی ترک نہ کرونگا اور نہ اس سے ہٹونگا۔ جب حکم نے اپنے دین میں ان کی سختی دیکھی تو انہیں چھوڑ دیا (۴)

حواشی و حوالہ جات: (۱) طبری، تاریخ، مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی، ج/۳، ص/۵۰۶، (۲) طبری، تاریخ، مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی، ج/۳، ص/۵۰۶ (۳) ابن سعد، طبقات، مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی، ج/۳، ص/۱۵۷ (۴) ابن سعد، طبقات، مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی، ج/۳، ص/۵۷

سفر نامہ

ٹائٹل: ریڈ کراس

وادی غذر: یاسین ویلی کا ایک انوکھا سفر

(قسط دوم)

تحریر: امیر جان حقانی لیکچرر: فیڈرل ڈگری کالج گلگت

لالک جان کی قبر پر

گاڑیوں کا قافلہ بالآخر جا کر حولدار لالک جان کی رُکا۔ حولدار لالک جان کا تعلق ۱۲۔این۔ایل۔ائی رجمنٹ گلگت بلتستان سے تھا، جس نے ۷ جولائی ۱۹۹۹ء کو کارگل کی جنگ میں موت کو گلے لگایا، اسے گورنمنٹ آف پاکستان کی طرف سے نشان حیدر کا تمغہ ملا۔ حولدار لالک جان گلگت بلتستان کے واحد فوجی ہے جسے یہ عظیم اعزاز ملا۔ قافلہ کے تمام احباب نے قبر کے ماحول کا نظارہ کیا۔ میں سیدھا جا کر قبر کے ساتھ بنے مینارے کے پاس کھڑا ہوا، دیر تک سوچتا رہا۔ دل میں خیالات کا ایک دریا موجیں مارنے لگا، مجھے نام کمانے والے ان نامور لوگوں کے نام یاد آنے لگے جنہوں نے قوم وملت کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کیا۔ دنیا، دنیا، دنیا یعنی اس وادی دل فریب میں زندہ رہنے کے لئے آخری حدوں کو چھو گئے، کوئی قلم کی بدولت زندہ رہا، کوئی تقویٰ وزہد کی وجہ سے تابندہ رہا، کوئی جرأت وبہادری کی وجہ سے صدیوں سے موضوع بحث بنا ہوا ہے، کوئی حاتم طائی بن کر لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتا رہا، کوئی محبتوں کا درس عام کرتے ہوئے انبوہ عام میں اپنے لئے مقام و محبت سمیٹتا رہا، اور کچھ ایسے بھی ہیں جن کے پاس ملک وملت کو دینے کے لئے کچھ نہ تھا بس خدا تعالیٰ کی دی ہوئی جان کو جان آفریں کر دیا اور رہتی دنیا تک اپنا نام چھوڑ گئے اور تاریخ کو مجبور کیا کہ وہ ان کا تذکرہ ضرور کرے۔

میں نے آنکھیں بند کر دی اور سوچنا شروع کیا، میرے دماغ نے مجھے سمجھانا شروع کیا کہ یہ دنیا بظاہر سرسبز و شاداب اور ہریالی کھیتی سے بھی زیادہ دلکش ہے، جاذب النظر ہے، مگر اے حقانی! تیرے لئے ایک مرجھایا ہوا گلاب، کملایا ہوا پھول جس میں نہ رنگ ہے نہ خوشبو، یہ دنیا ایک دلفریب وادی ہے اور تبسم سے بڑھ کر حسین وجمیل، جہاں چاند اپنی پوری شوخی سے چمکتا ہے اور ستارے اس کے ارد گرد رقص کرتے ہیں اور یہ عمل صدیوں سے جاری وساری ہے، تا قیامت جاری وساری رہے گا۔ اور خدا کی ذات کے بغیر اس میں کوئی تغیر نہیں کر سکتا مگر سچی بات یہ ہے کہ یہ ایک وادی پُرفریب ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اے ناداں انسان! یہ ایک جُرعہ ہلاہل ہے یعنی ایک کڑوا گھونٹ جسے محض چھونا ہی سینکڑوں مصائب کا پیش خیمہ ہے۔ اور عجب بات تھی کہ میرے دماغ کے اس فلسفیانہ لیکچر کو میرا دل تسلیم کر رہا تھا بلکہ سرار ہا تھا۔ اچانک میرا دل اور دماغ ایک ساتھ رب رحمٰن کے حضور دست بدعا تھے کہ اے مالک ارض وسماء، اے خدائے رحیم وکریم!.........کیا اس وادی شوریدہ اور جائے دریدہ میں کوئی ایسا نغمہ، کوئی ایسی لَے، کوئی ایسی سُر یا کوئی ایسا محبت ومودت واخوت و بھائی چارگی پر مبنی گیت نہیں ہے جو آپ اپنے خزانہ غیب سے مجھے خصوصیت سے عطا فرمائے؟ جو میرے قلبِ حزیں اور دلِ درماندہ کو ایک لحظہ وساعت سکون دے سکے اور مضطرب دل و بے

کل دماغ اور کبیدہ جگر کو مکمل طمانیت۔ ایسی طمانیت جس کا ذکر آپ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کے دلِ انوار میں بذریعے وحی اترا ہے کہ " یأیتھا النفس المطمئنة" بے شک اس نفس مطمئن کا وعدہ تو روز جزا کے وقت ہے اور دنیا دارالجزاء نہیں دارالعمل ہے لیکن تیری قدرت تو اس سے بڑھ کر ہے، تو اگر نوازنا چاہیے تو دارالعمل میں بھی ممکن ہے۔ اور یا اللہ! عطا کر مجھ فقیر کو اس وادیِ دلفریب میں ایسی عظمت وسطوت اور عزت ومرتبت جو مجھے صدیوں زندہ وتابندہ رکھے۔ یا پھر اس دنیا ومافیہا سے مجھے بے خبر کردے۔ بس اس وادیِ دلفریب میں میرا رَن نغمہ ہی اور ہو سب سے نرالا ہو جس طرح روز محشر میرے آقا محمد رسول اللہؐ کا ساری مخلوقات سے رَن نغمہ اور ہوگا۔ ہر ایک "نفسی نفسی" پکارے گا اور پیارے آقا "امتی امتی"۔

میں نے قبر کی تصویریں لیں۔ دوسرے احباب نظارہ کرنے کے بعد گیٹ سے باہر نکلے تھے، میں بھی ان کی تابعیت میں نکل آیا، ساتھ ہی اسکا گھر ہے۔ دائیں بائیں نظریں دوڑائیں تو علاقہ بڑا پیارا لگا۔ کالے پتھروں میں گرا ہندور میں منظر بڑا دلکش تھا، ایک مقامی آدمی قاضی صاحب کے ساتھ محو گفتگو تھا۔ اصرار کررہا تھا کہ ان کے گھر میں ایک کپ چائے پی لیا جائے مگر ترتیب کے مطابق ہمیں ٹھیک وقت پر دوبارہ یاسین جلسہ گاہ میں پہنچنا تھا اس لئے اس سے معذرت کرنی پڑی، مجھے آج تک یہ بات سمجھ ہی نہ آسکی کہ اسماعیلی برادری کے لوگ قاضی نثار احمد کو اتنا کیوں پسند کرتے ہیں، بظاہر قاضی صاحب کے ان سے اتنے کوئی تعلقات بھی نہیں، نہ ہی کوئی ایسے معاملات ہیں، ضلع غذر کے اسماعیلی برادری سے آج تک قاضی صاحب کے بارے میں تذکرہ خیر ہی سننے کو ملا، ان کے اس تذکرے میں کوئی تصنع اور بناوٹ بھی نہیں، شاید ایں سعادت بزور بازو نیست۔

راجہ گوہر آمان کے مرقد پر حاضری

قاضی نثار احمد کو راجہ گوہر آمان سے کچھ زیادہ ہی عقیدت ہے۔ وہ ان کی تعریف میں رطب اللسان رہتے ہیں، انہیں سید احمد شہیدؒ کے پیروکار کہتے ہیں۔ شیڈول کے مطابق لالک جان کے مزار سے سیدھا راجہ گوہر آمان مرحوم کی قبر میں حاضر ہونا تھا، یوں ہم نے ہندور سے وہاں کی طرف رخت سفر باندھ دیا اور وہاں پہنچ گئے۔

راجہ گوہر آمان گلگت بلتستان کی تاریخ کا ایک معروف نام ہے۔ راجہ گوہر آمان نے یاسین سے حملہ آور ہوکر شاہ سکندر کو قتل کردیا تھا اور گلگت ایجنسی پر اپنی حکومت قائم کی تھی، ایک روایت کے مطابق غضنفر جان راجہ ہنزہ اور جعفر علی راجہ نگر بھی راجہ گوہر آمان کے اتحادی تھے۔ ان تمام راجاؤں نے ڈوگرہ کے خلاف مختلف اوقات میں لڑائیاں کی، صلاح ہوئی، اقوام داریل بھی راجہ گوہر آمان کے اہم اتحادی اور جنگی معاونین تھے۔ ایک اور روایت کے مطابق 1852ء کو راجہ گوہر آمان نے ڈوگروں کو قتل کرکے گلگت پر دوبارہ قبضہ کرلیا تھا۔ بہرصورت تاریخی روایات مختلف ہیں۔ لیکن یہ بات متفقہ ہے کہ راجہ گوہر آمان ایک نڈر اور بہادر انسان تھے۔ انہوں نے اپنے علاقوں میں بیرونی طاقتوں کو کبھی بھی قبول نہیں کیا۔ ہمیشہ ان کے ساتھ نبرد آزما رہا۔ اس حوالے سے وہ گلگت بلتستان میں قائم اس وقت کے مختلف راجاؤں سے سفارتی تعلقات بھی قائم کرتے رہے۔

راجہ کی قبر پر یارانِ قافلہ کی دعا وفاتحہ خوانی

راجہ گوہر آمان کی قبر ان کے قلعے سے تھوڑی پیدل مسافت پر اس پار ایک پہاڑی کے دامن میں واقع ہے۔ ساتھ ہی نالہ بہتا ہے جہاں شفاف پانی ہے۔ ہم ان کی قبر تک نالہ عبور کرکے گئے، یہاں نالہ کراس کرنے کے لئے سفیدہ کے سالم

درختوں سے عارضی گزرگاہ بنائی گئی تھی۔ شاید گزشتہ سیلاب نے جو راستہ یا پرانا پل تھا بہا لے گیا ہوگا۔ جب ان کی قبر پر پہنچے تو ساتھ کئی اور قبریں نظر آئیں۔ راجہ گوہر آمان کی قبر پرانے طرز کی ہے اور کچی بھی ہے، کوئی بناوٹ اور تعمیر نہیں کروائی گئی ہے۔ اسلام کا بھی یہی درس ہے۔ اگر راجہ مرحوم کی قبر کو مزار کا شکل دیا جائے تو بعید نہیں کہ ایک مدت کے بعد وہ قبر نہ رہے بلکہ خرافات و بدعات اور فاحشات کا گڑھ بن جائے۔ سمجھ دار ہیں راجہ مرحوم کی اولاد کہ انہوں نے اس بدعت کا راستہ روک رکھا ہے۔ راجہ مرحوم کی آرام گاہ کے ساتھ ایک اور بڑی قبر ہے۔ مقامی لوگوں کا بتانا ہے کہ یہ قبر اس زمانے کے مشہور پہلوان کی ہے، نام معلوم نہ ہوسکا۔ پہلوان کے بارے میں بھی مقامی لوگوں کا خیال اچھا تھا۔ قاضی صاحب راجہ کی قبر پر دعا کرنے لگے، ہم نے بھی اپنی بساط کے مطابق دعا کی اور جلد ہی ادھر اُدھر کے نظاروں میں مصروف ہوگے۔ یہاں سے منظر بڑا پیارا دکھائی دیتا تھا، سامنے دریائے یاسین اپنی آب و تاب سے بہہ رہا تھا، اور پشت کی طرف ایک پہاڑی تھی، ایک جانب درختوں کا جھنڈ تھا اور ساتھ ہی شفاف پانی کا نالہ اپنی خوبصورتی کا احساس دلا رہا تھا۔ جب قاضی صاحب فاتحہ خوانی سے فارغ ہوئے تو ہم چل دیے۔

راجہ کے قلعے اور مسجد کی زیارت

واپسی پر ہم لوگ راجہ گوہر آمان کی تعمیر کردہ مسجد میں گئے، یہاں دو مسجدیں ہیں، ایک مسجد راجہ کے زمانے کی ہے، جو اپنی اصلی حالت میں موجود ہے۔ پرانی مسجد کا دروازہ اور چھت انتہائی خوبصورتی سے بنائے گئے ہیں، اعلیٰ قسم کی لکڑیوں پر بہترین نقش نگاری کی گئی ہے۔ مسجد کے متصل ایک حجرہ بھی اپنی پرانی حالت میں موجود ہے اور ساتھ ہی راجہ گوہر آمان کا قلعہ بھی ہے، حجرہ اور قلعہ اپنی اصلی کیفیت میں باقی ہے، حجرہ تین سو سال پرانا ہے اور عجیب وغریب طرز تعمیر کا یہ عظیم شاہکار بڑا دلفریب لگ رہا ہے۔ اس حجرے میں سات بڑے بڑے ستون انتہائی نقش و نگار اور اعلیٰ کشیدہ کاری کے ساتھ بنائے گئے ہیں۔ مقامی لوگوں نے بتایا کہ راجہ نے یعنی کہ راجہ دستگیر مرحوم نے تین شرائط کے ساتھ یہ قلعہ، پرانی مسجد کے ساتھ متصل زمین اور حجرہ، یاسین کے مسلمانوں کے لئے وقف کیا ہے۔

۱۔ یہ عیدگاہ ہی رہی گی۔

۲۔ پرانی مسجد اور دفتر کو اپنی اصلی حالت میں برقرار رکھا جائے گا۔

۳۔ کہیں سے بھی پرانی دیوار کو نہیں گرایا جائے گا۔

پرانی مسجد کے ساتھ متصل ایک نئی مسجد ام عبداللہ کے نام سے بنوائی گئی ہے تاہم اب بھی یہ مسجد قلعہ والی مسجد کے نام سے معروف ہے۔ راجہ کی اجازت سے یاسین کے مقامی علماء کرام نے تنظیم اہل سنت والجماعت کا دفتر بھی یہاں قائم کیا ہے۔ پاک فوج کے ریٹائرڈ خطیب مولانا عبدالرحیم (فاضل علامہ بنوری ٹاؤن کراچی) بتا رہے تھے کہ اہل سنت کے اکثر معاملات یعنی نماز جمعہ، نماز عید وغیرہ یہیں پہ سرانجام دیے جاتے ہیں۔ اس مسجد کے ساتھ ایک چنار کا درخت ہے، بقول محمد نواز صاحب (جنرل سکریٹری تنظیم اہل سنت والجماعت گلگت بلتستان) کے' یہ درخت عمر اور تنے کے اعتبار سے گلگت بلتستان میں چنار کا سب سے بڑا درخت ہے۔ اس کی موٹائی یقیناً دیکھنے کے قابل ہے۔ موٹا تنا رکھنے والا یہ درخت اب بھی موجود ہے۔ پرانی مسجد میں' میں اور قاضی صاحب داخل ہوئے تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ دو رکعت پڑھو، اور خود بھی پڑھنے لگے۔

میں نے دو رکعت پڑھ کر اس پرانی مسجد کی چند تصویریں لی اور باہر نکل گیا۔قلعہ، نئی مسجد، عیدگاہ، حجرہ اور دیگر چیزوں کا تفصیلی جائزہ لے کر دوبارہ پرانی مسجد میں داخل ہوا تو قاضی صاحب ابھی تک دعا میں مصروف تھے۔ میں نے کہا کہ حضرت اتنا کافی ہے، انہوں نے دعا ختم کی اور مجھے کچھ احوال بتانے لگے۔ مجھے یہی یاد پڑھتا ہے کہ اس پرانی مسجد کو ابھی قرآن کی درسگاہ بنایا گیا ہے۔ قافلہ کے دوسرے احباب اور سیکورٹی پر مامور پولیس اہلکار باہر کھڑے تھے۔خیر اپنے اکابر واسلاف کی ان یادگاروں پر حسرت بھری ایک نظر ڈال کر دوبارہ آنے کا قصد لیے باہر نکلے۔

طاؤس میں دارالعلوم یاسین کا افتتاح

راجہ گوہر آمان کے قلعے اور مسجد سے واپسی پر Y.Y.S.O (یاسین یوتھ اسٹوڈنٹ آرگنائیزیشن) کے عہدہ داروں کے ساتھ میں اور قاضی نثار صاحب کی ایک خاص نشست کرائی گئی۔اس کے بعد موٹر سائیکلوں کے جلو میں مرکزی شاہراہ طاؤس میں ہم منعقدہ جلسہ گاہ میں پہنچ گئے۔ پہلی نشست سے مقامی علماء کرام نے بیانات کئے۔دوسری نشست ۱۱ بجے شروع ہوئی، تلاوت قرآن اور حمدیہ ونعتیہ کلام سے خوب محظوظ ہوئے۔ بعض مقامی علماء کی تقریریں اور خطبات بڑے اچھے لگے۔اپنے دوست برادرم مولوی عرفان صاحب، صاحب المنصہ (اسٹیج سیکریٹری) کے فرائض انجام دے رہے تھے۔وہ خوب بولتے ہیں، زمانہ طالب علمی سے یہ کام بڑے ذوق سے کرتے آرہے ہیں۔ایک ڈائری میں مخصوص اشعار اور ضرب الامثال ومحاورے نوٹ کرلیے ہیں۔اور کچھ اشعار یاد بھی ہیں۔ان کو اکثر محفلوں اور جلسوں میں قند مکرر کے طور پر سناتے رہتے ہیں۔ جب ہم جلسہ گاہ میں پہنچے تو ہزاروں لوگ موجود تھے۔روڈ کے بر لب مدرسہ کے پلاٹ میں افتتاحی پروگرام کا انعقاد کیا گیا تھا۔۲۳ اکتوبر اتوار کا دن تھا، پہلی نشست سے مقامی علماء بات کر چکے تھے۔دوسری نشست سے گلگت اور دارالعلوم گاہکوچ سے آئے ہوئے علماء نے بیانات کرنے تھے۔بیانات کا سلسلہ شروع ہوا۔ تنظیم اہل سنت والجماعت کے جنرل سیکریٹری جناب محمد نواز صاحب نے حالات حاضرہ پر بے حد شگفتہ گفتگو کی۔انہوں نے اپنی تقریر کا آغاز جلسہ گاہ میں معلق ایک بینر پر مرقوم اس شعر سے کی۔

کسی بھی گُل کی حق تلفی نہ ہوگی اس گلستان میں

ملے گی خشک پتوں تک بھی شبنم دیکھتے رہنا

محمد نواز صاحب نے اہل سنت اور اسماعیلی برادری سے گزارش کی کہ ایک دوسروں سے شفقت و ہمدردی والا معاملہ کریں۔آپ کی برادریاں ایک ہیں، پرانی رشتہ داریاں بھی ہیں۔لہٰذا امن ومحبت سے رہیں۔تاہم ہم یہ بتلانا ضروری سمجھتے ہیں کہ کسی کو ہمارے اکابر اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر انگلی اُٹھانے کی کوئی اجازت نہیں ہوگی۔ایسے خبث باطن رکھنے والوں سے نمٹنا ہم خوب جانتے ہیں۔اس کے بعد ناچیز کا بیان تھا تاہم اچانک موسم ابر آلود ہوا۔ہلکی پھلکی بوندا باندی شروع ہوئی۔مگر کوئی سامع اپنی نشست سے نہیں اٹھا۔بوڑھے جوان اور بچے بھی شاداں تھے، اپنے مہمانوں پر محبت وعقیدت کے پھول نچھاور کر رہے تھے۔اہلیان یاسین نے سیکورٹی کا بڑا مؤثر انتظام کر رکھا تھا۔تمام سرکاری اور پرائیوٹ اداروں کے ملازمین موجود تھے۔ پولیس کی ایک بڑی نفری بھی موجود تھی بلکہ تمام پولیس اہلکار جلسہ گاہ میں اہتمام سے بیٹھ کر علماء کرام کے خطبات سن رہے تھے۔میڈیا کے نمائندے بھی موجود تھے۔اگلے دن کی اخبارات میں پروگرام کی بڑی بڑی تصاویر کے ساتھ خبریں لگی تھی۔دل کی بات یہ ہے کہ ابھی تک مجھے پورے گلگت بلتستان میں اتنے منظم انتظامات اور نظم وضبط کی پابندی کسی بھی

منعقدہ دینی پروگرام میں دیکھنے کو نہیں ملی جو اہل یاسین کے ہاں نظر آئی۔ قاضی نثار احمد کا خطاب ہوا' چونکہ جلسہ کا بنیادی عنصر دینی ادارے کی بنیاد تھا اس لیے قاضی صاحب اصحاب صفہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تاریخ وسیرت بیان کرزہے تھے۔ آسمان سے بارش ہورہی تھی' لوگ اپنے امیر کی باتیں سن رہے تھے۔ مجال ہو کہ اس سردی اور بارش میں کوئی بچہ بھی اپنی نشست سے سرک گیا ہو' پہاڑوں پر اولے برسنے شروع ہو چکے تھے۔ بہت سے مہمان علماء کرام کو بیانات کرنے تھے' جو نہ ہو سکے۔ عوام کا ایک جم غفیر تھا' دارالعلوم غذر سے مفتی شیر زمان صاحب علماء کی ایک پوری ٹیم لے کر آئے تھے۔ آخر میں دارالعلوم یاسین کی بنیاد رکھی گئی۔ دراصل دارالعلوم یاسین وہاں کے مقامی علماء کے اتحاد و اتفاق کا مظہر ہے۔ یاسین کے علماء وقراء اور بزرگان دین نے مل کر اتحاد ویلفیئر کے نام سے ایک ٹرسٹ بنائی ہے، اور دارالعلوم یاسین اسی ٹرسٹ کے زیر انتظام ہے۔ ٹرسٹ کے ذمہ داروں نے آپس کی مشاورت سے دارالعلوم یاسین کی ذمہ داریاں' مفتی حسین شاہ صاحب کو سونپی ہیں۔ مفتی صاحب جامعہ فاروقیہ کے تربیت یافتہ ہیں۔ خدا مفتی صاحب اور ادارے کو سلامت رکھے۔ ہم نے بھی اکابر کے ساتھ بنیادی اینٹ رکھ دی، شاید اللہ اسی بہانے مغفرت کا سامان کر دے۔ اگرچہ ہم اس قابل نہیں۔ بہترین طعام کا بندوبست تھا۔ اس کے فوراً بعد گلگت کی راہ لی۔ عصر کی نماز بستی نوح میں مولانا شریف والی مسجد میں ادا کی گئی۔ اور یہاں بھی ایک مسجد کی بنیاد رکھی گئی۔ ناچیز کو تلاوت کلام پاک کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت قاضی صاحب اور میں نے ایک بڑا پتھر اٹھا کر مسجد کی بنیاد رکھ دی۔ ساتھ ہی ایک تگاری بھی۔ پھر دیگر علماء اور مہمانوں نے بھی اپنے اپنے حصے کا پتھر رکھ دیا۔ یہاں لوگوں نے دیسی گھی اور گرم چائے سے تواضع کی۔ اور حضرت قاضی صاحب پر پھولوں کی مالا چڑھائی اور گلاب کی پتیاں نچھاور کی۔ ایک تفصیلی دعا کے بعد میزبانوں سے اجازت لی اور رخت سفر باندھ لیا۔ گلمتی میں اپنے دوست مولانا غفران صاحب کے دولت کدے میں خشک فروٹ اور چائے سے شکم پروری کی۔ بہر صورت یہ سفر خالص دینی واصلاحی اور فکری نوعیت کا تھا۔ بڑوں کے ساتھ رہ کر بغیر سیکھے بھی بہت کچھ سیکھا جاتا ہے۔ سو ہمیں بھی اپنی وسعت کے مطابق بہت نہیں تو کچھ کچھ سیکھنے کا موقع ملا۔ قلیلک لا یقال لہ قلیل کے مصداق۔

اسماعیلی اور اہل سنت برادری' کچھ توقعات ومشاہدات

مجھے ضلع غذر کے اکثر وادیوں میں جانے کا اتفاق ہوا ہے، ضلع غذر میں اکثریت اسماعیلی برادری کی ہے۔ اور گلگت بلتستان کے اسماعیلی برادری کے سرکردہ احباب اور دوسرے عام لوگوں اور اہل قلم سے بھی مل ملاپ کا سلسلہ کافی عرصے سے ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ ان میں رواداری اور اخوت کا بڑا اچھا جذبہ پایا جاتا ہے، وہ اپنے ہمسائیوں اور علاقہ کے لوگوں سے پیار محبت سے رہنا پسند کرتے ہیں، شاید ان کے مذہبی پیشوا کی بھی یہی ہدایات ہیں۔ میں نے ضلع غذر میں گھومنے پھرنے کے بعد یہ اندازہ لگایا کہ اہل سنت اور اسماعیلی برادری آپس میں بڑے پیار وسلیقہ اور امن وآشتی کے ساتھ رہتے ہیں۔ یہ بات واضح رہے کہ اہل سنت اور اسماعیلوں کے اعتقادات اور دینی امور میں اختلافات صدیوں سے چلے آرہے ہیں۔ بہت ہی کم چیزوں پر دونوں مکاتب فکر کا اتفاق ہے، مگر مشاہدہ اور زمینی حقائق یہ بتلاتے ہیں کہ اہل سنت اور اسماعیلوں میں یہاں کبھی کشیدگی نہیں ہوتی ہے۔ اگر جانبین سے کوئی اس قسم کی کوشش کرتا بھی ہے تو علاقے کے عمائدین اس کا فوری نوٹس لے کر معاملہ رفع دفع کرتے ہیں۔ ہلکے پھلکے واقعات تو ہوتے رہتے ہیں مگر کبھی بھی باقاعدہ تصادم ہو کر دیگر علاقوں کی طرح انسانی جانوں کا ضیاع اور املاک کا برباد ہونا اور نفرت کی لکیریں نہیں کھنچی گئی ہیں۔ کم سے کم مجھے یہی لگتا ہے کہ ضلع غذر اور گلگت

بلتستان کے دوسرے علاقوں میں اسماعیلی مکتبہ فکر کے لوگ اپنی مذہبی رسومات کی ادائیگی کے دوران دوسروں کو ایذا رسانی پہنچانے اور دوسرے کے عقائد کے ساتھ چھیڑنے کی مذموم کوششیں نہیں کرتے ہیں، بالخصوص دوسروں کے اکابر پر سب وشتم اور تضحیک کرنے سے پرہیز کرتے ہیں، اگر کوئی ناہنجار اس قسم کی غلیظ کوشش کرتا بھی ہے تو اسماعیلی مکتبہ فکر کے سرکردہ لیڈران فوری اس سے برأت کا اظہار کرتے ہیں، گذشتہ سالوں کی تاریخ پر نظریں دوڑائی جائے تو اس طرح کو کافی ساری مثالیں مل جائیں گی۔ ضلع غذر کے اسماعیلی اور اہل سنت کے اکثر افراد رواداری کے قائل ہیں اور ان کا عملی مظاہرہ بھی ہے، بہت ہی کم لوگ شر پسندی کرتے ہیں مگر ابھی تک انہیں کامیابی نہیں ہوئی ہے۔ دونوں مکتبہ فکر کے لوگ آزادی سے اپنے اپنے مذہبی امور انجام دیتے ہیں۔ ضلع غذر کے اسفار میں مجھے اندازہ ہوا کہ اسماعیلی برادری کے لوگ اہل سنت کے مذہبی پروگراموں میں آتے ہیں، اہل سنت علماء کے ساتھ محبت سے ملتے ہیں۔ ان کی باتوں کو غور سے سنتے ہیں، میں اہل سنت اور اسماعیلی برادری کے احباب سے گزارش کرتا ہوں کو اس عمدہ اور معاشرتی رواداری کے ماحول کو زندہ و تابندہ رکھیں۔ اس میں دونوں کی سلامتی ہے۔ تشدد سے ایک دوسروں کو قائل کرنے کے بجائے اپنے کردار، اخلاق، رواداری، محبت اور حسن سلوک سے قائل کریں، اور جو اس طرح دلوں کو فتح کریں وہی فاتح عالم ہے۔ آپ ہادی دو عالم ﷺ کی سیرت و اُسوہ کی روشنی میں کردار ادا کریں، آپ محبت سے اپنا پیغام پہنچائے اور سلامتی کی دعوت دیں، ایک اہم وضاحت یہ کہ تبلیغی احباب کے لئے ضلع غذر کی سرزمین بے حد زرخیز ہے، تھوڑی سے تخم ریزی سے کئی پھلدار باغ وجود میں آسکتے ہیں، اور اس پر مستزاد یہ کہ اگر ان باغوں کے مالی ان کو شفاف پانی سے سینچے اور کھاد کا استعمال بھی بروقت مناسب طریقے سے کریں تو کوئی بات نہیں کہ یہاں محبت و مودت اور اسلام کی بہاریں دیکھنے کو نہ ملیں، کئی لوگوں سے ملنے کے بعد یہ اندازہ ہوا کہ اہل تبلیغ کی کاوشوں کے اچھے نتائج برآمد ہوئے ہیں مگر افسوس کہ ان کی یہ کوششیں اور کاوشیں آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ یہاں ایک سوال اٹھتا ہے کہ کیا گلگت بلتستان کے دیگر علاقوں بالخصوص ضلع گلگت میں اس طرح کا ماحول پیدا نہیں کیا جاسکتا ہے؟۔ کیا اس طرح کا کوئی عمرانی معاہدہ ممکن نہیں ہے؟ شاید جواب نفی میں ہو کیونکہ اس کے لئے دوسروں کے مذہبی اعتقادات وعبادات کا مکمل احترام اور معاشرتی اقدار و روایات کی پاسداری ضروری ہے جو یہاں دور دور بھی نظر نہیں آتی ہیں۔ امن کے علمبرداروں اور حکومتی اہلکاروں کو گلگت کو قتل گاہ بننے سے بچانا چاہئے، ان عناصر پر ہاتھ ڈالنا چاہیے جو امن کو تاراج کرتے ہیں اور کسی کے لیے استعمال ہوتے ہیں؟۔ چند ٹکوں کی خاطر دھرتی ماں اور دین کو بیچنے والوں کو چوراہے پر لٹکائے بغیر امن کے خواب دیکھنے والوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ امن اسطرح قائم نہیں ہوتا ہے۔ جس طرح تم قائم کرنا چاہتے ہو۔ معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ تم راہ مستقیم سے دور ہو، بہت ہی دور۔

امن وآمان اور رواں زندگی کی وجوہات

گلگت بلتستان کے مختلف اضلاع جہاں مختلف مذہبی مکتبہ فکر کے لوگ رہتے ہیں، ان تمام اضلاع سے ضلع غذر میں بہتر امن وآمان اور رواں دواں زندگی پائی جاتی ہے۔ دیگر اضلاع کے مقابے میں جہاں کے لوگ سکون اور آشتی کے ساتھ رہتے ہیں۔ اگر چہ یہاں بھی دو مختلف الخیال وفکر اور عقیدے کے لوگ صدیوں سے بستے ہیں۔ وہ کون سی باتیں ہیں جن کی وجہ سے یہاں کا سکون اور معاشرتی زندگی برباد اور تاراج نہیں ہوئی ہے۔ میرے ناقص خیال کے مطابق اس کی چند وجوہات ہیں جن کا مشاہدہ وادئ غذر کے بار بار کے اسفار میں ہوا۔ یہاں اہل سنت اور اسماعیلی برادری کے لوگ رہتے ہیں مگر چند چیزوں سے

مکمل اجتناب کرتے ہیں۔

۱۔ مختلف مذہبی ایام اور ثقافتی و علاقائی تہواروں میں ایک دوسروں کے اکابر اور بزرگوں کا مکمل احترام کرتے ہوئے فریق مخالف کے بڑوں کے خلاف زبان درازیاں، لعن وطعن اور شب وشتم سے اجتناب کرتے ہیں۔ بالخصوص صحابہ کرام اور ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے مکمل احترام پایا جاتا ہے۔

۲۔ ایک دوسروں کے مذہبی مقامات کا مکمل احترام کرتے ہیں اور اپنے اپنے عبادات اور رسومات اپنے مذہبی معبدوں میں ہی انجام دیتے ہیں۔

۳۔ فریق مخالف کے خلاف کوئی کیسٹ، کتاب، پمفلٹ، جو اشتعال انگیزی پر مبنی ہو، کی تقسیم سے گریز کرتے ہیں۔

۴۔ ایک دوسروں کو ہراساں کرنا، نوگوایریاز بنانا، غیر موزوں اور مشتعل کرنے والے نعروں کی چاکنگ سے پرہیز کرنا۔

۵۔ مکمل آزادی کے ساتھ اپنے اپنے اعمال وافعال میں لگے رہنا، دوسروں کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے اور پگڑیاں اچھالنے سے گریز کرنا یعنی ''لکم دینکم ولی دین'' کا عملی پرتو۔

ان جیسی بے شمار روایات و معاشرتی عادات ہیں جنہوں نے وادیِ غذر کی سوشل لائف کو ابھی تک ڈسٹرب نہیں کیا۔ ہمارے ہاں تو اس وقت تک مذہبی پروگرام حتیٰ کہ اکابرین کی یاد میں منعقد کی جانے والی بابرکات محفلیں بھی اس وقت تک کامل نہیں سمجھی جاسکتی ہیں جب تلک فریق مخالف کے بڑوں حتی کہ صحابہ کرام تک کو لعن طعن نہیں کیا جاتا ہے۔ مہذب اور غیر مہذب لوگوں اور معاشروں میں یہ خطہ امتیاز ہے۔ تو پھر کیا ہم مہذب لوگ ہیں یا ہمارا معاشرہ مہذب ہے؟۔ قطعاً نہیں۔

یہاں ایک بات ذہن میں رہے کہ گلگت بلتستان میں رہنے والے مختلف الخیال وفکر اور عقیدہ کے لوگ نہ پہلے ایک تھے نہ اب ایک ہوسکتے ہیں نہ آئندہ ہونے کا امکان ہے۔ یک دم ایسا ناممکن ہے کیونکہ ہر ایک کی ایک مکمل تاریخ ہے۔ ضابطہ حیات ہے۔ دلائل و براہین ہیں۔ اعتقادات و نظریات ہیں۔ لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک دوسرے کو مباح الدم سمجھا جائے۔ اپنے مخالف کو ہر جائز وناجائز نقصان پہنچانے کو دینداری سمجھا جائے۔ غیروں کا آلہ کار بلکہ کارندہ بن کر اپنوں کا خون کیا جائے۔ باہر کے اشاروں پر ناچا جائے۔ معاشرے کو تہس نہس کیا جائے۔ نوگوایریاز بنائے جائیں۔ مثبت ڈائیلاگ کو فروغ دینے کے بجائے لڑائی کلچر کی آبیاری کی جائے۔ ٹیبل ٹاک کے بجائے اسلحہ ٹاک کو رواج دیا جائے۔ ظلم کرنا اپنا حق سمجھا جائے بلکہ مذہبی فریضہ۔ بہر صورت ایک عمرانی معاہدے کے ذریعے پُرسکون زندگی کا آغاز کیا جاسکتا ہے۔ مگر اس کے لیے کوئی تیار نہیں۔ نہ کوئی سنجیدہ کوشش کی جارہی ہے۔ امن معاہدے اور ضابطے اخلاق بنتے ہیں اور ردی کی ٹوکری میں پھینک دیے جاتے ہیں۔ جب دیگر ممالک میں مسلمان اور دوسرے مذاہب کے لوگ اپنی حدود و قیود میں رہتے ہوئے زندگی گزار سکتے ہیں تو ہم ایسا کیوں نہیں کرسکتے۔ جب ہمیں ذات خدا اور محمد ﷺ بھی ہمیں ایک معاشرے میں سکون سے رہنے کے لیے تیار نہیں کرسکتی تو ہمارا اللہ ہی حافظ ہے۔

حسین یادیں

میں جب بھی محبتوں کی سرزمین وادیِ غذر میں داخل ہوتا ہوں تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں اور یقین نہیں آتا کہ ہمارے ہاں بھی اتنی خوبصورت وادیاں، سرسبز شاداب علاقے، کالے پہاڑ، شفاف پانی کی آبشاریں، درختوں کے جھنڈ اور بے شمار دل لبھانے والے خطے بھی ہوسکتے ہیں۔ اہلیان غذر کے لیے ویسے بھی میرے دل میں محبت کی فراوانی ہے۔ نرم گوشہ ہے کیونکہ یہ امن اور سکون سے رہ لینے والے لوگ ہیں، یہاں محبت عام ہے۔ ایذارسانی سے اجتناب ہے۔ آپس کا احترام ہے۔ زبان میں لطافت وشیرینی ہے۔ لوگ خوش اخلاقی کے پرتو ہیں۔ وادیِ غذر کا عمیق مطالعہ بتاتا ہے کہ یہاں کے لوگوں نے مجاہدینِ اہلِ حق کے لیے جان و مال اور دل و دماغ کے دریچے واہ کیے ہوئے تھے۔ یہاں کے بہادر لوگوں کی کڑیاں سید احمد شہید اور شاہ ابدالی مرحوم سے بھی جا ملتی ہیں۔ یہ حسین یادیں جو ذہن کے دریچوں سے جھانک کر مجھے روزانہ بے کل کر دیتی ہیں اس لیے آپ کے ساتھ شیئر کر رہا ہوں کہ شاید واقعات، مشاہدات، تجربات اور تاثرات پر مبنی یہ چند ٹوٹی پھوٹی باتیں کسی کو بھالیں۔ وگرنہ من آنم کہ من دانم۔

وادی غذر کے سفر کے دوران مجھے خیال آیا کہ مجھ جیسا حقیر فقیر اور بے مایہ و بے سہارا انسان کو وقت کی نامور شخصیات اور رجال کار کیساتھ گھومنے پھرنے اور تجربات و مشاہدات اور تعلیم و تعلم کا نادر موقع مل رہا ہے تو دل بے اختیار آبدیدہ ہوگیا "لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید" کاوِرد کیا اور زبان پر یہ اشعار آگئے۔

نشیلی فضا ذہن پر چھا رہی ہے
کلی میرے دل کی کھلی جارہی ہے
میں شاداب ہوں ایک جوئے رواں سے
مِری کشتِ ہستی نمو پا رہی ہے

راستے میں بہت کچھ کا مشاہدہ کیا۔ روڈ کی حالت خستہ تھی۔ سیاحوں کے کچھ قافلے بھی دیکھے۔ دریائے غذر کی لہروں اور موجوں کی شوریدہ سری اور شور بھی کم ہوتا جارہا تھا کیونکہ آگے موسم سرما کی آمد آمد تھی۔ ہمیں ضلع غذر میں سکون بھی نظر آیا اور بے کلی بھی۔ سادگی بھی نظر آئی اور فیشن ایبل کلچر کی بربادی بھی، حسن فطرت کی بے ساختگی بھی اور تصنع اور بناوٹ کی بے ہودگی بھی، پھل دار درختوں کی زیادتی بھی اور بے پھل پودوں کی فراوانی بھی۔ سبزہ اور مرغزار بھی اور بنجر اراضی بے آباد بھی۔ بارش اور اولوں کی برسات بھی اور چاند وسورج کی یلغار بھی۔ ضلع غذر کے مختلف اسفار سے مایوسی بھی ہوئی اور اطمنان بھی۔ مایوسی اس طرح کے نوجوان اپنی تہذیب وثقافت اور رہن وسہن اور علاقائی کلچر کو خیرآباد کہہ کر مغربی کلچر کے دلدادہ بن چکے ہیں۔ ان کا لباس، طرز تکلم، چال چلن اور معاشرتی زندگی مغرب کا ٹشو ایبل کلچر کی غمازی کرتا ہے اور خیالات کا بھی یہی حال ہے۔ اور بوڑھے اپنی سادگی اور تہذیب وثقافت کے مکمل پرتو نظر آتے ہیں۔ وہی دیسی ٹوپی اور چغہ (شوکا) اور رس بھری گفتگو اور مہمان نوازی کے نرالے ڈھنگ۔ وادی غذر کے در و دیوار، کالے پہاڑ اور نیلے پانی اور قدیم مکینوں کو زبانِ حال سے نوحہ کناں پایا، ماتم کرتے دیکھا، روتے بسورتے پایا کہ ہم کیا تھے اور کیا بن گئے۔ خدا کا فرمان ہے کہ وتلک الایام نداولہا بین الناس۔

اسلام کی بہاریں اور شیطانی قوتیں

افسوس ہم میں اسلام تو رہا مگر روح اسلام کی شدت سے کمی ہے، یہ اٹل ہے کہ بہت جلد اسلام کی روحانی بہاریں دنیا کو نصیب ہونگیں، کیونکہ یہ خدا کا وعدہ ہے، آنے کو ہے بہار، اور بہت جلد ہی آنے کو ہے، مسلمان خزاں کے موسموں میں دن گزار گزار کر تنگ آ چکے ہیں، جلد یا بدیر خدائے ذوالجلال اسلامی بہاریں اور شریعت محمدی ﷺ کی رونقیں دکھلائیں گے۔ یہ ہمارا وجدان اور عقیدہ ہے اور اس میں دورائے نہیں۔ دعا یہ کرو کہ ہماری مختصر سی زندگی میں ہی بہار کی یہ رُتیں آ جائیں۔ کتب حدیث بالخصوص وہ احوال جن کے بیان آپ ﷺ نے آج سے چودہ سو سال پہلے کیا ہے اور موجودہ حالات واقوام عالم کی تاریخ کا مطالعہ ومشاہدہ یہ بتلاتا ہے کہ بے حیائی کو مٹنا ہے، ظلم وستم کو ختم ہونا ہے، کفر اور الحاد نے صفحہ ہستی سے نیست ونابود ہونا ہے، دجالی قوتوں اور شیطانی طاقتوں نے اپنی موت آپ مرنا ہے۔ ان کو کون مٹائے گا؟ کون نیست بابود کریگا؟ کون آئیگا اس کو ختم کرنے کے لئے؟ کوئی نہیں کوئی نہیں، میرا اللہ، صرف اور صرف میرا اللہ، اللہ آئیگا اللہ۔ اللہ کفر کو مہلت دیتا ہے مگر ظلم کو نہیں، سود کو نہیں، شرک کو نہیں، تشدد کو نہیں، نا انصافی کو نہیں، بربریت کو نہیں، چنگیزیت کو نہیں۔ دجالیت وشیطنیت کو نہیں۔ پرویزیت کو نہیں، زرداریت کو نہیں۔ اور نہ ہی میرے اللہ بے حیائی کو مہلت دیتا ہے۔ رحمانی اور شیطانی تصادم کے بعد بالآخر فتح وکامرانی اہل ایمان اور رحمانی قوتوں کو نصیب ہوگی اور اہل دنیا کو اسلام کی بہاریں اور رونقیں نصیب ہونگیں۔

میں موضوع سے ہٹ کر کہیں دور جا چکا ہوں' خیر یہ قلم کارستانی ہی سمجھیں! وادی غذر میں بار بار جانے کا موقع ملا۔ علماء کرام کے ساتھ بھی اور اپنے کالج کے پروفیسروں کے ساتھ بھی۔ اور اکیلے بھی۔ مگر سچی بات یہ ہے کہ دل نہیں بھرا۔ بتھریت اور شندور کی سیاحت سے محروم ہوں' نہ جانے کب موقع ملے۔ یہ زمیں ہی ایسی ہے کہ ہر آنے والے کو دوبارہ آنے پر مجبور کرتی ہے۔ بلکہ اپنی محبوب اداؤں سے دعوت دیتی ہے۔ یہاں کے پانی' بادل' ژالہ باری، اولے' برف' نہریں' ندیاں' جھلیں' آبشار' نیلا پانی' پانی میں تیرتی مچھلیاں، پانی کی شیرینی اور مٹھاس' شفافیت' آبِ مصفٰی کی ٹراوٹ مچھلیاں' پھول' پھولوں کی اقسام اور ان کی رنگت اور شکلیں، رنگ برنگ بیل بوٹے اور ان کی خوشبو' پہاڑ اور ان کا کالا پن اور بلندیاں' اور ان میں موجود ہیرے کی موتیاں اور لعل وجواہر' پہاڑی راستوں کے نشیب وفراز، گلیشیر اور گلیشیروں سے بہتا ہوا نیلا پانی، گھاس اور سبزے کے میدان پھل اور پھلوں کی اقسام اور ان کا ذائقہ' غرض کس کس چیز کا ذکر کیا جائے۔

میری رب سے دعا ہے کہ وہ مجھے بھرپور سیاحت کا موقع دیں۔ اگرچہ سیر وسیاحت کے لیے ہزاروں رکاوٹیں ہیں اور ہزاروں آسانیاں بھی۔ سمندر اور صحراء حائل ہیں اور پھر ان سمندروں پر بنے پل اور صحراء پر بنے روڈ' ان مشکلات کا حل بھی ہیں۔ رب کی عجیب رنگینیاں ہیں' سو رب ہی جانے۔ زندگی رہی تو اگلی دفعہ کسی اور سفر میں ملاقات ہوگی۔

وماعلینا الا البلاغ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کشمیریات

گلگت بلتستان کا مسئلہ اور پاکستانی حکمران!

تحریر: ابوعمار زاہد الراشدی
سیکریٹری جنرل پاکستان شریعت کونسل وکالم نگار روزنامہ پاکستان

آزاد جموں وکشمیر کی طرح گلگت بلتستان کے عوام نے بھی ہندو راجہ کے خلاف آزادی کی جنگ لڑ کر گلو خلاصی کرائی تھی اور بین الاقوامی نقشوں میں ریاست جموں وکشمیر کے متنازع علاقے کے نقشے میں شامل ہونے کے باوجود معاہدہ کراچی کے تحت اس کا انتظام حکومت پاکستان نے اس خطے کے مستقبل کا فیصلہ ہونے تک عارضی طور پر سنبھال لیا تھا، اس لیے کہ آزاد جموں وکشمیر کی نئی ریاست کے ساتھ مواصلاتی رابطے بہت کم ہونے کی وجہ سے دونوں کا ایک نظام کے طور پر چلانا مشکل دکھائی دے رہا تھا، لیکن یہ بات طے کہ دونوں خطے ریاست جموں وکشمیر کا حصہ ہیں اور جب تک اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق اس خطے کے عوام آزادنہ حق خودداریت کے ذریعے اپنے مستقبل کا خود فیصلہ نہیں کرتے، ان کا انتظامی کنٹرول حکومت پاکستان کے پاس رہے گا۔ بعد میں آزاد جموں وکشمیر کی ریاست کو عبوری آئین کے تحت ایک جمہوری نظام دے دیا گیا، مگر گلگت بلتستان کو صوبائی درجہ دے کر وہاں صوبائی اسمبلی اور حکومت کا اہتمام کر دیا جو ابھی تک جاری ہے، لیکن بعض حلقوں کے تحفظات ہیں جو اس خطے کے مخصوص جغرافیائی صورت حال کے ساتھ مسئلہ کشمیر کے حوالے سے عالمی تناظر اور اقوام متحدہ کی قراردادوں کے پس منظر میں بھی سنجیدگی کے ساتھ قابل توجہ ہیں۔

جب گلگت بلتستان کو ایگزیکٹو آرڈر کے تحت صوبائی حیثیت دی گئی تو ہم نے بھی یہ عرض کیا تھا کہ بعض آئینی پیچیدگیوں کے علاوہ مسئلہ کشمیر کے تنازعے کے تناظر میں بھی یہ فیصلہ درست نہیں ہے، کیونکہ گلگت بلتستان کو پاکستان کا صوبہ بنانے کا مطلب انڈیا کو یہ جواز فراہم کرنا ہے کہ وہ بھی متنازعہ علاقے کے کسی حصے کو دستوری طور پر اپنے ملک کا حصہ قرار دے دے۔ گلگت بلتستان کے عوام کو جمہوری اور شہری حقوق سے بہرہ ور کرنا ضروری ہے، لیکن اسے پاکستان کا باقاعدہ حصہ بنانے کے بجائے متنازعہ علاقے کے طور پر آزاد جموں کشمیر کے ساتھ کوئی مشترکہ نظام دیا جائے۔ اس سلسلے میں دونوں علاقوں کے ذمہ دار سیاسی و مذہبی رہنماؤں کا ایک مشترکہ مؤقف پیش خدمت ہے۔ ہمارے خیال میں حکومت پاکستان اور سیاسی جماعتوں کو اس کا سنجیدگی کے ساتھ جائزہ لینا چاہیے۔ 1847ء میں جب معاہدہ امرت سر ہوا اور برطانوی ہند نے ریاست جموں وکشمیر کو مہاراجہ گلاب سنگھ کے ہاتھ فروخت کیا تو ریاست جموں وکشمیر میں گلگت بلتستان شامل تھا۔ استور اور بلتستان کو مہاراجہ کے کنٹرول میں رکھا گیا، جبکہ گلگت اور ملحقہ ریاستوں کا دفاعی کنٹرول اپنے پاس رکھا اور انتظامی امور مہاراجہ کے گورنر گھنسارا سنگھ کے حوالے کر دیے گئے۔

برصغیر کی تقسیم جس فارمولے کے تحت پایہ تکمیل کو پہنچنا تھی، اس کے تحت ریاست جموں وکشمیر، جو مسلم اکثریتی جماعت تھی، پاکستان کا حصہ ہونا چاہیے تھا، لیکن ہندو مہاشے نے مختلف حیلے بہانوں سے مہاراجہ سے ساز باز کر کے ریاست کے ایک بڑے حصے پر قبضہ کر لیا۔ قیام پاکستان کے ساتھ ہی جموں کشمیر کے بیشتر علاقوں آزادی کی تحریک شروع ہو چکی تھی۔ مجاہدین آزادی نے گلگت بلتستان اور موجودہ آزاد کشمیر سے ڈوگرہ فوج کو مار بھگایا۔ مجاہدین ایک کے بعد دوسرے علاقے فتح کرتے ہوئے سرینگر کی دہلیز پر پہنچے، بھارت نے اس صورت حال سے گھبرا کر اقوام متحدہ کا دروازہ کھٹکھٹایا، جس کے نتیجے میں سیز فائر ہوا اور مجاہدین آزادی کو واپس بلایا گیا۔ یوں پوری ریاست جموں وکشمیر ایک متنازعہ مسئلے کے طور اقوام متحدہ کے ایجنڈے پر آ گئی۔

پاکستان نے اقوام متحدہ کی قراردادوں کی روشنی میں پوری ریاست جموں وکشمیر کو، جس میں آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان شامل ہے، بھارت اور پاکستان کے مابین ایک متنازعہ حیثیت دے رکھی ہے۔ لیکن بھارت نے اقوام متحدہ کے قراردادوں سے انحراف کرتے ہوئے بعد میں مقبوضہ کشمیر کو اپنا حصہ بنالیا اور کشمیریوں کو بین الاقوامی طور پر تسلیم شدہ حق خودارادیت دینے سے انکاری ہے۔ آزادی کے بعد کشمیر کی لیڈرشپ نے انتظامی دشواریوں کے باعث گلگت بلتستان کو عارضی طور پر معاہدہ کراچی کے ذریعے پاکستان کے سپرد کیا، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ پاکستان کی حکومتیں گزشتہ 65 برسوں سے گلگت بلتستان میں کوئی قابل قبول آئینی، جمہوری نظام تشکیل دینے میں ناکام ہو چکی ہیں اور بیوروکریسی کی لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی نے وہاں مختلف طبقات اور گروہوں کو پھلنے پھولنے کا موقع دیا۔ سیاسی اور جمہوری روایات مفقود ہوئیں۔

پاکستان میں بعض سیاسی جماعتوں کے ادوار میں گلگت بلتستان میں اصلاحاتی پیکج دیے گئے لیکن ایک کے بعد دوسرے پیکج کی ناکامی نے گلگت بلتستان کو ایک جانب اہل کشمیر اور مسئلہ کشمیر سے دور رکھا ہے تو دوسری جانب انتظامی اور ترقیاتی منصوبے قلیل بجٹ وسیع وعریض علاقے کو جدید ترقی سے ہم آہنگ نہ کر سکے، چنانچہ پاکستان کو اپنی منزل اور مقبوضہ کشمیر کو اپنا اولین فریضہ قرار دینے والے محب وطن گلگت بلتستان کے عوام کی عظیم اکثریت نے یہ فیصلہ کیا کہ پاکستان کی سالمیت اور مقبوضہ کشمیر کی آزادی کا یہ تقاضا ہے کہ آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کو، جو ریاست جموں وکشمیر کا حصہ ہے، باہم مربوط کر کے ایک پلیٹ فارم تشکیل دینا ہوگا، لہٰذا تنظیم اہل سنت والجماعت گلگت بلتستان وکوہستان، دیامر جرگہ جس میں تمام جماعتوں کی نمائندگی ہے اور گلگت بلتستان کے طول و عرض میں موجود پاکستان اور کشمیر سے محبت رکھنے والے عمائدین وعلمائے کرام نے ایک مشترکہ وفد کی صورت میں آزاد کشمیر کے تمام سیاسی قائدین سے انفرادی اور اجتماعی ملاقاتیں کیں۔ دونوں طرف سے قائدین پر مشتمل ایک مشاورتی اجلاس 7 جنوری 2013ء کو اسلام آباد میں منعقد ہوا، جس میں درج ذیل نکات پر مکمل اتفاق کرتے ہوئے اعلامیہ جاری کیا گیا:

☆.... آزاد کشمیر وگلگت بلتستان کی قیادت نے اپنے ایک مشاورتی اجلاس میں تحریک آزادی کشمیر کی تقویت اور پاکستان کی سلامتی کے لیے ریاست کے دونوں آزاد حصوں کے ایک مشترکہ آئینی اور انتظامی ڈھانچے کی تشکیل پر اتفاق کرتے ہوئے اس عزم کا اظہار کیا کہ ریاست کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی ہر سازش کا بھرپور مقابلہ کیا جائے گا۔

☆.... اجلاس میں آزاد جموں وکشمیر کے عبوری آئین اور گلگت بلتستان کے موجودہ انتظامی بندوبست کی بھی کشمیریوں کی وحدت کے مغائر قرار دیا اور گلگت بلتستان میں مسلسل بدامنی اور ٹارگٹ کلنگ کے واقعات پر شدید تشویش کا اظہار کرتے ہوئے وہاں موجودہ پیکج گورننس آرڈر 2009ء کے تحت قائم ہونے والے نظام کی ناکامی قرار دیا۔ مذہبی وسیاسی تنظیموں اور کشمیری قیادت کی تجاویز کو نظر انداز کرتے ہوئے وہاں مسلط کیا گیا۔ ☆.... گلگت بلتستان کو سٹریٹیجک اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے وہاں فی الفور ایک ایسا آئینی وجمہوری انتظام کیا جائے جسے تمام سیاسی جماعتوں اور مکاتب فکر کا اعتماد حاصل ہو اور خطے کے تاریخی پس منظر کی روشنی میں آزاد جموں وکشمیر کے ساتھ آئینی اور انتظامی لحاظ سے مربوط ہو' تاکہ ریاست کے دونوں حصے تحریک آزادی کشمیر کے لیے بیس کیمپ کا کردار ادا کر سکیں اور اندرونی وبیرونی دشمنوں کے عزائم ناکام ہو سکیں۔ ☆..... اجلاس نے مندرجہ بالا نکات پر مشتمل امور کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے ایک مشترکہ کوآرڈی نیشن (Co-ordination) کمیٹی بنانے پر اتفاق کیا۔ جس میں آزاد کشمیر کے تمام سیاسی جماعتوں کے قائدین اور گلگت بلتستان سے آئے ہوئے جرگہ کے ممبران اور علمائے کرام وزعماء شامل ہونگے۔ ☆..... اجلاس نے متفقہ طور پر سردار محمد انور خان سابق صدر آزاد کشمیر کو کوارڈی نیشن کمیٹی کا صدر اور مشتاق احمد ایڈوکیٹ نائب امیر جماعت اسلامی آزاد جموں وکشمیر کو سیکرٹری نامزد کیا۔

سوانح عمری

مولانا مفتی نذیر اللہ خان رحمہ اللہ

(فاضل دارالعلوم دیوبند)(1930ء تا اکتوبر 2010ء)

تحریر: امیر جان حقانی

الحمد اللہ! پوری دنیا کی طرح گلگت بلتستان میں بھی فاضلین دارالعلوم دیوبند کی ایک معقول تعداد نے دینی خدمات انجام دیں ہیں۔ جنگ آزادی گلگت بلتستان میں بھی ان اکابر علماء اوران کے تلامذہ کی لازوال خدمات ہیں۔ان اکابر علماء کی خدمات پر مشتمل ایک تحقیقی کتاب ''مشاہیر علماء گلگت بلتستان'' کے نام سے معروف قلم کار امیر جان حقانی نے مدون کی ہے، جو آئندہ ''ادارہ نصرۃ الاسلام'' کی طرف سے قسط وار شائع کی جارہی ہے۔قارئین اس کتاب کے مندرجات کے متعلق اپنے خیالات/تجاویز اور مفید مشورے ہمارے ساتھ اس نمبر 03462974626/ ibshaqqani@gmail.com یا ادارے کی ایڈریس پر تحریری طور پر شیئر کر سکتے ہیں۔(ادارہ)

....

جہد مسلسل اور اپنے اصول پر کاربند شخصیت

مولانا مفتی نذیر اللہ خان مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار صلاحیتیوں سے نوازا تھا' اگر کہا جائے کہ وہ مجموعہ محاسن تھے بے جا نہ ہوگا، یہ اکتوبر ۲۰۰۸ء کی بات ہے کہ جب میں اپنی کتاب مشاہیر علمائے گلگت بلتستان کی تکمیل کے حوالے سے گلگت میں ان سے ملا' میں چونکہ مولانا کو نہیں جانتا تھا اس لئے قاضی نثار احمد صاحب نے ملاقات کا اہتمام کرایا' یوں مولانا مرحوم سے جامعہ نصرۃ الاسلام کے دفترِ اہتمام میں ایک تفصیلی ملاقات ہوئی۔ مولانا بڑے خندہ پیشانی سے ملے۔ مولانا سے میں نے ایک طویل انٹرویو کیا' میری تحریر کا اکثر مواد خود مولانا کی زبانی ہے۔اور کافی سارا مواد مولانا مرحوم کی ذاتی ڈائری' جامعہ کے بارے تاثراتی ڈائری' جامعہ کے متعلق ضروری معلومات نوٹ کرنے والی سفری ڈائری اور آڈر بک برائے اساتذہ و ملازمین جامعہ نصرۃ الاسلام سے لیا گیا ہے۔دوران گفتگو مولانا نے بہت ساری باتیں کہیں تھی جن کی تصدیق ان مختلف ماخذوں سے بھی ہوتی ہے۔رئیس الجامعہ مولانا قاضی نثار احمد اور مولانا مرحوم کی اہلیہ محترمہ۔دام ظلہا۔کا میں ذاتی طور پر شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے ان مختلف ماخذوں تک رسائی میں مدد دی۔اور اپنے خصوصی دعاؤں سے نوازا۔

میری کوشش ہوگی کہ مولانا کی زبانی مولانا کی کہانی بیان کروں۔ میں نے مولانا کے اوصاف حمیدہ کو اپنی تحریر کا مرکزی محور بنایا ہے۔اللہ تعالیٰ نے مولانا مرحوم کی ذات و مزاج کو عجیب جامعیت عطا فرمائی تھی۔گلگت بلتستان میں وہ ایک ممتاز مقام کے حامل تھے' وہ اجتماعیت کے قائل تھے' ہمیشہ اس کے لئے کام کرتے رہے جس کی وجہ سے ان پر الزامات بھی لگتے رہے تاہم وہ الزامات کو کہاں خاطر میں لاتے۔مولانا کے نزدیک مسائل کا حل اختلاف اور لڑائی میں نہیں بلکہ اجتماعی محنت اور اجتماعی کوشش میں تھا۔وہ جہد اور مشقت کے قائل تھے' ان کی پوری زندگی جہد مسلسل سے تعبیر ہے۔مولانا دوسروں کی قدر کرنا جانتے تھے اس لئے ان کو تمام مکاتب فکر میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا۔انہوں نے علم کی ترویج' خدمت خلق اور امن و آمان

کے لئے بے حد کام کیا' ایک طویل عرصہ باسیانِ گلگت بلتستان کی بلاتفریق خدمت کی۔ مولانا کی زندگی کے کچھ اصول تھے وہ اپنے اصولوں پر ہمیشہ قائم رہے، اپنے اصولوں پر پابندی کے ساتھ عمل کرتے' یہی وجہ تھی کہ کبھی کبھار انہیں اپنوں کی طرف سے سخت معاملات کا سامنا بھی کرنا پڑتا' اپنوں اور غیروں کی ان سے یکساں شکایت تھی۔ مگر وہ سمجھتے تھے کہ کامیابی اور ناکامی کا انحصار کسی کے ہاتھ میں نہیں' سوائے اللہ کے۔ وہ نتیجے سے بے خبر اپنے کام میں لگے رہتے۔ یہاں یہ بات واضح ہو جائے کہ راقم الحروف کو اپنی بے بضاعتی اور تہی دامنی کا مکمل احساس ہے۔ میں نے اکابر علماء کی سوانح عمریوں پر یہ کام کسی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا اور نہ ہی اس کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ میرے سامنے یہ ایک قرض ہے جو کسی کو ادا کرنے کی توفیق نہیں ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے میرے ناتواں کندھوں پر ڈالا' یوں میں یہ قرض ادا کرنے جا رہا ہوں۔ ادائیگی قرض میں اگر کوتاہی ہوئی ہے تو (یقیناً ہوئی ہے) معافی کا خواست گار ہوں۔ سو میری کوشش ہوگی کہ طوالت سے پرہیز کرتے ہوئے مولانا مرحوم کے ابتدائی حالات' خاندانی پس منظر' احساسات وخیالات' تعلیمی اسفار' کمالات' حسنات وصفات' منہج فکر اور خدمات دینی ودنیوی کا مختصر جائزہ لوں' اور ان کی کمزریوں کے تذکرے سے گریز کرتے ہوئے صرف خوبیوں کو اجاگر کروں' کیونکہ میرے نزدیک ''خطائے بزرگان گرفتن خطاء است''، یعنی بزرگوں کی غلطیوں کو پکڑنا بھی گناہ اور خطاء ہے' اور خدائی احکام بھی یہی ہیں اور مسلم روایات بھی۔ جو قومیں اپنے مردوں کی قبریں کھودتیں ہیں وہ کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتی ہیں۔ چہ جایں کہ اکابر علماء وسلف کا دامن کھینچا جائے۔ اور ان کی پگڑیاں اُچھالی جائیں۔ العیاذ باللہ

پیدائش' نام ونسب اور خاندان

مولانا نزیر اللہؒ ۱۹۳۰ء (ہندوستان کے پاسپورٹ کے مطابق سن پیدائش ۱۹۳۲ء ہے جبکہ مولانا نے مجھے ۱۹۳۰ء بتایا ہے' حقانی) کو گلگت کشروٹ میں پیدا ہوئے' قاسمی تخلص رکھتے تھے۔ والد صاحب کا نام نیت خان تھا' کشمیری قومیت سے تعلق رکھتے تھے۔ مولانا مرحوم کے آباواجداد کشمیر سے گلگت آکر آباد ہوئے تھے۔ مولانا کا ایک بھائی اور تین بہنیں ہیں۔ سرخی بہ مائل گندمی رنگ' قامت میانہ (پانچ فٹ نو انچ) کتابی چہرہ' نگاہ کھری' متحرک آنکھیں' آواز میں دھیما پن' سیاست میں یکتا' اتحاد ویکجہتی کا علمبردار اور بہت ساری خصوصیات کے مالک مولانا نذیر اللہ خان کی کوئی نرینہ اولاد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ۱۰ (دس) صاحبزادیوں سے نوازا ہے۔ حدیث کا مفہوم ہے کہ بیٹیاں رحمت ہوتیں ہیں اور جس کسی کی دو بیٹیاں ہوں اور وہ ان کی اچھی تعلیم وتربیت کا اہتمام کریں اور ان کو بیاہ دیں اللہ تعالیٰ اس شخص پر جنت لازم قرار دیتے ہیں' سو اس حوالے سے مولانا نذیر اللہ بڑے خوش قسمت نکلے۔

آغازِ تعلیم

مولانا نزیر اللہ خان مرحوم نے مجھ سے بیان کیا کہ انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے استاد محترم مولانا قاضی عبدالرزاقؒ سے شروع کی' گلگت کی مرکزی جامع مسجد میں مدرسہ تعلیم القرآن کے نام سے قاضی مرحوم نے مدرسہ قائم کیا تھا اس میں نورانی قاعدہ سے شروع کیا' مولانا نذیر اللہ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ''حقانی صاحب! قاضی مرحوم کے آنے سے پہلے کوئی خاص تعلیم وتربیت کا شوق نہیں تھا' آوارہ گھومتا پھرتا تھا' جب وہ یہاں تشریف لائے تو ان کے اندر ایک جذبہ موجزن تھا' وہ چاہتے تھے کہ جو کچھ پڑھا ہے وہ یہاں کے لوگوں کے دل ودماغ میں اتارے' جب ہم نے ان سے ابتدائی کتب شروع کی تو وہ دارالعلوم دیوبند اور اپنے اساتذہ کے قصے سنایا کرتے تھے' سچی بات یہ ہے کہ وہ ان اکابر کے قصوں سے ہمارے دل ودماغ میں

جذبہ بیدار کرنا چاہتے تھے۔ میرے اور مولانا حبیب اللہ کے درمیان مقابلے کروایا کرتے، کبھی وہ سبق جلدی یاد کرتے اور کبھی میں، اس کے صلہ میں ہمیں انعام ملتا"۔ مولانا نذیر اللہ مرحوم کے ابتدائی ساتھیوں میں مولانا حبیب اللہ مدظلہ فاضل دیوبند ہیں، بلکہ مولانا حبیب اللہ صاحب مولانا نذیر اللہ مرحوم کے دورہ حدیث تک کے رفیق خاص ہیں۔ مولانا مرحوم نے بتایا کہ انہوں نے سرکاری سکول کی شکل بھی نہیں دیکھی ہے، ابتدائی کتب سے لے کر فقہ اور نحو کی کافیہ تک قاضی عبدالرزاقؒ سے جامع مسجد میں ہی پڑھی۔ "بھائی حقانی صاحب! مجھے اپنے بچپن میں پولو کھیلنے کا بے حد شوق تھا البتہ گلی ڈنڈا کھیلنا بھی معمول کا حصہ تھا"۔

قاضی عبدالرزاقؒ کی جستجو

مولانا نذیر اللہ مرحوم نے کہا کہ "جب ہم جامعہ مسجد میں قاضی صاحبؒ سے پڑھتے تھے تو قاضی صاحب کے پاس کافی سارے طلبہ پڑھتے تھے، قاضی صاحب مرحوم کو ہر چیز میں جستجو ہوتی تھی، وہ ہمیں چاند دیکھنے کا اہتمام کراتے، ہمیں کنوداس کے پہاڑوں کی چوٹیوں میں بھیجتے اور کہتے کہ وہاں جا کر چاند دیکھو، ایک دفعہ ایسا ہوا کہ قاضی صاحبؒ نے ہم چند ساتھیوں کو چاند دیکھنے کے لئے کنوداس کے پہاڑوں میں بھیجا، رات گئے تک ہم چاند دیکھتے رہے، جب چاند نظر نہ آیا ہمیں تاخیر ہوئی تو قاضی صاحبؒ پریشان ہوگے اور چراغ لے کر اوپر ہمارے پاس آگئے، یوں ہم سب واپس آئے، بھائی سچی بات تو یہ ہے کہ قاضی مرحوم نے ابتداء ہی سے ہمارے سینے دینی جذبوں سے مالامال کیا تھا، ان کا ایک انداز تربیت تھا وہ انہی کا خاصہ تھا"۔

جامع مسجد کے مدرسہ تعلیم القرآن کے اساتذہ

قاضی صاحب کے مدرسے میں مولانا حرمت خان مرحوم اور مولانا عبادت خان ہنزہ والے بھی پڑھایا کرتے تھے۔ ہم نے اکثر کتابیں قاضی مرحوم سے ہی پڑھی، ناظرہ قرآن قاضی صاحبؒ کے علاوہ استاد حرمت خان صاحبؒ نے بھی پڑھایا، کچھ اسباق ہم نے مولانا عبادت خانؒ ہنزہ والے سے پڑھے، وہ خود بھی قاضی صاحب سے بڑی کتابیں پڑھ رہے تھے، مولانا عبادت خان صاحب مرحوم ہماری، خواجہ مسجد کے امام بھی تھے، اس وقت ان کی داڑھی سفید ہوگئی تھی، قاضی صاحب آئے تو انہوں نے قاضی سے مستقل کتابیں پڑھنی شروع کردی تھی، کیونکہ وہ چند کتابوں کی تعلیم حاصل کر کے چھوڑ چکے تھے، وہ قاضی صاحب کے ابتداء کے سب سے بڑی عمر کے شاگرد تھے۔

دارالعلوم دیوبند روانگی

"قاضی عبدالرزاق مرحوم صاحب نے ہمیں تعلیم کے ساتھ دیوبند کی محبت اور وہاں سے تعلیم حاصل کرنے کا شوق بھی بے حد پیدا کر دیا تھا۔ ہر وقت وہ دارالعلوم دیوبند کا باب کھولے بیٹھتے تھے، سبق کے درمیان حضرت مدنیؒ اور دوسرے اساتذہ کے تذکرے کرنا ان کا معمول بن چکا تھا، جب صرف نحو، منطق اور فقہ کی ابتدائی کتابیں مکمل کی تو انہوں نے ہمیں دیوبند جانے کی ترغیب دی، ان کی مسلسل ترغیب سے ہم تو تیار ہوئے مگر گھر والوں کی طرف سے اجازت نہیں ملتی، بالآخر طے ہوا کہ ہم تین آدمی یعنی میں (مولانا نذیر اللہ مرحوم) مولانا حبیب اللہ، مولانا عبدالحمید تعلیم کے لئے دیوبند جائیں گے، کیونکہ اس زمانے میں سفری سہولیات نہیں تھیں، لوگ قافلوں کی شکل میں جایا کرتے تھے، ایک آدمی سری نگر سول کورٹ میں مقدمہ لڑنے کے لئے جارہا تھا۔ ایک اور ساتھی جناب عبدالواحد صاحب ہینزل والے میٹرک کرنے کے لیے کشمیر جارہے تھے، بعد میں وہ یہاں گلگت کے ڈپٹی کمشنر بھی رہے، میں نے اندازہ لگایا تو میرے جانے کے لیے راستے ہموار نہ تھے، میں اپنے ساتھیوں کو یہ پیغام دے کر ایک دن قبل بھاگ کر بونجی پہنچا، میں جب جارہا تھا تو کسی کے بتائے بغیر چلا گیا، یہاں تک کہ اپنے

استاد محترم قاضی صاحب کو بھی نہیں بتایا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں میں روک نہ لیا جاؤں، میں کم عمر بھی تھا، میں نے یہاں سے بونجی تک کا سفر پیدل طے کیا۔ میرے ساتھی کرایہ کے گھوڑوں میں آئے"۔ مولانا مرحوم اوران کے سفر کی روئیداد مولانا حبیب اللہ مرحوم کے تذکرے میں تفصیل سے آئے گا۔ مولانا حبیب اللہ کی سوانح عمری پر میری مشاورت سے ان کے بیٹے بھی کام کر رہے ہیں۔ میں خود بھی ان پر الگ لکھ رہا ہوں۔

سفری مشکلات

مولانا مرحوم نے بتایا کہ "ہم استور کے راستے سے کشمیر پہنچ گئے، زادراہ میں چند پکی پکائی روٹیاں تھی، انگریزوں کے دور میں سرائے ہوتے تھے، وہاں کچھ ریسٹ ہوتا، وہاں پر تھوڑا رکا جاتا، پھر سفر جاری رکھا جاتا، کشمیر میں ہمارے دوسرے ساتھی ہم سے جدا ہوئے۔ ہم تینوں ساتھی کشمیر سے مانسہرہ، وہاں سے اوگی کے مشہور گاؤں میخپورہ اور رشیدہ، وہاں ایک آدمی علم صرف و نحو پشتو میں پڑھایا کرتے، دو مہینے ان سے پشتو میں پڑھا، اس روئیداد کی اطلاع قاضی صاحب کو لکھ لیا۔ ان کی طرف سے خط آیا کہ دیوبند جاؤ ورنہ آپ کا خرچہ بند کرونگا۔ وہاں سے ہوتے ہوتے واہگہ بارڈر کراس کر کے دالعلوم دیوبند پہنچ گئے"۔

دیوبند میں مولانا اکبر گلؒ اور مولانا گل شیر خانؒ سے ملاقات

"مولانا گل شیر خان مرحوم اور مولانا اکبر گل مرحوم چونکہ دیوبند میں پڑھ رہے تھے، ہم جب دیوبند جا رہے تھے تو تانگے میں جاتے ہوئے انہوں نے دیکھا اور ہماری ٹوپیاں دیکھ کر ہمیں پہچانا، تانگے سے اتارا، اپنے ساتھ دارالعلوم لے گئے، اس وقت وہ حدیث شریف کی تعلیم سے فارغ ہو کر علمی مضبوطی کے لیے مزید پڑھ رہے تھے، منطق وفلسفہ اور دورہ تفسیر کر رہے تھے، انہوں نے ہماری بڑی خدمت کی، حوصلہ دیا، ہمیں داخلہ دلوایا، ہمیں اپنے کمرے میں رکھا"۔

گلشنِ نانوتویؒ میں داخلہ

میں جب مولانا سے انڑویو کر رہا تھا تو میں نے پوچھا حضرت دالعلوم دیوبند میں پہنچ کر آپ کے جذبات کیا تھے؟ تو انہوں نے بتایا کہ "ہم بڑی تگ ودو کے بعد وہاں پہنچے تھے اس لیے دلی اطمینان ہوا، دارالعلوم سے محبت وعقیدت تو پہلے سے تھی، مزید بڑھ گئی، چونکہ انقلاب کا زمانہ تھا اس لیے تھوڑا بہت ڈر بھی لگ رہا تھا۔ آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ سن ۴۷ء کو ہندو مسلم فسادات عروج پر تھے۔ اور ہمارا سفر بھی ۴۷ء کو ہوا تھا"۔ جب ان سے پوچھا کہ داخلہ کب اور کیسے ہوا؟ تو انہوں نے اپنے دفتر میں لگے اپنے اسناد کی طرف میری توجہ مبذول کرائی اور کہا کہ داخلہ اور تعلیمی دورانیہ اور کبار اساتذہ کے نام سند میں مرقوم ہیں وہاں سے نوٹ کرلیں، یہ ذہن میں رہے کہ مولانا گل شیر استاد اور مولانا اکبر گل استاد کی ہماری تعلیم وتربیت اور داخلہ میں بہت تعاون رہا، استاد گل شیر صاحب مرحوم نے تو بے حد خیال رکھا۔ اللہ ان کو جزائے خیر دے۔ آمین"۔ مولانا مرحوم نے اپنے اسناد فریم میں خوبصورتی کے ساتھ محفوظ کر کے اپنی آفس میں لگائے تھے، جب میں نے ان کی اسناد کو دیکھا تو وہاں مولانا مرحوم کا تاریخ داخلہ، تعلیمی سال اور حسن کارکردگی اور صلاحیتوں، اور کبار اساتذہ کے نام تک مرقوم تھے۔

دارالعلوم دیوبند کی عطا کردہ سندِ فراغت میں آپ کی صلاحیتوں کا اعتراف

دارالعلوم دیوبند سے آپ کو جو سند فراغت عطا کر دی گئی، اس میں آپ کا سن داخلہ، تعلیمی دورانیہ، استعداد صالح، مناسبت علوم دینیہ اور تفقہ فی الدین کا تذکرہ کس خوبصورت انداز میں کیا گیا ہے ملاحظہ کیجیے۔

"فان الاخ الصالح البار المولوی محمد نذیر اللہ بن نیت خان المتوطن گلگت قد دخل

دار العلوم الديوبندية التی هی مرکز العلوم الدينيه ومدارها ومنها تتفجر انهارها وبحارها فی الخامس عشر من شوال المکرم ست و ستين بعد الالف وثلثمائة من الهجرة النبوية علی صاحبها الف الف سلام وتحية، فقرأ من العلوم والفنون الکتب الاٰتی ذکرهاوبقی مدة ما قرأ علی طريقة حسنة رضی عنها الاساتذه وارکان المدرسة، وهو عندنا سليم الطبع، صالح الاستعداد' وله مناسبة تامة بالعلوم "والان لماطلب منا الاجازة اجزناه ....تحريرً يوم السبت للثانی عشر من جمادی الاول سنة اربع و سبعين بعد الف وثلثما ئة من الهجرة النبوية صلی الله علیٰ صاحبها وسلم".

امام العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ نے بھی مولانا نذیر اللہ مرحوم کو خصوصی سند اجازت مرحمت فرمائی ہے۔وہ بھی مولانا کے پاس محفوظ ہے۔دیگر اکابرین امت کے تصدیقی اسناد بھی ہیں۔

وہ کتابیں جو مولاناؒ نے دارالعلوم دیوبند میں پڑھیں

دارالعلوم دیوبند میں ابتدائی کتب کے علاوہ مختلف علوم وفنون کے اعلیٰ درجے کی مخصوص کتابیں پڑھیں۔آپکی سند میں مکتوب اسامی الکتب المقروۃ درج ذیل ہیں۔

علم تفسیر میں: تفسیر جلالین، تفسیر بیضاوی (سورۃ بقرۃ) اور ترجمہ وتفسیر کامل قرآن مجید

علم حدیث شریف میں: صحیح بخاری ومسلم، سنن ابی داؤد ونسائی، ابن ماجہ، ترمذی شریف، شمائل ترمذی، موطاامام مالک ومحمد، اماطحاوی کی شرح معانی الاثار

علم فقہ اور اصول فقہ میں: شرح وقایہ، ھدایہ مکمل، مختصر الحسامی، مسلم الثبوت، توضیح وتلویح

علم عقائد وکلام میں: حاشیہ الدوانی علی العقائد العضدیہ اور امور عامہ

علم مناظرہ میں: رشیدیہ

علم معانی وبیان میں: تلخیص المفاتح، مختصر المعانی، المطول

علم معقول اور فلسفہ میں: قطبی، سلم العلوم اور اسکی شرح ملاحسن، قاضی مبارک، میر زاہد، ملا جلال، میبذی، صدرسمن بازغہ شرح الاشارات

اور علم وادب میں: مقامات حریری، دیوان حماسہ، متنبّی

علم ہیئت میں: التصریح

مولانا مرحوم کے کبار اساتذہ

مولانا مرحوم کے کبار اساتذہ جن کے دستخط ان کی سند فراغت میں ہیں ان کے اسماء گرامی یہ ہیں' یہ وہ اساتذہ ہیں جن سے آپ نے اعلیٰ کتابیں پڑھیں۔

۱۔شیخ العرب والعجم شیخ الحدیث مولانا حسین احمد مدنیؒ (صدر مدرس دارالعلوم دیوبند)۔

۲۔حکیم الامت قاری طیبؒ، مہتمم دارالعلوم دیوبند۔

۳۔مولانا اصغر علیؒ صاحب

۴۔مولانا سید فخر الحسنؒ صاحب

۵۔مولانا عزیر محمدؒ

۶۔ مولانا سید اختر حسینؒ

۷۔ شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحبؒ ۸۔ مولانا نصیر احمدؒ شیر احمد میاںؒ

مولانا نے بتایا کہ بہت سارے اساتذہ کے نام سند فراغت میں موجود نہیں ہیں۔ ہدایہ مولانا سید اختر حسینؒ منطق کی کتاب ملاحسن استادی المحترم مولانا عبدالاحد صاحبؒ اصول الشاشی مولانا نصیر احمد صاحبؒ، متنبی اور دیوان حماسہ مولانا سید فخر الحسنؒ صاحب سے پڑھنے کا اعزاز حاصل ہوا ہے۔ بخاری شریف مکمل استاد محترم حضرت شیخ العرب والعجم حضرت مدنی سے سبقاً سبقاً درس لینے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ مسلم شریف مولانا ابراہیم بلیاویؒ، ترمذی شریف حضرت الاستاد مولانا اعزاز علی صاحب طحاوی شریف استاد الکبیر مولانا سید فخر الحسنؒ صاحب سے پڑھنے کا موقع ملا"۔ اس حوالے سے تفصیل مولانا حبیب اللہ صاحب کی سوانح عمری میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ جو کتاب کی شکل میں چھپ کر منصۂ شہود پر آچکی ہے۔

میر قطبی اور میبذی میں میری پوزیشن

حقانی صاحب "میرا رجحان "قرآن وحدیث" کے بعد منطق وفلسفہ کی طرف کچھ زیادہ ہی تھا۔ نصابی اور غیر نصابی کتابیں اکثر مطالعہ میں رہتی۔ میبذی کو بالاستیعاب پڑھا تھا۔ اس کی شروحات بھی دیکھتا تھا۔ جب امتحان دیا تو میبذی میں میری پوزیشن آئی' میر قطبی بھی انتہائی محنت اور لگن سے درسادرسا پڑھا' اس میں بھی اول پوزیشن حاصل کی۔ میبذی' میں نے الاستاد الفاضل امام فلسفہ حضرت مولانا معراض الحق صاحب سے پڑھی' ایک دفعہ استاد نے کوئی سوال کیا' اب تمام ساتھیوں سے باری باری پوچھتے رہے' کسی نے جواب نہیں دیا' چونکہ میں نے اگلے سبق کا مطالعہ کیا ہوا تھا' حاشیہ میں اس اشکال کا جواب موجود تھا' جب استاد نے مجھ سے پوچھا تو عربی عبارت سنا ڈالی' استاد نے شاباش دی اور دو آنہ مجھے انعام دیا' اس زمانے میں دو آنے آج کے کئی روپیوں سے زیادہ تھے"

مسلسل سات سال دارالعلوم میں تعلیم وتربیت

مولانا نے سات سال مسلسل دارالعلوم دیوبند میں تعلیم وتربیت حاصل کی۔ مولانا مرحوم نے بتایا کہ "چونکہ ہم گھر سے بہت دور تھے' سفری اخراجات بھی ناپید تھے' جونہی تقسیم ہند ہوا گھر کے ساتھ خط وکتابت کا سلسلہ بھی منقطع ہوا۔ ہم بہت بے آسرا ہوئے' ہمیں ایک روپیہ وظیفہ میں ملتا تھا' میری خیال میں یہ سرحد (خیبر پختون خواہ) والوں کے لیے خصوصی پیکج تھا۔ مشکل کے دن تھے' خیر جب بھی ضرورت پڑتی تو اساتذہ کرام سے ضروریات کے مطابق روپیہ لے لیا کرتے تھے' ہمارے اساتذہ کا انداز انتہائی ہمدردانہ ہوتا تھا' ہماری ضرورتوں کا خود خیال کیا کرتے تھے' دارالعلوم میں خوشخطی بھی سیکھ لی تھی اور ساتھ ہی لاٹھی بازی بھی۔ سالانہ تعطیلات میں چونکہ ہم گھر نہیں آرہے تھے تو کبھی کبھار تبلیغ میں چلے جاتے' ایک دفعہ سالانہ تعطیلات میں بہار کے کچھ دوستوں کے ساتھ ان کے گھر چلا گیا' انہوں نے اپنے خرچے پر لے گئے تھے' وہ امیر اور اہل ثروت تھے، ان کی خاندان میں قدیم زمانے سے نمبرداری چلی آرہی تھی' ہندی میں نمبرداری کو مکھیا کہا جاتا ہے۔ کھیتی باڑی اور دیگر کاموں میں ہندو بھی ان کی مدد کیا کرتے تھے' دو مہینے ان کے گھر میں رہا' پھر شوال کو دارالعلوم پہنچے"۔

شدھی تحریک کے خلاف تبلیغی دورہ

شدھی تحریک ایک منظم تحریک تھی۔ اس تحریک کے نتیجے میں مسلمانوں کو راہِ ارتدار میں ڈالا جاتا تھا۔ دارالعلوم دیوبند کے علماء اور طلبہ واساتذہ نے مسلمانوں کو راہِ ارتداد سے روکنے کے لیے اپنی مساعی شروع کی اور اس ارتدادی مہم کو روکنے کے لیے ہزاروں مبلغین تیار کیے۔ آگرہ کو تبلیغی امور کا مرکز بنایا اور وہاں ایک دفتر کا قیام عمل میں لایا گیا اور مولانا

میرک شاہ صاحب جو کہ دارالعلوم دیوبند کے جید مدرس تھے، اس دفتر کے نگران اعلیٰ بنائے گئے۔ آریہ سماج کی طرف سے مسلمانوں پر یہ ایک سنگین حملہ تھا تاہم دارالعلوم دیوبند کے زیرک علماء نے ڈٹ کر مقابلہ کیا' آریہ مبلغین سے مناظرے کے لیے مناظر علماء کو مزید تربیت دے کر میدان میں اتر ا' بالعموم ان مناظروں میں دارالعلوم کے مناظرین میدان مار لیتے۔ ان کی ان مساعی جمیلہ کی وجہ سے ہزاروں مرتدین نے توبہ کی اور دوبارہ اسلام میں داخل ہوئے۔ آریہ سماج کی ان منظم تحریکوں کے مقابلے میں بلاشبہ ہندوستان کے دوسرے علمی و تبلیغی اور اصلاحی اداروں نے حصہ بقدر جثہ ڈالا' مگر تحقیق یہ بتلاتی ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی جدوجہد سب سے زیادہ رہی۔ تحفظ دین' تردید تحریکات آریہ سماج' عامۃ المسلمین کی صلاح' احقاق حق اور ابطال باطل اور سادہ لوح انسانوں کو علوم دینیہ سے بہرہ ور کرنے کے حوالے سے اُم المدارس دارالعلوم دیوبند کے اکابر علماء' شیوخ الحدیث' اساتذہ کرام و مدرسین عظام اور مبلغین و منتظمین اور طالبان علوم دینیہ کا کام سب پر بھاری اور فائق ہے اوران کا حصہ پورے برصغیر کے دینی اداروں سے بڑھ چڑھ کر ہے۔

مولانا نذیر اللہ خان مرحوم سے جب میں نے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ''شدھی تحریک کی تبلیغ اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا' اس نے زور پکڑا تو دہلی اور نظام الدین اولیاء سے ایک تبلیغی جماعت دیوبند آئی' حضرات اساتذہ کے سامنے یہ بات رکھ دی اور ان سے درخواست کی کہ طلبہ کو ہمارے ساتھ بھیج دیں' مولانا اعزاز علی صاحب مرحوم ناظم تعلیمات تھے' انہوں نے انکار کر دیا، یہ بات حضرت مدنیؒ تک پہنچی تو انہوں نے کہا کہ بھائی ان طلبہ کو تبلیغ میں جانے دو' یوں ہم نے شدھی تحریک کے خرافات اور مضرات سے مسلمانوں کو آگاہ کیا۔ میں اس میں بہت شوق سے حصہ لیا کرتا تھا۔ مجھے علم مناظرہ و کلام اور منطق سے ویسے بھی شغف رہا ہے تو میں بصد شوق اس تبلیغی قافلے میں شامل ہوا۔ الحمد للہ علیٰ ذلک''۔

جمیعت علماء ہند کے ساتھ لگاؤ

''ہمارے استاد محترم حضرت مدنیؒ جمیعت علماء ہند کے روح رواں تھے اس لئے طبعی طور پر ہم بھی استاد کے ساتھ جمیعت علماء ہند کے شیدائی تھے' چھٹیوں میں جمیعت علماء ہند کے جلسوں میں شریک ہوا کرتے تھے' کام بھی کیا' دو دفعہ کانگریس کو ووٹ بھی دیا' یہ واضح کرتا چلوں کہ جمیعت علماء ہند کے ساتھ عقیدت تو بے حد تھی مگر ان کے اغراض و مقاصد کا اس وقت ہمیں مکمل ادراک نہیں تھا''۔

ہندوستان میں مولانا ابوالکلام اور حضرت بخاری رحمہم اللہ سے ملاقاتیں

''حضرت عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے کئی بار ملے' ان کے خطبات بار ہا سنے' اللہ نے انہیں غیرت ایمانی کے ساتھ لحن داؤدی بھی دیا تھا' یوں سمجھو کہ حسن یوسف کے ساتھ لحنِ داؤدی ان کو ربانی عطیہ ہوا تھا۔ انہوں نے ایک بنگی کو اپنے ساتھ کھلایا' اس وقت ان کو اچھوت اور ناپاک سمجھا جاتا تھا' وہ عیسائی بنگی اگلے دن مسلمان ہوا' حضرت بخاریؒ کو اللہ تعالیٰ نے بیشمار صلاحیتوں سے نوازا تھا' ہندوستان کی بستیوں میں جتنا کام حضرت بخاریؒ نے کیا اتنا کام کوئی نہ کر سکا' تقسیم ہند کے بعد مولانا ابوالکلام آزادؒ انڈیا کے وزیر تعلیم بنے۔ دارالعلوم دیوبند میں ان کے اعزاز پر ایک پروگرام منعقد کیا گیا' جب وہ دیوبند آرہے تھے تو ان کے لئے ریل کی ایک بوگی مخصوص تھی۔ ان کے ساتھ ایک پورا قافلہ آیا' ہم لوگ استقبالیہ میں تھے' ان کا دیوبند میں شاندار استقبال کیا گیا' دارالعلوم دیوبند کے اندر امام الہند امام الہند کے نعرے بلند ہوئے۔ ان کی تقاریر سنیں اور ان کی تحریریں پڑھیں' غضب کا انسان تھا' حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا''۔ قارئین جب حضرت بخاریؒ کا ذکر چل رہا ہے تو آپ کو یہ

بھی بتا تا چلوں کہ حضرت بخاری تحریر کے سخت مخالف تھے' اس لیے انہوں نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی۔ تصنیف وتحریر کے حوالے سے حضرت شاہ جیؒ بڑے بے نیاز تھے بلکہ بخیل تھے۔ شاہ جیؒ کی سوانح عمری لکھنے والوں کو کہنا ہے کہ شاہ جیؒ نے ان سے کبھی تعاون نہیں کیا۔ اس استغنا اور کسرِ نفسی کے نمونے قرون اولیٰ ہی میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ لاریب کہ شاہ جیؒ اپنی ذات میں ایک مکمل عہد' ایک انجمن' ایک کامل ادارہ اور ایک جاندار تاریخ تھے۔ شاہ جیؒ کو موقع مناسبت سے گفتگو کرنے کا خاص ملکہ حاصل تھا' ان کا مثیل ڈھونڈ نا' ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ شاہ کے متعلق بہتوں نے بہت کچھ کہا' سب کا ذکر ممکن نہیں۔ چند ایک کا ایک ایک جملہ ذکر کیے دیتے ہیں۔

☆ حکیم الامت حضرت تھانی نور اللہ مرقدہ نے شاہ جی کی شگفتہ اور طرازی گفتگو کے متعلق کیا خوب کہا ہے کہ ''شاہ جی کی باتیں عطاء الٰہی ہوتی ہے''۔

☆ علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے کہا کہ ''قادیانیوں کے خلاف ان کی (شاہ جیؒ) ایک تقریر ہماری پوری تصنیف سے بڑھ چڑھ کر ہے''۔

☆ ...راز دانِ علوم مغرب ومشرق حضرت اقبال نے کہا کہ ''شاہ جی اسلام کی چلتی پھرتی تلوار ہے''۔

☆ ...مولانا محمد علی جوہر نے کیا خوب فرمایا کہ ''شاہ جی! مقرر نہیں ساحر ہیں، تقریر نہیں جادو کرتے ہیں''۔

☆ ...ظفر علی خان نے کہا کہ ''بلبل چہک رہا ہے ریاض رسول میں''۔

☆ ...خواجہ حسن نظامی دہلوی نے سچ کہا کہ ''انہیں دیکھ کر قرونِ اولیٰ کے مسلمان یاد آتے ہیں''۔

☆ ...احمد ندیم قاسمی نے کہا کہ ''ان کے بے داغ اور بے لوث خلوص کی قسمیں صدیوں بعد کھائی جاتی رہینگی''۔

☆ ...حبیب جالب نے درست ترجمانی کی کہ ''تجھ سے پہلے عام کہاں تھی دار ورسن کی بات''۔

لطائف وظرائف' ادبی تراکیب' اشعار' حکمت وبصیرت کی باتیں اور بذلہ سنجی میں شاید شاہ جیؒ کا کوئی مقابلہ کر سکتا ہو۔ شاہ جیؒ کے خطاب کا ایک ٹکرا سنا ہی دیتے ہیں۔ شاہ جی نے حضور ﷺ کی بشریت کے منکرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ''بھائی لوگو! آپ کے کبوتروں کی بھی نسل ہو' بٹیروں وطوطوں کی بھی نسل ہو' غرض آپ کے کتوں کا بھی پورا پورا شجرہ نسب محفوظ و مامون ہو........لیکن ایک ہم سید ایسے ہیں کی جن کی نسل نہیں' حضور پاک ﷺ کو تم بشر نہیں مانتے ہو تو پھر ہم کس کی اولاد ہوئے؟''۔ واہ شاہ جی واہ۔ کتنا بڑا علمی مسئلہ چٹکیوں میں سمجھا دیا۔

امیر شریعت حضرت شاہ جیؒ کا آپ ﷺ کے ساتھ عشق اور انگریز دشمنی بے مثال ولازوال تھی۔ وہ بہت کچھ معاف کر سکتے تھے۔ تاہم دو چیزوں پر کبھی سمجھوتا نہیں کر سکتے۔

ا۔ ختم نبوت کے قزاقوں کے تعاقب میں ذرا بھر کوتاہی ۲۔ انگریز کی غلامی اور ان کے گماشتوں سے دوستانہ

اس حوالے سے شاہ جی عفو ودر گذر کے قائل ہی نہیں تھے۔ شاہ جیؒ کی پوری زندگی ان دو کاموں سے تعبیر ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ کاملۃ

شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری سے دورہ تفسیر

مولانا نزیر اللہ صاحب دار العلوم میں حدیث شریف کی کتابیں پڑھنے کے بعد پاکستان آ گے تھے' دورہ تفسیر' دورہ کتب فنون اور تخصص فی الفقہ کی تکمیل نہ کر سکے تھے اس لیے شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، مولانا احمد علی لاہوری صاحب نور اللہ مرقدہ کو اللہ تعالیٰ نے علم تفسیر اور فلسفہ اسلامی سے خوب نوازا تھا' حضرت لاہوری

"دوسروں کی طرح اپنے مخالفین کو گالم گلوچ اور سب وشتم سے یاد نہیں کیا کرتے بلکہ بہت ہی خوبصورت پیرائے میں اپنی رائے کا اظہار فرمایا کرتے۔آپ نے ہمیشہ تقریر اور تحریر میں حسن مجادلت سے کام لیا۔اپنی بات دلائل و براہین سے منوانا آپ ہی کا کمال تھا،آپ نے ہر باطل فرقے کا علمی تعاقب کیا اور خوب کیا۔حضرت لاہوریؒ کو حضرت سندھیؒ کی نیابت بھی نصیب ہوئی۔مدرسہ نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی سے جب حضرت سندھیؒ رخصت ہوئے تو نیابت کے لیے آپ کی نظر انتخاب حضرت لاہوری پر پڑی اور آپ نے اس کا حق ادا کیا۔مولانا نذیر اللہ نے فرمایا کہ "حضرت لاہوری کا درس بے حد واضح ہوتا' عقیدہ توحید کو دلائل و براہین سے بیان کرنا' اہل اللہ کے موثر واقعات اور ان کے دلچسپ تذکرے دل میں اتارنا' قرآنی نکات بیان کرنا اور جذبہ جہاد کو سمجھانا مولانا کا خاص مزاج تھا، میں نے تین مہینے ان سے قرآن پاک کا ترجمہ و تفسیر پڑھا' لاہور میں حضرت والا مرجع خلائق تھے"۔

جامعہ علوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے اولین طالب علم

مولانا نذیر اللہ صاحب درحقیقت ایک مستند مفتی بھی تھے'انہوں نے ملک عزیز کی سب سے معروف دینی درسگاہ سے کبار علماء کی نگرانی میں مفتی کا کورس کیا تھا تاہم بعد میں وہ مولانا سے ہی زیادہ معروف ہو گے۔مولانا چونکہ دارالعلوم دیوبند سے تخصص فی الفقہ کیے بغیر پاکستان آئے تھے' فقہی تشنگی باقی رہی تھی اس لیے مولانا احمد علی لاہوری سے دورہ تفسیر کرنے کے بعد جامعہ علوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں حضرت مولانا یوسف بنوری نوراللہ مرقدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے،۔مولانا مرحوم خود بیان کرتے ہیں "شہر سے باہر ہندوؤں کے متروکات میں حضرت بنوریؒ نے مدرسہ قائم کیا تھا' چھ مہینے ہم نے وہاں تعلیم حاصل کی' چھ مہینوں کے بعد ہم شہر میں منتقل ہوئے' حضرت ہم سے دعاؤں کا اہتمام کرواتے کہ کہیں اچھی جگہ میں مدرسہ کا قیام عمل میں آجائے' اللہ تعالیٰ نے ہماری دعائیں سن لیں اور بالآخر مدرسہ قائم ہوا' ہم بھی وہاں منتقل ہوئے' ابتداء میں دو کمرے تھے' حضرت بنوریؒ خود مسجد میں بیٹھ گئے اور ہم طلبہ مدرسے میں' حضرتؒ کی نگرانی میں تخصص کیا اور یوں مجھے علامہ بنوری ٹاؤن کا اولین طالب علم ہونے کا بھی شرف حاصل ہے جامعہ علوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کا افتتاح تخصص سے ہوا۔

مولانا لطف الرحمان جہانگیرہ پشاور اور مولانا نافع گل (فاضل دیوبند) تخصص فی الفقہ کے اساتذہ تھے ایک سالہ مفتی کا کورس کروایا گیا' حضرت بنوری تمام امور کی نگرانی فرماتے، تین روپے ماہانہ وظیفہ دیا جاتا' ابتداء میں کھانے پینے کا کوئی انتظام نہ تھا، بہرصورت بڑا اچھا سال گزارا، بزرگوں کی صحبت نصیب ہوئی اور دعائیں بھی"۔بقول مفتی محمد جمیل شہیدؒ کے کہ مولانا نذیر اللہ مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاکستان میں اولین دس تلامذہ میں ایک ہیں۔علامہ بنوری ٹاؤن کے فضلاء نے پوری دنیا میں نرالی خدمات انجام دیں ہیں۔درس نظامی کا سلسلہ صدیوں پر محیط ہے،درس نظامی کے مدارس کا ابتداء عموما ابتدائی درجات سے کیا جاتا ہے مگر جامعہ علوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن وہ واحد ادارہ ہے جس کی ابتداء انتہائی درجہ (تخصص فی الفقہ) سے کیا گیا۔

شادی خانہ آبادی

"میری شادی بھی حضرت استاد محترم مولانا قاضی عبدالرزاقؒ کی ایماء پر ہوئی' حضرت والا نے اپنی بڑی صاحبزادی کے ساتھ میرا رشتہ کروادیا' یہ رشتہ میری اطلاع کے بغیر ہی طے ہوا' میری اہلیہ حافظہ قرآن ہے' ابھی بھی حیات ہے میری کوئی نرینہ اولاد نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے دس بیٹوں سے نوازا ہے" میرے استفسار پر مولانا مرحوم کی اہلیہ مکرمہ نے بتایا کہ"

الحمدللہ! مجھے گلگت بلتستان کی پہلی حافظ قرآن ہونے کا شرف حاصل ہے، میں نے قرآن پاک اپنی والدہ اور والد محترم سے حفظ کیا، ایک دفعہ قاری عبدالقیوم گلاپوری حال سعودی عرب نے میرے ابا جان سے کہا کہ حضرت میں گلگت بلتستان کا پہلا حافظ قرآن ہوں تو میرے ابو جی نے کہا کہ نہیں بھائی آپ سے بھی پہلے کسی نے اس دھرتی میں قرآن پاک حفظ کرنے کی سعادت حاصل کی ہے اور وہ میری بڑی بیٹی اور مولانا نذیر اللہ کی اہلیہ ہے۔ میں نے بے شمار بچیوں کو ناظرہ قرآن پڑھایا اور بعض نے حفظ بھی کیا اور کئی نامور علماء نے بچپن میں مجھ سے قرآن پاک ناظرہ پڑھا ہے، مجھے امید ہے کہ اللہ میری ان خدمات کے عوض میرا معاملہ مقربین کے ساتھ فرمایا گا"۔ مفتی مولانا نذیر اللہ نے دوسری شادی بھی یاسین سے کی تھی، ان سے بھی ایک بیٹی پیدا ہوئی اور بعد میں مولانا نے ان کو طلاق دے دی۔ مولانا نذیر اللہ صاحب نے مجھے متوجہ فرماتے ہوئے کہا کہ "حقانی صاحب! استادی المحترم کی مجھ پر بے شمار احسانات ہیں، ابتدا سے انتہا تک میرے ساتھ ان کا جو رویہ اور محبت و مودت اور تعلق رہا شاید کسی باپ کو اپنے سگے بیٹے کے ساتھ بھی نہ ہو، میری دعا ہے کہ خدا مرحوم کو کروٹ کروٹ راحتیں نصیب فرمائے"۔ آمین

گلگت آمد اور دینی خدمات کی ابتداء

مولانا نذیر اللہؒ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ: "تعلیم سے فراغت کے بعد جب میں گلگت میں پہنچا تو سب سے پہلے میں نے اپنی مسجد میں کام شروع کیا جو کہ پرانے تبلیغی مرکز سے معروف ہے۔ ابتدائی چار سال اسی مسجد میں درس و تدریس کا کام کرتا رہا، پانچ چھ طلبہ ہوا کرتے تھے"۔

کسب معاش کے لئے تجارتی سرگرمیاں

مولانا مرحوم نے فرمایا کہ: "چونکہ گھریلوی معاشی حالات اچھے نہ تھے اس لیے اپنے بھائی کے ساتھ تجارت شروع کیا، ساتھ ساتھ لوگوں کو دینی مسائل بھی بتاتا رہا، چونکہ تعلیم سے فراغت کے بعد آیا تھا تو معلومات تھیں، لوگوں کو مسائل بتاتا یوں لوگوں کا رجوع بھی ہوا۔ مولانا مرحوم کو جہاں اللہ تعالیٰ نے علم و عمل کی دولت بیکراں سے نوازا تھا وہاں رب ذوالجلال نے انہیں دنیاوی جاہ و جلال اور مال و متاع کی بھی فراوانی عطا کی تھی۔ حضرت مرحوم کا شمار گلگت کے کامیاب اور مایہ ناز تجار میں ہوتا تھا۔ گلگت شہر کے معروف بازار "راجہ بازار" میں مولانا کی اسلحہ اور منیاری کی دکان تھی جس میں مرحوم رزق حلال کے لیے سرگرداں رہتے۔

سبز کپڑے پہن کر جامع مسجد میں نماز جمعہ پڑھنا

مولانا نذیر اللہ مرحوم فرماتے ہیں کہ "ڈوگرہ کو نکالنے میں قاضی مرحوم کا بڑا کردار تھا، ہم لوگوں کو قاضی صاحب نے تاکید کر رکھا تھا کہ سبز کپڑے پہن کر نماز جمعہ میں آیا کرو کیونکہ یہ جنت کا رنگ ہے" مولانا مرحوم نے انقلاب گلگت کے حوالے سے تفصیلی بریف کیا، اس کو قاضی عبدالرزاقؒ کے تذکرے میں ملاحظہ فرمائے گا۔ انقلاب گلگت کے حوالے سے وہ اپنے استاد محترم قاضی مرحوم کو مرکزی سہرا دیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ قاضی مرحوم نے جتنی کوششیں کی ان کا کہیں ذکر نہیں کیا جاتا ہے اور یہ ان کے ساتھ ناانصافی ہے۔

بیعت و راہ طریقت

مولانا نذیر اللہ مرحوم نے بتایا کہ "میں نے اولین بیعت حضرت مدنیؒ سے کی ہے۔ ان کی وفات حسرت آیات کے بعد مدینہ منورہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے دست اقدس پر بیعت کی ہے اور حضرت کے بتائے ہوئے وظائف کو تسلسل کے ساتھ کرتا رہتا ہوں"۔ "میرے نزدیک درست راہ طریقت وہ ہے جو مولانا زکریاؒ اور استادی

المدنیؒ کا بیان کردہ ہے۔ مجھے خشک صوفیوں اور نام نہاد سجادہ نشینوں اور گدی نشینوں سے سخت نفرت ہے۔ وہ لوگ امت کو خاک راہ دکھائیں گے جو خود بھٹکے ہوئے ہیں۔ تصوف اس کا نام ہرگز نہیں کہ باپ مرجائے تو بیٹا اس کی گدی سنبھالے اور دونوں ہاتھوں سے مریدوں اور چاہنے والوں کو لوٹنا شروع کریں۔ تصوف تو تزکیہ نفس کا نام ہے نہ کہ جانشینی کا۔ ہمارے ہاں رواج بن چکا ہے کہ باپ کی جگہ بیٹا لے لیتا ہے اور پھر وہ خرافات وجود پذیر آتے ہیں کہ الامان والحفیظ۔ ایسے نام نہاد سجادہ نشینوں اور گدی نشینوں کی ایک کھیپ ملک کے اکثر علاقوں میں موجود ہے۔ بس سالانہ عرس کا اہتمام کریں اور ڈھول باجوں اور ناچ گانے کی محفلیں لگے اور مریدین باصفا کو مزید گمراہ کریں۔ واہ جی واہ۔ ایسی بے ہودگیوں سے طریقت اور تصوف اور راہ سلوک اور تزکیہ نفس کا کوئی تعلق نہیں''۔

مولانا نذیر اللہ کی حضرت مدنیؒ سے والہانہ عقیدت

مولانا مرحوم نے فرمایا کہ ''دیکھیں حقانی صاحب! اپنی مختصر سی زندگی میں علماء وفضلاء کو بہت دیکھا۔ جید مدرسین اور اساتذہ کرام کے درس میں شریک ہوئے، کئی واعظوں کو سنا' سیاسی لیڈروں کو پرکھا، جانچا اور ان کے کردار اور گفتار کا جائزہ لیا۔ مگر سچی بات یہ ہے کہ جو جلالی اور امتیازی شان شیخ العرب والعجم حضرت مولانا مدنیؒ میں دیکھنے کو ملے وہ کہیں اور نہیں۔ دنیائے سیاست میں یکتا' اردو وعربی ادب میں ان کی نرالی شان تھی۔ سچے معنوں میں وہ شیخ کامل تھے۔ ان کا تقویٰ' تواضع وانکساری اور کسر نفسی سب سے نرالی تھی۔ وہ بہت بڑے انسان تھے' یعنی انسان کامل۔ اللہ نے ان کو علم کے ساتھ حلم بھی دیا تھا، استاد کامل تھے، علم فلسفہ اور منطق ان کے گھر کی لونڈی تھی۔ عربی ادب میں یکتا تھے، بولنے پر قادر تھے۔ اللہ نے غضب کا حافظہ عنایت کیا تھا۔ اگر مجھے معاف کیا جائے تو یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ اپنے اساتذہ اور اکابر علماء وفضلاء میں استادی المحترم کے ساتھ جو والہانہ عقیدت ومحبت اور قلبی وارفتگی اور ان کے لیے دل ودماغ میں جو جگہ ہے وہ کسی کے لیے پیدا نہ ہوسکی۔ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا''۔

انجمن نصرۃ الاسلام اور قاضی عبدالرزاق نور اللہ مرقدہ

مولانا نذیر اللہ خان صاحبؒ کی مرتب کردہ ایک رپورٹ میں مرقوم ہے کہ ''شمالی علاقہ جات (گلگت بلتستان) میں اسلام کیسے پھیلا اور کہاں کہاں سے مبلغین آئے' یہ ایک الگ تاریخی بحث ہے، جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ شمالی علاقہ جات میں اہل سنت والجماعت کی مذہبی حالت ایک صدی پہلے بہت مخدوش تھی۔ لوگ شرک وبدعات اور غیر اسلامی رسوم ورواجات میں مبتلا تھے اور اپنی جہالت اور دین اسلام سے عدم واقفیت کی وجہ سے بہت سے غیر اسلامی عقائد واعمال کے مرتکب تھے۔ ان حالات میں اس علاقے کے ایک ہونہار اور ذہین سپوت حضرت قاضی عبدالرزاقؒ دارالعلوم دیوبند سے علوم اسلامیہ کا جید عالم بن کر وارد گلگت ہوا۔ اور جامع مسجد گلگت کی خطابت کا منصب سنبھالا جہاں وہ اپنی عالمانہ تقریر کے ذریعے اہل سنت والجماعت کو قرآن وسنت کی روشنی میں صحیح عقائد واعمال سے آگاہ کرتے۔ لوگوں کو شرک وبدعت اور غیر اسلامی رسوم کے عواقب سے خبردار کرتے۔ بالآخر حضرت قاضی صاحبؒ کی مبلغانہ مساعی کی وجہ سے لوگ اسلام اور غیر اسلام کے درمیان فرق کرنے لگے۔

خطابت کے ساتھ ساتھ حضرت قاضی مرحوم نے علوم اسلامیہ کا درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ چنانچہ حضرت قاضی صاحب کے شاگرد علوم اسلامیہ سے فراغت کے بعد شمالی علاقہ جات (گلگت بلتستان) کے گوشے گوشے میں پھیل کر دعوت و

تبلیغِ دین میں مصروف ہو گے۔ حضرت قاضی صاحبؒ کی آمد کے تقریباً دس سال بعد شمالی علاقہ جات (گلگت بلتستان) کے عوام نے کشمیر کے ڈوگرہ مہاراجہ ہری سنگھ کے تسلط سے آزادی کی جدو جہد شروع کی۔ حضرت قاضی صاحبؒ نے بھی اس جنگ آزادی میں اپنا بھر پور کردار ادا کیا اور شمالی علاقہ جات (گلگت بلتستان) کی آزادی اور الحاق پاکستان کے سلسلے میں نمایاں خدمات انجام دیں۔

قیام پاکستان اور شمالی علاقہ جات (گلگت بلتستان) کے پاکستان کے ساتھ الحاق کے بعد آزادی سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے بعض مذہبی حلقوں کی طرف سے مذہب اہل سنت والجماعت پر چیرہ دستیاں، جامع مسجد اور صحابہ کرامؓ کی توہین شروع ہوئی تو حضرت قاضی مرحوم نے مذہب اہل سنت کی حفاظت اور ناموسِ صحابہ کرام واہلِ بیت کے تحفظ کا بیڑہ اُٹھایا اور جامع مسجد کے ممبر اور تنظیم کے اسٹیج سے اہل سنت کی مذہبی ترقی اور ناموس صحابہؓ کے دفاع کا فریضہ انجام دیا اسی دوران گلگت میں ایک دینی ادارے کے قیام کی ضرورت شدت سے محسوس کی گئی، لیکن اس دینی ادارے کے قیام کے راستے میں سرمایے کا فقدان۔

چنانچہ انجمن نصرۃ الاسلام کے نام سے ایک انجمن بنی، جس کے صدر حضرت قاضی صاحب مرحوم اور اس کے ممبران ان کے شاگرد تھے جو ہندوستان کے اعلیٰ دینی اداروں سے دینی علوم کی تکمیل کے بعد فارغ التحصیل ہو کر گلگت آئے تھے۔ اس انجمن نے انتہائی کٹھن حالات میں کام شروع کیا۔ حضرت قاضی صاحبؒ اور اس کے رفقاء کار نے آمد و رفت کے وسائل نہ ہونے کے باوجود پیدل اور گھوڑوں کے ذریعے دشوار گزار پہاڑی پگڈنڈیاں عبور کرتے ہوئے تمام شمالی علاقہ جات (گلگت بلتستان) کا دورہ کیا اور مسلمانانِ اہل سنت والجماعت کو ایک تنظیم میں پرونے کے ساتھ ساتھ انجمن نصرۃ الاسلام کی مالی واخلاقی معاونت پر انہیں آمادہ کیا۔ عوام نے اپنی غربت کے باوجود حضرت قاضی صاحبؒ کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے حسب توفیق چندہ دیا اور اپنے اموال عشر و زکواۃ کا ایک چوتھائی حصہ انجمن کے لیے مختص کر دیا۔ اسی دوران انجمن میں جمع شدہ رقم سے نو کنال کا ایک رقبہ خریدا گیا"۔ (از رپورٹ: جامعہ اسلامیہ گلگت اور شمالی علاقہ جات کا تعارف وتبصرۃ: پیش کردہ: مولانا نذیر اللہ خان صاحبؒ ص ۱۱ تا ۱۳، سن اشاعت ۱۹۸۶ء)

جامعہ نصرۃ الاسلام کی تاسیس

"حضرت قاضی صاحبؒ اور ان کے ایک ہونہار شاگرد اور دست راست مولوی گل شیر خان صاحبؒ نے انتہائی جدو جہد سے نامساعد حالات کے باوجود گلگت شہر کے شمال کی طرف موضع کونو داس میں تقریباً ساڑھے تین سو کنال پر مشتمل ایک وسیع رقبہء زمین حاصل کیا۔ اس وسیع رقبے کی مشرقی جانب جامعہ اسلامیہ نصرۃ الاسلام کے لیے دو بلاکوں پر مشتمل عمارت بنوائی گئی۔ ایک بلاک دو بڑے ہالوں پر اور دوسرا بلاک تین کمروں پر مشتمل ہے۔ اسی رقبہ زمین کے مغربی جانب گلگت کے اہل سنت والجماعت کے لیے ایک رقبہ وسیع اور شاندار عیدگاہ کے لیے مختص کر دیا گیا۔ مسلمانانِ گلگت کے تعاون سے عیدگاہ کی چار دیواری بنائی گئی۔

دار العلوم نصرۃ الاسلام کی بنیاد ۱۹۵۳ء میں رکھی گئی تھی، چندے سے حاصل شدہ رقومات سے دار العلوم کے مذکورہ دو بلاک تعمیر ہو گئے تھے لیکن اسی دوران حضرت قاضی صاحب نور اللہ مرقدہ اور انکے رفقاء کار کو بعض دوسری اہم ملی ذمہ داریوں اور ناموسِ صحابہؓ کی حفاظت کی جدو جہد نے مصروف رکھا اور دار العلوم میں عملاً درس و تدریس کا کام شروع نہ کیا جا سکا، اسی مصروفیت کی وجہ سے ملحقہ علاقہ جات کے دورے کا تسلسل قائم رکھنا ممکن نہ رہا اور نتیجتاً چندے کی فراہمی کا سلسلہ منقطع

ہوا۔ انہی مصروفیات اور سرمائے کے فقدان کی وجہ سے مسلسل تیس (۳۰) سال تک دار العلوم کے عملاً اجراء کا کام معرض التوا میں پڑا رہا۔ ملت اسلامیہ اہل سنت والجماعت کی کامیابی کے تمام ذرائع آزمانے کے بعد حضرت قاضی اس نتیجے پر پہنچے کہ ملت کی سرخروئی کا پہلا زینہ ''قیامِ دار العلوم'' ہی ہے چنانچہ اس کام کو دوبارہ شروع کرنے پر غور وخوض کیا گیا اور اپنی ضعیف العمری کے باعث حضرت قاضی صاحب اس نصب العین کے حصول کے لیے بے چین ہونے لگے۔ وہ اپنی زندگی میں اس نصب العین کو عملاً حاصل ہوتے ہوئے دیکھنا چاہتے تھے۔ اسی دوران مسلمانانِ گلگت کی خوش قسمتی سمجھئے یا تائیدالٰہی کا کرشمہ کہ سکردو کے بعض علماء کے ذریعے ''صدیقی ٹرسٹ کراچی'' سے تعارف ہوا۔ ٹرسٹ کے ساتھ رابطہ قائم ہوا۔ اور اس عظیم دینی خدمت کے حامل ٹرسٹ نے جامعہ نصرۃ الاسلام کی ہر قسم کی مالی واخلاقی تعاون کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس تائید غیبی کی بنیاد پر جامعہ میں درس وتدریس کا کام بتاریخ ۲۵ اگست ۱۹۸۴ء بمطابق ۲۷ ذیقعدہ ۱۴۰۴ھ کو عملاً شروع ہوا''۔ (رپورٹ: جامعہ اسلامیہ گلگت اور شمالی علاقہ جات کا تعارف وتبصرۃ: پیش کردہ: مولانا نذیر اللہ خان صاحبؒ ص ۱۳ تا ۱۵' سن اشاعت ۱۹۸۶ء)

جامعہ نصرۃ الاسلام کے مہتمم اول ونائب مہتمم

جامعہ نصرۃ الاسلام کے منصب اہتمام کے حوالے سے جب میں نے مولانا مرحوم سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ''سونیکوٹ کے متصل برلب دریا استاد محترم حضرت مولانا قاضی صاحب نے اس وقت کے گلگت کے مشہور ومعروف علماء جو حضرت کے شاگرد بھی تھے کی ایک اہم میٹنگ بلائی' جامعہ کے حوالے سے وہ کافی فکر مند تھے' اس لیے تمام احباب سے مشورہ کیا، بالآخر آپس کی مشاورت سے مجھے یہ بھاری ذمہ داری دے دی گئی' چونکہ میں کاروبار کرتا تھا اس لیے ایک دم کاروبار چھوڑ کر اس طرف آنا اتنا آسان بھی نہ تھا' خیر حضرت قاضی صاحبؒ کے حکم کے آگے سر خم تسلیم کر لیا اور جامعہ کی انتظامی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ حضرت نے دوسرے علماء کو بھی مختلف ذمہ داریاں تفویض کی۔ ہم سب نے ان سے وعدہ کیا کہ ہم سے جتنا ہو سکے محنت سے کام کریں گے۔ حضرت قاضی مرحوم نے مجھ سے کہا کہ اگر مدرسہ چلانے میں مشکلات مالی مشکلات پیش آئیں تو فلاں فلاں سے قرضہ بھی لے لو۔ اللہ تعالیٰ کوئی سبیل بنا دے گا'' مولانا نذیر اللہ خانؒ نے ایک رپورٹ میں بھی اس کی یوں وضاحت کی ہے۔

''مولانا نذیر اللہ مرحوم جو حضرت قاضی مرحوم کے داماد اور با اعتماد رفیق کار تھے۔ حضرت قاضی صاحب کے حکم پر اپنا وسیع کاروبار چھوڑ کر شب وروز دار العلوم کی خدمت واہتمام میں ہمہ تن مصروف ہو گئے (یعنی مولانا نذیر اللہ صاحب قاضی صاحب کے حکم اور ایماء پر مہتمم مقرر ہوئے)۔ مولانا گل شیر خان صاحب کو عید گاہ کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ مدرسے کے نائب مہتمم اور مہتمم تعمیرات کے فرائض سونپے گئے۔ مولانا لقمان حکیم صاحب کو تعلیمی معاملات سے متعلق امور کی نگرانی پر مامور کیا گیا۔'' (رپورٹ: جامعہ اسلامیہ گلگت اور شمالی علاقہ جات کا تعارف وتبصرۃ: پیش کردہ: مولانا نذیر اللہ خان صاحبؒ ص ۱۵' سن اشاعت ۱۹۸۶ء)

گلگت میں جمیعت علماء اسلام کی تاسیس

جامعہ نصرۃ الاسلام کے نائب مہتمم جناب قاری خلیل الرحمان نے کئی بار یہ بات مجھ سے کہی کہ ''گلگت میں جمیعت علماء اسلام کی بنیاد بلکہ ابتدائی تنظیمی ڈھانچہ حضرت مولانا نذیر اللہ خان صاحب مرحوم نے رکھا ہے۔ مرحوم نے جامعہ نصرۃ الاسلام کی مرکزی آفس میں ایک اہم میٹنگ بلائی جس میں جگلوٹ کے قاری امتیاز احمد صاحب، شرافت بھائی وغیرہ شامل تھے۔ مولانا نے

جمعیت کے مقاصد واغراض کو تفصیل سے بیان کیا اور سیاسی سرگرمیوں کی ضرورت واہمیت بھی۔ اور ساتھ ہی احباب کو ذمہ داریاں بھی سونپی۔ قاری امتیاز صاحب کو امیر بنایا، شرافت بھائی کو جنرل سکرٹری اور مجھے (قاری خلیل الزحمان) نائب امیر کی ذمہ داری سونپی، میں اس میٹنگ میں موجود نہیں تھا تاہم انہوں نے متفقہ طور پر مجھ پر اعتماد کیا، حضرت مرحوم نے خود سرپرستی کا بیڑا اُٹھایا۔ اللہ ان کو جزائے خیر دے"۔ ایک ثقہ روایت کے مطابق قاضی عبدالرزاقؒ نے مفتی محمود، غلام غوث ہزاروی اور حافظ الحدیث عبداللہ درخواستی اور دیگر اکابر علماء دیوبند۔ رحمہم اللہ۔ سے طویل مشاورت کے تنظیم اہل سنت کی بنیاد رکھی تھی اس سے قبل قاضی مرحوم نے اپنے گھر اور جامع مسجد گلگت میں جمعیت علماء اسلام اور پاکستان کو جھنڈا سب سے پہلے لہرایا تھا۔

مولانا نور احمد صاحب جنرل سیکریٹری مؤتمر عالم اسلامی پاکستان کی گلگت آمد

"مولانا نور احمد صاحب جنرل سیکریٹری مؤتمر عالم اسلامی پاکستان' صدر ادارہ دعوت تبلیغ وارشاد سے رابطہ قائم ہوا۔ اور شمالی علاقہ (گلگت بلتستان) کے کوائف وحالات سے انہیں آگاہ کیا گیا۔ حضرت موصوف بذات خود گلگت تشریف لائے۔ جامعہ کا معائنہ فرمایا اور گلگت کی مذہبی حالت اور جغرافیائی کیفیت کا عینی مشاہدہ کیا۔ انہوں نے کراچی واپس جا کر صدیقی ٹرسٹ کو جامعہ ہذا کی امداد میں توسیع اور شمالی علاقہ جات (گلگت بلتستان) کے اہل سنت والجماعت کی ہر قسم کی اعانت کرنے کی طرف مخلصانہ ترغیب دی۔" (رپورٹ: جامعہ اسلامیہ گلگت اور شمالی علاقہ جات کا تعارف وتبصرۃ: پیش کردہ: مولانا نذیر اللہ خان صاحبؒ ص ۱۶' سن اشاعت ۱۹۸۶ء)

الحاج منصور الزمان صدیقی کی جامعہ نصرۃ الاسلام کے لیے تجاویز

"چنانچہ صدیقی ٹرسٹ کے چیرمین حضرۃ الحاج محمد منصور الزمان صدیقی مدظلہم نے جامعہ کے کام اور دائرہ کار کے متعلق چند اہم تجاویز ادارہ ہذا کو بھیجیں جن پر عمل ہو رہا ہے۔ صدیقی ٹرسٹ کے مشورے پر دار العلوم نصرۃ الاسلام کا نام تبدیل کر کے جامعہ اسلامیہ رکھا گیا۔ جامعہ کی زمین کا سروے کر کے ایک جامع نقشہ ترتیب دیا جا رہا ہے تا کہ جامعہ اسلامیہ مستقبل میں شمالی علاقہ جات (گلگت بلتستان) کی اسلامی یونیورسٹی کا کردار ادا کر سکے۔" (رپورٹ: جامعہ اسلامیہ گلگت اور شمالی علاقہ جات کا تعارف وتبصرۃ: پیش کردہ: مولانا نذیر اللہ خان صاحبؒ ص ۱۶' سن اشاعت ۱۹۸۶ء)

جامعہ نصرۃ الاسلام کی تعمیر وترقی

مولانا نذیر اللہ مرحوم نے فرمایا کہ: "جب قاضی مرحوم مجھے مدرسے کے اہتمام کے فرائض سونپ رہے تھے تو مجھے کئی نصیحتیں کی تھیں' اس وقت مدرسے میں کوئی آمدنی نہیں تھی' حضرت قاضی صاحبؒ نے فرمایا کہ آپ قرضہ لے لیں، اللہ آسانی فرمائے گا۔ حضرت میری نگرانی بھی کرتے اور مدرسے کے لئے دعائیں اور تعاون بھی۔ اہل خیر حضرات کو ترغیب دیتے کہ بھائی دینی ادارہ ہے تعاون کرو اللہ آپ کا معاون بن جائے گا۔ جامعہ نصرۃ الاسلام کی تعمیر وترقی میں مجاہد ملت اور مرد قلندر جناب منصور الزمان صدیقی صاحب کا بنیادی کردار ہے۔ انہوں نے بے حد تعاون کیا ہے۔ مولانا گل شیر صاحب (فاضل دیوبند) نے بھی جامعہ کی تعمیر وترقی میں صف اول کا کردار ادا کیا ہے۔ موجودہ جو تعمیرات نظر آرہے ہیں اس میں صدیقی ٹرسٹ کا سب سے زیادہ تعاون رہا ہے۔ جامعہ کی آبیاری اور اس چمن کو سینچنے کے لئے دیگر احباب کے ساتھ مولانا گل شیر مرحوم اور جناب منصور الزمان صدیقی کا نام سرفہرست آتا ہے۔ جناب منصور الزمان صدیقی صاحب کا گلگت بلتستان کے مسلمانوں پر بے حد احسانات ہیں۔ ان کو بھولا دینا ناممکن ہے۔ ایک دفعہ جامعہ کے تعمیراتی کام پر سرکار کا ۹ ہزار کا بل بنا

تھا، مولانا گل شیر خان مرحوم چیف انجینئر کے پاس گئے، اپنی لطافت بیانی کو کام میں لاتے ہوئے اس بل کو معاف کروایا''۔
مولانا نذیر اللہ خان مرحوم نے اپنی جائیداد کا ایک بڑا حصہ جامعہ نصرۃ الاسلام کے لئے وقف کیا تھا اور بقول شخصے کہ اپنا رہائشی مکان بھی مدرسے کے لئے وقف کر گئے ہیں۔ تاہم اب تک اس مکان میں مولانا کی اہلیہ محترمہ سکونت پذیر ہیں۔ مولانا نذیر اللہؒ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ: ''حقانی صاحب! میں بغیر معاوضے کے مدرسے میں خدمات انجام دے رہا ہوں، کبھی چھٹی نہیں کرتا۔ عیدین اور جمع کو بھی مدرسے کے امور میں مشغول رہتا ہوں''۔ اس حوالے سے وفاق المدارس گلگت بلتستان کے مسئول اور جامعہ نصرۃ الاسلام کے استاد مولانا حبیب اللہ دیدار، اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ'' مولانا نذیر اللہ مرحوم نے گلگت بلتستان میں سماجی اور دینی خدمات کا ایک نرالا باب قائم کیا ہے۔ وہ جامعہ نصرۃ الاسلام کے حوالے سے بہت متفکر رہتے، کبھی کبھی وجد میں آ کر کہتے کہ میں یہاں قبروں کا مجاور بیٹھا ہوں، ان کا دل اپنے گھر میں نہیں ٹکتا' گرمی ہو یا سردی، وہ مدرسہ ضرور تشریف لاتے''۔ بحوالہ سہ ماہی نصرۃ الاسلام' شمارہ دوم صفحہ نمبر ۲۳' ۲۰۱۲ء۔
جامعہ نصرۃ الاسلام کے قدیم استاد و نائب مہتمم جناب قاری خلیل الرحمان صاحب کا کہنا ہے کہ'' مولانا مرحوم جامعہ کی جائیداد بالخصوص اراضی کے حوالے سے کافی فکر مند رہتے اور اس کا خاص خیال رکھتے تھے، مدرسے کے معاملات میں گہری نظر رکھتے تھے۔ مولانا مرحوم نے مدرسے کے حوالے سے جو بھی فیصلہ کیا انتہائی دوراندیشی سے کیا' اللہ انہیں غریق رحمت کریں''۔

جامعہ نصرۃ الاسلام کے قیام کے مقاصد

مولانا نذیر اللہ خان صاحبؒ نے 1986ء کو'' جامعہ اسلامیہ گلگت اور شمالی علاقہ جات (گلگت بلتستان) کا تعارف وتبصرۃ'' کے نام سے ایک تفصیلی رپورٹ شائع کی۔ اس رپورٹ میں جامعہ کے حوالے سے تفصیلات موجود ہیں۔ اس رپورٹ کا تفصیلی مطالعہ بتاتا ہے کہ مولانا مرحوم کے عزائم ومنصوبے کتنے بڑے' وسیع اور دوررس تھے۔ تاہم چند چیزیں موضوع کی مناسبت کی وجہ سے ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔ ''جامعہ اسلامیہ نصرۃ الاسلام گلگت'' کے عنوان سے جامعہ نصرۃ الاسلام کے قیام' اغراض ومقاصد کو بہت ہی خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ذکر کردہ اغراض ومقاصد کے عمیق جائزہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جامعہ نصرۃ الاسلام درست معنوں میں صرف ایک دینی مدرسہ یا مذہبی جامعہ نہیں بلکہ گلگت بلتستان میں احیاء اسلام، حفاظتِ شعائرِ اسلام اور نفاذِ دین کے لیے ایک منظم تحریک ہے۔ ملاحظہ کیجیے۔
''دینی مدارس کی ایک اہم کڑی اور دارالعلوم دیوبند کے چمن زار کا ایک گل سرسبد جامعہ اسلامیہ نصرۃ الاسلام گلگت ہے۔ یہ صرف ایک دینی دارالعلوم نہیں بلکہ ایک انجمن ہے' ایک تحریک ہے۔ اس کے قیام کے مقاصد حسب ذیل ہیں۔
۱۔ تعلیم واشاعتِ علوم دینیہ کے ذریعے شمالی علاقہ جات (گلگت بلتستان) کے مسلمانوں کو دین اسلام سے آگاہ کرنا۔
۲۔ توحید وسنت اور مقامِ صحابہؓ سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا اور ہر قسم کے شرک وبدعت' رسومات اور توہین صحابہؓ واہل بیتؓ کا سدباب کرنا۔
۳۔ شمالی علاقہ جات (گلگت بلتستان) کے ہر علاقے اور ہر گاؤں میں مدارسِ قرآنیہ کے ذریعے مسلمان بچوں کو قرآن مجید کی ناظرہ اور ترجمہ کا تعلیم کا مناسب بندوبست کرنا۔
۴۔ ان علاقوں میں جہاں اہل سنت والجماعت اقلیت میں ہیں، مساجد تعمیر کرنا، تربیت یافتہ قرأ اور آئمہ کی تقرری کا بندوبست کرنا۔

۵۔ شمالی علاقہ جات (گلگت بلتستان) میں مختلف تنظیموں کی طرف اپنے اپنے فرقوں کی معاشی، طبی اور تعلیمی میدان میں ترقی کی جو تحریکیں چل رہی ہیں، سوادِ اعظم اہلسنت والجماعت کو ایسی تحریکوں کی منفی اور مضر اثرات سے محفوظ رکھنے کے لیے عملی اقدامات کرنا اور انہیں ہر میدان میں ممکن تک حد اخلاقی، علمی اور معاشی معاونت پہنچانے کی کوشش کرنا۔

۶۔ شمالی علاقہ جات (گلگت بلتستان) کی سیاسی، جغرافیائی اور مذہبی حالات کو دینی حمیت رکھنے والے اداروں اور افراد کے علم میں لاکر یہاں کے اہل سنت والجماعت کی اخلاقی، مذہبی اور مادی امداد مہیا کرنے پر آمادہ کرنا۔

۷۔ مسلم نوجوانوں کی اس انداز میں تعلیمی اور اخلاقی تربیت کرنا جس سے ایک طرف وہ ناموسِ دین اسلام اور پیغمبر اور شانِ صحابہؓ کا تحفظ کرسکیں تو دوسری طرف مجاہدینِ اسلام بن کر مملکت خداداد پاکستان اور خصوصاً اس کے اس اہم جغرافیائی حصے کو ہر قسم کی بیرونی جارحیت اور اندرونی خلفشار سے بچاسکیں۔

۸۔ جامعہ کے طلباء اور نئی پود کی اس انداز سے تربیت کرنا کہ وہ اخلاق وکردار کے لحاظ سے بھی اور علمی وذہنی صلاحتیوں کے اعتبار سے بھی مغربی طرز کے نظام تعلیم سے فارغ ہونے والوں کی بہ نسبت فائق تر اور لائق تر ہوں۔ اور مروجہ عصری علوم میں بھی مہارت حاصل کریں تا کہ اسلامی ریاست کے مختلف شعبوں کی بطریق احسن خدمت ورہنمائی کا فریضہ انجام دیں سکیں۔

۹۔ بلا امتیاز قوم ومذہب تمام تشنہ گانِ علوم اسلامیہ کے لیے درس وتدریس علوم اسلامیہ کا بندوبست کرنا، تا کہ وہ دین اسلام سے گہری واقفیت حاصل کرسکیں۔

۱۰۔ اہم دینی موضوعات پر مشتمل لٹریچر تیار کرنا اور انہیں ملک وبیرون ملک تقسیم وترسیل کے لیے انتظامات کرنا تا کہ اس اہم خطے سے ملحق پڑوسی ممالک مثلاً چین، کاشغر وغیرہ کے لوگ اسلام سے صحیح واقفیت حاصل کرسکیں اور ملک وبیرون اسلامی اہم موضوعات پر لکھی گئی کتابوں اور لٹریچر مہیا کر کے مختلف علاقوں میں حسب ضرورت تقسیم کرنا۔

۱۱۔ جامعہ کے زیر ادارت ایک دینی اور علمی مجلّے کا اجراء کرنا جو ایک طرف عقائد واعمال کی درستی کا فریضہ انجام دے۔ تو دوسری طرف دینِ اسلام کے خلاف چلنے والی تحریکوں سے افرادِ ملت کو آگاہ کر کے ان کے سدباب کے لیے علمی اور تحریری اقدامات کرنا۔'' (از رپورٹ: جامعہ اسلامیہ گلگت اور شمالی علاقہ جات کا تعارف وتبصرۃ: پیش کردہ: مولانا نذیر اللہ خان صاحبؒ ص ۷ تا ۹، سن اشاعت ۱۹۸۶ء)۔

نوٹ: الحمدللہ! مولانا نذیر اللہ خان صاحب کی رحلت کے ایک سال بعد جامعہ نصرۃ الاسلام سے ''سہ ماہی نصرۃ الاسلام گلگت'' کے نام سے ایک دینی وعلمی اور اصلاحی وتحقیقی رسالے کا آغاز کیا گیا جو گزشتہ ایک سال سے تسلسل کے ساتھ شائع ہورہا ہے، یہ خصوصی نمبر بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ امید ہے کہ ان کی روح شاد ہوگی۔ ادارہ

جامعہ کے بانی حضرت قاضیؒ کا سانحہ ارتحال

اس رپورٹ میں ''جامعہ کو ایک جانکاہ صدمہ، حضرت قاضیؒ کی وفات'' کے عنوان سے مرقوم ہے کہ ''جامعہ جہاں ترقی کے اعلیٰ منازل کی طرف بڑی تیزی کے ساتھ گامزن ہوا، وہاں اسے ایک عظیم صدمہ درپیش ہوا۔ جامعہ کے بانی اور شمالی علاقہ جات (گلگت بلتستان) کے تنظیم اہل سنت والجماعت کے دینی وروحانی پیشوا حضرت قاضیؒ نے ۲۳ جوالائی ۱۹۸۶ء کو دل کا دورہ پڑنے سے داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

مرحوم ایک جید عالم دین اور ماہرِ علوم وفنون ہونے کے ساتھ بے باک اور نڈر خطیب اور شمالی علاقہ جات (گلگت بلتستان) کے اہل سنت والجماعت کے متفقہ دینی، روحانی اور ملی پیشوا تھے، انہوں نے اپنی زندگی کو خدمت دین، ناموسِ صحابہؓ کے تحفظ اور اہل سنت والجماعت کی بہتری کے لیے وقف کردی تھی۔

اس جدوجہد میں ان کے راستے میں بڑی مشکلات پیش آئیں، تحریص وتخویف کے ذریعے حضرت مرحوم کو زیر کرنے کی بڑی کوششیں کی گئیں۔ نظر بندی اور گرفتاریوں کے مراحل سے گذارا گیا۔ مگر اُس مردِ حق اور درویش قلندر صفت نے تمام مشکلات ومصائب کا خندہ پیشانی سے مردانہ وار مقابلہ کیا۔ اور تادمِ حیات صداء حق بلند کرتے رہے۔

حضرت قاضی مرحوم کی وفات سے جہاں جامعہ ہذا کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا، وہاں تمام اہل سنت والجماعت اپنے ایک بے لوث دینی وروحانی پیشو سے محروم ہوگئی۔'' (رپورٹ: جامعہ اسلامیہ گلگت اور شمالی علاقہ جات کا تعارف وتبصرۃ: پیش کردہ: مولانا نذیراللہ خان صاحبؒ ص ۲۰، سن اشاعت، ۱۹۸۶ء)

مولانا نذیراللہ خانؒ کی مختلف اوقات میں مرتب کردہ مختلف رپورٹوں سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ انہیں قاضی عبدالرزاق مرحوم سے گہری عقیدت اور محبت تھی۔ وہ انہیں اپنے محسن اعظم سمجھتے تھے۔ دوران انٹرویو بھی وہ قاضی مرحوم کا ذکر بڑے مؤدبانہ انداز میں کررہے تھے۔ قاضی مرحوم، منصورالزمان صدیقی اور مولانا گل شیر خان مرحوم کا تذکرہ بڑے خوبصورت انداز میں بار بار کررہے تھے۔ مولانا نذیراللہ مرحوم کی طرح مولانا حبیب اللہ (فاضل دیوبند) بھی اپنے استاد محترم حضرت قاضی مرحوم کا ذکر بہت ہی محتاط انداز میں کرتے ہیں۔ مولانا حبیب اللہ صاحب قاضی مرحوم کو ایک رجل کامل اور گلگت بلتستان کا محسن عظیم سمجھتے ہیں۔

جامعہ نصرۃ الاسلام کے اہداف مشروع

مولانا مرحوم نے جامعہ نصرۃ الاسلام کے ''اھداف المشروع'' عربی زبان میں مرتب کیے۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

۱. تدريس العلوم الاسلامية من مصادرها الأصلية " كتاب الله وسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم"

۲. نشر العقيدة الاسلامية السمحة وفق منهج السلف الصالحين.

۳. تطهير عقائدالناس من الشرك والبدع والخرافات.

۴. اعداد الجيل الاسلامى المتعلم الواعى و المربى تربية اسلامية صحيحة يفهم روح عصره ويدرك ماله و ماعليه من الحقوق والواجبات تجاه ربه و دينه وأمته الاسلامية وفق المنهج العلمى والتربوى والاخلاق الماخوذ من القرآن والسنة النبوية وما كان عليه سلفنا الصالح.

۵. المساهمة فى القضاء على نسبه الجهل والامة المتفشية بين شعب المناطق الشمالية ورفع المستوى التعليمى والثقافى لديهم و مواجهة المؤسسات الصليبية و نشاطات الشيعة و مقاومة حملاتهم التبشيرية

۶. نشر اللغة العربية و تعليمها و الحث عليها

۷. الاهتمام الشديد بارشاد عامة الناس و خاصتهم فى امور الدين و بث التوعية الاسلامية بينهم باصدار الفتاوىٰ الشرعية فى المسائل المتعلقة بأمور حياتهم اليومية.

٨. العمل لتوعية النساء ربات البيت بفتح المدارس الخاصة للبنات تكون تابعة للجامعة.
٩. بيان فضائل الصحابة رضى الله عنهم و خاصة امهات المؤمنين رضوان الله عليهن.
١٠. تخريج نشئى الاسلامى الصحيح من " البنين و البنات" ليكونوا نواة للخلافة الاسلامية المرتقبة فى باكستان.

جامعہ نصرۃ الاسلام میں ایک مثالی لائبریری کا قیام

مولانا نذیر اللہ مرحوم جامعہ نصرۃ الاسلام میں ایک بڑی اور مثالی لائبیریری قائم کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اس کے لیے پلان بھی تیار کیا تھا۔ ایک رپورٹ میں وہ تحریر کرتے ہیں۔ ''جامعہ کی ایک اہم ترین ضرورت ایک ایسی مثالی لائبیر یری کی تعمیر ہے جو اہلیان گلگت اور تعلیم یافتہ حضرات کی علمی پیاس بجھانے کا مرکز ہو۔ لائبیر یری کے لیے وافر مقدار میں کتابوں کا ذخیرہ موجود ہے، جس میں صدیقی ٹرسٹ کراچی کی طرف سے عطیہ کردہ کتب کے علاوہ ٹرسٹ کے چیئرمین جناب محمد منصور الزمان صاحب کی ذاتی لائبیر یری کا نایاب اور علمی خزانہ بھی شامل ہے۔ جسے جناب موصوف نے اہلیانِ گلگت کے لیے جامعہ کو منتقل کر دیا ہے، لائبیر یری کا نقشہ تیار ہے۔ صرف سرمایہ کا فقدان ہے جونہی وسائل میسر ہوں فوراً کام شروع کیا جائے گا''۔ (جائزہ، خدمات وحسابات، مرتب کردہ: مولانا نذیر اللہ خان، ص ۱۲، سن اشاعت، ۱۹۸۹ تا ۹۰ء)

پتھر پر اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم

جب لائبریری کی بات چلی تو ضمناً یہ بھی بتا تا چلوں کہ جامعہ نصرۃ الاسلام کی لائبریری میں ایک خوبصورت پتھر ہے۔ جس پر واضح طور پر ''محمد'' لکھا ہوا ہے۔ اس پتھر کا وزن تقریباً ۶ من ہوگا۔ دراصل یہ پتھر ضلع دیامر کے معروف علاقہ گوہر آباد گیس کے پل کے سامنے سے دریافت کیا گیا ہے۔ 1976ء کو جناب محمد عالم صاحب (ممبر چیف کورٹ) نے گیس پل کے بالمقابل کے۔ کے۔ ایچ میں دیکھا ہے۔ K.K.H کی تعمیر کے وقت بلاسٹنگ کے بعد یہ مقدس پتھر روڈ میں پڑا ہوا تھا۔ محمد عالم صاحب نے کچھ جوانوں کی مدد سے اس پتھر کو ایک اونچی جگہ میں احترام سے رکھوا دیا۔ بعد میں کسی نے نیچے گرا دیا تو دوبارہ بڑی مشکل سے اوپر روڈ پر لا کر احترام سے رکھوا دیا۔ ان کے بقول وقتاً فوقتاً وہ اس پتھر کو دیکھتے رہتے۔ تب تک اس کی شہرت ہو چکی تھی۔ وہاں سے حجرِ مقدس کو چلاس کے مشہور بسم اللہ ہوٹل (المعروف لالو ہوٹل) کے مالک الحاج داد علی المعروف لالو چاچا اپنی جیپ میں ڈال کر گونر فارم اپنے گھر لے آئے۔ بقول الحاج داد علی صاحب کے ''چلاس کے مولانا عبدالباقی جو اس وقت صوبہ سرحد کے وزیر تھے۔ ان کے پاس آئے اور کہا کہ وہ اس پتھر کو صوبہ سرحد کے گورنر جناب فضل الحق صاحب کو تحفہ دینا چاہتے ہیں۔ تو میں نے کہا کہ اپنے والد صاحب سے مشاورت کرونگا۔ ان کے والد صاحب ان دنوں دعوت تبلیغ میں ملک کے مختلف علاقوں میں وقت لگا چکے تھے نے کہا کہ اگر یہ اس طرف گیا تو وہاں شرک و بدعت عام ہے، لوگ اس کی پوجا پاٹ شروع کریں گے جس سے فائدے کے بجائے نقصان ہوگا۔ تو میں نے مولانا عبدالباقی صاحب سے معذرت کی۔ بعد میں گلگت کی جامع مسجد کے خطیب مولانا قاضی عبدالرزاق صاحب نے بھی پیغام کہلوا بھیجا کہ وہ مقدس پتھر مجھ تک پہنچا ئیں۔ ڈی سی شریف صاحب اور جج غزنوی صاحب ان دنوں چلاس میں ڈیوٹی کر رہے تھے، دونوں قاضی صاحب کے داماد تھے کو میرے پاس بھیجا، مگر میں نے والد صاحب سے مشاورت کا کہہ کر ٹال دیا۔ پھر ایک دفعہ غالباً 1981ء کو حضرت قاضی صاحب خود ہمارے گھر میں تشریف لائے۔ اس وقت میں گھر پر موجود نہیں تھا۔ قاضی صاحب کے ساتھ اور علماء کرام بھی تھے۔ انہوں نے میرے گھر والوں کو سلام کیا اور کہا کہ ہم آپ کے مہمان ہیں۔ گلگت سے آئے ہیں۔ تو گھر والوں نے

مہمان خانے میں بیٹھا کر ان معزز مہمانوں کو کھانا کھلایا اور خوب خاطر مدارت کی۔ آخر میں قاضی صاحب نے فرمایا کہ میرے آنے کا اصل مقصد اس مقدس پتھر کو لے جانا ہے۔ تب میری شریک حیات نے حضرت قاضی مرحوم کو یہ پتھر دے دیا۔ یوں قاضی صاحب رحمہ اللہ ٹریکٹر بک کروا کے اس قیمتی اور متبرک پتھر کو گلگت لے گئے۔ بعد میں میں نے گلگت جا کر حضرت قاضی مرحوم سے گزارش کی کہ وہ اس پتھر کو اپنی نگرانی میں ہی کسی متبرک و صاف جگہ پر رکھوا دیں۔ انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا اور مسلمانوں کے مرکزی عید گاہ کے محراب میں احترام سے رکھوا دیا''۔

ایک دفعہ کشمیر سے جناب سردار محمد عتیق صاحب (صدر مسلم کانفرنس آل جموں و کشمیر و سابق وزیر اعظیم آزاد کشمیر) گلگت تشریف لائے تو حضرت قاضی مرحوم نے اس مبارک پتھر کی زیارت انہیں بھی کرائی۔ انہوں نے کہا کہ یہ تو انتہائی قیمتی شئی ہے۔ آپ اس کو کسی محفوظ جگہ منتقل کر دیں۔ قاضی صاحب نے جامعہ نصرۃ الاسلام کی لائبیریری منتقل کر دیا۔ بقول قاضی نثار احمد کے کہ''حضرت والد گرامی کی چاہت تھی کہ مرکزی جامع مسجد گلگت میں کوئی چبوترہ بنایا جائے اور اس مقدس پتھر کو وہاں رکھ دیا جائے''۔ تاہم ایسا نہ ہو سکا۔ حضرت مولانا نذیر اللہ خان مرحوم نے مدرسے کی ایک جائزہ رپورٹ میں اس کے بارے یوں لکھا ہے کہ''قال اللہ تعالیٰ: وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل، اُخی المشاھد! انظر فی اُحجار جلجت، التی تشھد برسالۃ نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، فیالاَ سف علی من ینکر ھذہ الرسالۃ من البشر''۔

یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ تمام انبیاء و مرسلین ہر قسم کے چھوٹے بڑے گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی نبوت و رسالت و بعثت کا اولین تقاضا ہی یہی ہے کہ وہ عملی زندگی اور اپنے خیال وفکر، سوچ واحساس اور ارادے میں ہر قسم کے صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے پاک وصاف اور طاہر ہوں اور ہر قسم کی عصیان سے معصوم ہوں، اس لیے کہ بندگان خدا کو خدا وحدہ لاشریک کے پیغام پہنچانے میں کوئی کمی بیشی نہ کریں اور نیابت اللہ کے فرائض و ذمہ داریوں کو درست معنوں میں بلا افراط وتفریط ادا کر سکیں۔ اس پر امت کا اجماع ہے اور یہ ایک طے شدہ معاملہ اور متفق علیہ عقیدہ و نظریہ ہے۔ کاش مغرب اور مغرب کا ہزیانی میڈیا کو یہ تلخ حقیقت سمجھ آجائے۔ مغرب اس بات پر تلا ہوا ہے کہ انسانیت کا محسن اور پیغمبر اسلام ﷺ کی ناموس و عصمت پر کسی نہ کسی انداز میں وار کیا جائے۔ محسن کائنات اور مسلمانوں کی دل آزاری ان کا وطیرہ بن چکا ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کے خبث باطن کو یوں بیان فرمایا ہے۔''قد بدت البغضاء من افواھھم وما تخفی صدورھم اکبر''۔ کہ''بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو چکا ہے اور جو کچھ (عداوت و دشمنی) ان کے سینے میں چھپائے ہوئے ہیں وہ کہیں زیادہ ہے''۔ یہ ہے ان کی حقیقت، لہٰذا امت مسلمہ اور مسلم ریاستوں پر اجتماعی فرض ہو چکا ہے کہ وہ اس ناپاک اور غلیظ روش کے سدباب کے لیے مؤثر پلان بنائے اور اس پر عملی جامہ بھی پہنائے۔

جامعہ نصرۃ الاسلام پر ابتلاء اور مولانا نذیر اللہ خانؒ اور ان کے رفقاء پس دیوار زنداں

میرے استفسار پر مولانا مرحوم گویا ہوئے کہ حقانی صاحب!''یہ تو کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ اہل علم اور منابع علوم (مدارس اسلامیہ) پر آزمائشوں کا آنا ایک فطری بات ہے۔ ابتداء سے آج تک منبع علم جامعہ نصرۃ الاسلام پر بھی مختلف قسم کی ابتلائیں آئی۔ یہ ایک لمبی تفصیل ہے، زندگی رہی تو پھر کبھی آپ کے گوش گزار کریں گے۔ تاہم اتنا ضرور ہے کہ اہل جامعہ نے ہر مشکل اور تکلیف کو خندہ پیشانی سے سہے۔ یہ اپنے اکابر کا دیا ہوا سبق تھا کہ مصائب میں الجھ کر مسکرایا جائے، سو ہم بھی مسکراتے ہوئے آگے چل دیئے''۔ میرے اصرار پر مولانا مختصراً بتانے لگے کہ''ایک دفعہ پہاڑیوں میں چراغاں تھا اور ہم یہاں مدرسے میں ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے تھے، مدرسے کے بالکل اوپر کیا گیا چراغاں پر ہم معترض تھے اور وہ لوگ بضد تھے

کہ ہم ہر حال میں چراغاں کریں گے۔ چلاس کے ایس پی رجی رحمت اور ڈی ایس پی اقبال ڈیوٹی پر متعین تھے' ان لوگوں کو ہمارے بارے رپورٹ تھی۔ ہم نے بارہا انتظامیہ کو سمجھایا مگر کسی کو سمجھ ہی نہیں آئی۔ اچانک ہم پر گولیاں برسائی گئی ہم نے ڈی۔سی گلگت سے ٹیلی فون پر رابطہ کیا اور وجہ پوچھی کہ ہم پر گولیاں کیوں برسائی جارہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میرے سامنے دولاشیں پڑی ہے اور اب ان کا نزلہ آپ پر ہی گرے گا۔ میں نے ایس پی رجی رحمت کو کہا کہ فوراً یہاں میرے پاس آجاؤ۔ حالات بہت خراب تھے' ہمارے کچھ ساتھی زخمی تھے اور کچھ کی طبیعت بہت خراب تھی۔ انہوں نے ہماری مدد کرنے کے بجائے دھوکے سے ہم سب کو گرفتار کیا اور تمام طلبہ کو بھی گرفتار کیا۔ جہانگیر تھانیدار جو آج کل ڈی ایس پی ہے نے مشکل کے ان لمحات میں ہماری بڑی مدد کی۔ خدا ان کو جزائے خیر دے۔ بہرصورت میں نے امن کے لیے بہت کام کیا مگر پھر بھی اندھی انتظامیہ نے ہمیں پس دیوار زنداں دھکیل دیا''۔ اس کی تصدیق مولانا لقمان حکیم صاحب نے بھی کی، بلکہ امسال تبلیغی مرکز کنوداس کی مسجد مین جہانگیر صاحب سے اچانک ملاقات کے دوران مولانا لقمان صاحب نے ان کی گردن پر تھپکی دیتے ہوئے مجھ سے مخاطب ہوئے اور کہا کہ ''حقانی صاحب! آپ مورخ ہیں، یہ بات لکھ لو کہ جامعہ نصرۃ الاسلام' مولانا نذیر اللہ اور مجھ پر ایک بہت مشکل کا وقت آیا تھا۔ تمام انتظامیہ اور پولیس یک طرفہ ٹریفک چلارہی تھی۔ اس وقت اس جہانگیر صاحب نے ہماری جانیں بچائی، ہم پر ان کا بڑا احسان ہے''۔

تاہم مولانا کی مرتب کردہ ایک رپورٹ میں جامعہ پر ایک مشکل وقت کا تذکرہ ملتا ہے' جس میں مولانا کی مختصراً بیان کردہ کہانی کی تفصیل اور تصدیق ہوتی ہے جو موضوع کی مناسبت سے یہاں درج کی جاتی ہے۔ وہاں مرقوم ہے کہ ''جامعہ اسلامیہ کی حیرت انگیز روز افزوں ترقی اور اس کے ذریعے شمال علاقہ جات (گلگت بلتستان) کی اہل سنت آبادی کی دینی ترقی مخالفینِ اسلام کو ایک آنکھ نہ بھائی اور ابتداء ہی سے اس کے خلاف سازشیں کرتے رہے اور سوچے سمجھے منصوبے کے تحت جامعہ کی حدود میں واقع پہاڑیوں پر چراغاں کی بنیاد رکھ دی اور نوجوان ٹولیاں بنا کر جامعہ کی سرزمین پر سے گزرتے ہوئے صحابہ کرامؓ کے خلاف اشتعال انگیز نعرے لگاتے۔

جامعہ کی انتظامیہ، اساتذہ اور طلبہ نے اس طوفان بدتمیزی کو روکنے کے لیے حکومت سے رجوع کیا۔ حکومت نے دونوں فریقوں کو باہمی مفاہمت سے اس نئے تنازع کو حل کرنے کا مشورہ دیا۔ مگر فریقِ مخالف کے رہنماؤں نے نہ تو اہل سنت کے رہنماؤں کی مخلصانہ اپیل اور درخواست کو درخور اعتناء سمجھا اور نہ ہی حکومت کی کوئی بات سننے کو تیار ہوئے۔

یہاں تک کہ ۹/فروری ۱۹۹۰ء کو یومِ ولادتِ حضرت علیؓ کے دن فریقِ مخالف نے جامعہ کی پہاڑیوں پر چراغاں کی غیر اسلامی رسم ادا کرنے اور حسب توفیق طوفانِ بدتمیزی برپا کرنے کا عزم اور اعلان کیا۔

اہل سنت کی تنظیم نے اس صورت حال سے انتظامیہ کو آگاہ کر کے مداخلت کی درخواست کی، انتظامیہ نے اہل سنت کو درخواست کے علی الرغم ایک محدود حصے کے علاوہ دوسرے حصوں میں چراغاں کی اجازت دے دی۔ اہل سنت والجماعت کی قیادت کی اجازت کے بغیر چند وکلاء صاحبان کے اپنے طور پر کئے ہوئے ایک معاہدہ کو بنیاد بنایا۔

اہل سنت کی قیادت اگرچہ اس یک طرفہ کاروائی پر مطمئن نہیں تھی، مگر حالات کی نزاکت اور تصادم کے خطرے سے بچنے کے لیے حکومت کے فیصلے کا احترام کرتے ہوئے اس مرتبہ کی حد تک اُسے تسلیم کرلیا۔ چنانچہ اہل سنت کے لوگ منتشر ہو کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ پولیس فورس اور ایف۔سی نے پورے جامعہ کو کنٹرول کرلیا۔ جامعہ کے طلباء کو جامعہ کے اندر

بند کر کے باہر باہر پولیس اور ایف سی کا کڑا پہرہ لگا دیا گیا۔

جامعہ کی انتظامیہ کو دفترِ جامعہ کے اندر بٹھا کر باہر ڈی۔ ایس۔ پی اور ایف۔ سی کمانڈر کی قیادت میں پولیس اور ایف۔ سی کی بھاری تعداد میں نفری تعینات ہوئی۔ نمازِ مغرب کے بعد پورے گلگت کی پہاڑیوں پر چراغاں کیا گیا اور ساتھ ہی فائرنگ ہوئی کہ گلگت شہر میدانِ کارزار محسوس ہونے لگا۔ رفتہ رفتہ گولیوں کا رخ جامعہ کی طرف پھیرا گیا۔ یہاں تک کہ گولیاں جامعہ کی دیواروں سے ٹکرانے لگیں اور ڈیوٹی پر موجود پولیس نفری اور افسران جامعہ کی دیواروں کی اوٹ میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔

جامعہ کے مہتمم نے ڈی۔ ایس۔ پی سے اس حرکت کو روکنے کی استدعا کی۔ انہوں نے ڈی۔ سی گلگت کے ساتھ رابطہ کر کے اس فائرنگ کے خلاف پرچہ درج کرنے کو کہا۔ ڈی۔ سی سے رابطہ کرنے پر انہوں نے انتہائی رعونت سے اپنے سامنے دو لاشوں کی موجودگی کی خبر سنائی اور ٹیلی فون کا ریسور چھوڑ دیا۔ کچھ لمحے بعد انہوں نے ڈی۔ ایس۔ پی کے ساتھ فون پر گفتگو کی جس کے بعد ڈی۔ ایس۔ پی نے کمرے میں موجود مہتمم جامعہ مولانا نذیر اللہ خان اور جامعہ کے ناظم تعلیمات و مدرس اور تنظیم اہل سنت والجماعت کے امیر مولوی لقمان حکیم صاحب کو یہ بتا کر اپنے گاڑی میں بیٹھنے کو کہا کہ ایڈمنسٹریٹر صاحب نے فوری ملاقات کے لیے آپ کو بلایا ہے۔

کچھ نوعمر لڑکے جامعہ پر فائرنگ کی خبر سن کر جامعہ کے اساتذہ اور طلباء کی خیر خیرت پوچھنے وہاں پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے جامعہ مسجد چوک تک گاڑی میں جانے کی استدعا کی جس پر ڈی۔ ایس۔ پی موصوف نے بکمال ہمدردی گاڑی میں بیٹھنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔

گاڑی پل (پرانا لکڑی والا پل) کے دھانے پر پہنچتے ہی پولیس چوکی کے گیٹ کے اندر داخل ہوئی اور یوں ایڈمنسٹریٹر کی ملاقات کے لیے یہ مدعو علماء اور بے خبر نوعمر لڑکے حوالات کی کوٹھری کے اندر دھکیل دیئے گئے۔

دوسری مرتبہ ڈی۔ ایس۔ پی موصوف جامعہ جا کر خود اپنے محبوس کردہ طلباء اور مہمانوں کو کھانا کھاتے ہوئے گرفتار کر کے اور چندہ راہ چلتے صاحبِ ریش افراد کو پکڑ کر اپنی ملازمت کے بچاؤ کے لیے مطلوبہ تعداد پوری کر کے انتظامیہ کے ہاں اپنی خفت و نااہلی چھپانے اور وقتی طور پر انتظامیہ کی آنکھوں میں دھول جھونکنے میں کامیاب ہوئے۔

آدھی رات کو ۱۲ افراد پر مشتمل اس قافلہء بے گناہاں کو دو گاڑیوں میں ٹھونس کر نامعلوم مقام کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ شہر کے حدود چھوڑنے پر اندازہ ہوا کہ ہمارا سفر مغرب کی طرف پونیال کی جانب ہے۔ دورانِ سفر جامعہ کے مہتمم اور ان کے رفقاء یہ سوچتے رہے، لاشیں، ایڈمنسٹریٹر کی ملاقات، کال کوٹھری اور پھر یہ سفر آخر کیا معمہ ہے؟ پونیال کے صدر مقام سنگل پہنچ کر ہمیں حوالات کے دو کمروں میں بند کر دیا گیا۔ نہ کپڑے نہ بستر، نہ سردی سے بچاؤ کا کوئی انتظام۔ رات بہر صورت کٹنی تھی کٹ گئی۔ دو دن بعد صورت حال سے آگاہی ہوئی، پولیس کی نگرانی میں چراغاں کر کے واپس آنے والوں کی سوزکی فائرنگ کی زد میں آنے سے دو افراد ہلاک اور تین زخمی ہوئے تھے۔ پولیس نے فائرنگ کرنے والے افراد کی گرفتاری میں ناکام ہو کر اپنی سروس بچانے کے لیے خود اپنی نگرانی میں موجود افراد اور چندراہ گیروں کو گرفتار کر کے اپنی ناکامی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ اور ایک دن بعد گرفتار شدگان کی مطلوبہ تعداد کے مطابق ان کے ناموں اور رہائشی علاقوں کی نشاندہی کر کے ایف ائی آر کٹوائی ہے۔

بہر حال سنگل میں دس دن تک حوالات میں رکھنے کے بعد پولیس پارٹی نے ان بے گناہ افراد کو گلگت واپس لا کر جیل میں ڈال دیا۔ مقدمہ عدالت میں پیش ہوا۔ عدالتی کاروائی چلتی رہی۔ پیشیوں پر پیشیاں ہوتی رہیں۔ آخر کار دودھ کا

دودھ پانی کا پانی الگ ہوا۔ بے گناہ ملزمان نے اپنی صفائی میں کوئی شہادت پیش کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ وکلاء نے عدالت کے سامنے پولیس کے مکروفریب کو آشکارا کیا۔

اور اس طرح یہ بے گناہ افراد پانچ اگست کو چھ مہینے ناکردہ گناہ کی پاداش میں جیل کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد باعزت طور پر رہا ہوئے۔ اور یوں دجل وفریب اور جعل سازی کا ایک گھناؤنا منصوبہ جعل سازوں کا منہ چڑاتا ہوا اپنے اختتام کو پہنچا۔ الحمدللہ علی ذلک"۔ (جائزہ، خدمات وحسابات، مرتب کردہ: مولانا نذیراللہ خان، ص ۷ تا ۱۰، سن اشاعت، ۱۹۸۹تا۹۰ء)

جامعہ نصرۃ الاسلام اور مولانا نذیراللہ خانؒ، اکابر علماء کرام کی نظر میں

۱۔ الشیخ عبداللہ عمر نصیف: جنرل سیکریٹری، رابطہ عالم اسلامی، مکہ مکرمہ

الحمدلله سبحانه و تعالیٰ الذی قیض لی زیارة جامعة دار العلوم نصرة الاسلام فی مدینة جلجت. وقدرأیت بحمدالله مایسر، لأن الاهتمام بتربیة ابناء المسلمین فی هذه المنطقة من اهم الواجبات، واشکر للقائمین علی هذا المعهد جهدهم المشکور وأسال الله أن یجزیهم خیر الجزاء وأن یوفقهم الی ما یحبه و یرضاه و أن یجعل ابناء المعهد و خریجیه دعاة عاملین والله الموفق.

عبدالله عمر نصیف: الامین العام رابطة العالم الاسلامی مکة المکرمه۱۹/۱۰/۱۹۸۷

☆☆☆☆

۲۔ الشیخ المولانا سحبان محمودؒ: شیخ الحدیث وناظمِ تعلیمات جامعہ دارالعلوم کراچی

الحمد لله والصلاة والسلام علی رسول الله بعد: فنصدق بأننا زرنا جامعة نصرة الاسلام الواقعة فی مدینة جلجت، وفی هذه الجامعة التی تدرس الی المرحلة العالیة وفیها قسم تحفیظ القرآن الکریم، وهکذا یسکن فیها الطلاب الذین هم من المناطق البعیدة.

وفی الظروف القاسیة لأهل السنة والجماعة بجلجت تخدم الجامعة ولعلماء القائمین بها خدمة الدین والمسلمین خدمة عظیمة علما، بأن الجامعة حصلت علی قطعة أراض ۴۰۰ کنال ولم یبن فیها أیة بناء الی لآن، فلذا فان الجامعة تنتظر من یقوم من المسلمین بمساعدتها.

سحبان محمود، شیخ الحدیث و ناظم التعلیم، بجامعة دارالعلوم کراتشی

☆☆☆

۳۔ الشیخ صالح بن عبدالرحمان بن عبدالعزیز الحصین

الحمدلله والصلاة والسلام علی سیدنا محمد وآله و صحبه فی الیوم الثالث من شهر جمادی الأخر عام واحد و عشرون و أربعمائة وألف من الهجرة، کان لی الشرف أن زرت الجامعة الاسلامیة نصرة الاسلام بجلجت باکستان، واستمعت علی شرح المسئولین فیها عن نشاطها و انجازاتها. ومانفع الله به من العدد الکبیر من الخریجین فی هذه المنطقة الکبیرة التی یقل فیها مثلها. فحمدت الله علی ماسمعت، وان هذه المؤسسة العلمیة وهی علی ثغر من ثغور الاسلام لتستحق علی کل مسلم قادر علی إعانتها علی البر والتقویٰ ودعمها بکل طریق معین لبلوغ هدفها لذا العلماء العالمین رزقنی الله وإیاکم الاخلاص والثبات علی الحق. کتبه المحتاج الی المغفرة والرحمة صالح بن بن عبدالرحمان

بن عبدالعزیز الحصین مصلیا علی نبیه وخلیله وصفوته فی خلقه محمد وآله صحبه.

صالح بن عبدالرحمان بند عبدالعزیز الحصین

☆☆☆

۴۔الشیخ ابراہیم خلیل الفضلی :مدیر قسم العلاقات عامۃ لجمیعۃ اہل الحدیث بلتستان

الحمدلله وحده لاشریک له، والصلاة والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وآله وصحبه اجمعین ومن تبعهم باحسان الی یوم الدین ، أما بعد:

فقد وفقنی الله سبحانه و تعالیٰ بزیاره الجامعة الاسلامیة. نصرة الاسلام۔ بمدینة جلجت برفقة الأخ الشیخ محمدشریف بلغاری و ذلک صباح یوم الاثنین فی 23-11-1993م، ولقد سررنا جدا وأثلج صدورنا بما رأئینا وشاهدنا من النشاطات المقرة فی حلقی الدعوة و التدریس و مقاومتها الجیدة ضدالأفکار الهدامة و التیارات الألحادیة، والقائمون علی الجامعة یبذلون قصاری جهودهم فی رفع رأیة التوحیدونشاة جیل مسلم فی تلک المنطقة النائبة المتخلفة مادیاو معنویا و حضاریا' و رغم الظروف القاسیة و قلة الامکانیات المادیة والمعنویة وهم بحاجة ماسة الی معونات و مساعدات مالیة لانجاز اهدافهم النبیلة الاسلامیة من انشاء المدارس و المساجد و توسع مبنی الجامعة الغیر الکافی للطلبة فهم ممن من یستحق غایة عنایات المحسنین فجزاه الله خیراً من یساعدهم فی مشاریعهم الاسلامیة الخیریة، وصلی الله علی نبینا محمد و علی آله و صحبه أجمعین.

ابراهیم خلیل الفضلی: مدیر قسم العلاقات عامة لجمعیة أهل الحدیث بلتستان

☆☆☆

۵۔ الشیخ المفتی محمد رفیع العثمانی: مفتی اعظم پاکستان وصدر جامعہ دارالعلوم کراچی

بسم الله الرحمان الرحیم

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم!

شمالی علاقہ جات (گلگت بلتستان) کی عظیم ترین درسگاہ ''جامعہ اسلامیہ نصرۃ الاسلام'' میں ناچیز کو اپنے رفقاء کے ساتھ دیکھنے اور یہاں خاصا وقت مختلف تین ایام میں گذارنے کی سعادت نصیب ہوئی۔اور ۱۳/ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ کو طلبہ اور اساتذہ کرام سے خطاب کا موقع ملا۔

ماشاءاللہ! یہ ادارہ شمالی علاقہ جات کے مسلمانوں کے لیے عظیم نعمت ہے۔ماشاءاللہ! اس ادارے کے پاس چار سو کنال زمین ہے، جس میں کچھ عمارتیں اب تک بنائی جاسکی ہیں' باقی زمین خالی پڑی ہے' جس میں اہل خیر مسلمانوں کے تعاون سے نہایت ضروری عمارت بنائی جاسکتی ہے۔جغرافیائی محل ووقوع ایسا ہے کہ کاموں میں مشکلات ہیں۔اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ تمام مشکلات کو آسانیوں میں تبدیل فرمادیں۔

اکثر عمارتوں کی چھت ٹین کی چادروں سے بنائی پڑی ہیں جو یہاں کی شدید گرمی اور لو میں (جس کا مشاہدہ ہم نے کیا، رفیع) تپ جاتی ہیں۔اللہ تعالیٰ اس ادارے کے تمام کاموں میں آسانیاں، برکتیں اور کامیابیاں عطاء فرمائے۔آمین

گلگت سے تقریباً ڈھائی گھنٹے کی مسافت اور چڑھائی پر ایک خوبصورت اور حسین وجمیل پہاڑی مقام ''نل تر'' ہے۔جس

کی ساری آبادی غریب سنی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ اس غریب آبادی میں کراچی کے بعض اہل خیر پرانے گرم کپڑے ''جامعہ اسلامیہ'' مذکورہ کے ذریعے تقسیم کراتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان مفید خدمات کو شرف قبول سے نوازے۔ واللہ المستعان

دستخط: ۱۔ محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ، (مفتی اعظم پاکستان وصدر دار العلوم کراچی) ۱۵/ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ بمطابق ۲۱/ جولائی ۱۹۹۷ء ۲۔ محمد زبیر اشرف عثمانی، جامعہ دار العلوم کراچی (استاد الحدیث دار العلوم کراچی)

☆☆☆

۶۔ الشیخ المفتی نظام الدین الشامزئی الشہیدؒ: شیخ الحدیث جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب، استاد حدیث جامعۃ العلوم السلامیۃ بنوری ٹاؤن ونگران اعلیٰ تخصص فی الفقہ ورئیس دار الافتاء جامعہ، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب سابق ناظم اعلیٰ جامعہ فاروقیہ کراچی، حال ناظم تعلیمات جامعہ عربیہ میر پور آزاد کشمیر (بانی ومہتمم جامعہ امام ابوحنیفہ، المعروف مکہ مسجد کراچی) مولانا محمد کفایت اللہ سابق ناظم جامعہ بنوری ٹاؤن، مولانا عنایت اللہ سابق ناظم جامعہ فاروقیہ کراچی، محمد وسیم غزالی منتظم اقراء ڈائجسٹ کراچی، کی معیت میں الحمد للہ! آج بتاریخ ۲ ستمبر ۱۹۹۰ء بروز اتوار صبح نو بجے حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔ مدرسہ (جامعہ نصرۃ الاسلام) کا تعارف تو کراچی میں ہی تھا اور گزشتہ دنوں فرقہ ضالہ کے ساتھ دو بدو مقابلے کی وجہ سے ملک بھر میں اس مدرسہ کا بہت چرچا تھا اس لیے اس کے دیدار کی بہت ہی زیادہ خواہش تھی۔ الحمد للہ! جو ایک اتفاقی سفر کی بنا پر پوری ہوئی۔ مدرسہ کے جو حالات سنے تھے اس سے بڑھ کر پایا۔ یہ جان کر بہت زیادہ خوشی ہوئی کہ مدرسہ کے موجودہ مہتمم حضرت مولانا نذیر اللہ صاحب حضرت شیخ محدث العصر مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ، نور اللہ مرقدہ کے ان پہلے دس طلبہ میں شامل ہیں جو بنوری ٹاؤن کے قیام کے وقت زیر تعلیم تھے۔ مدرسے کی ظاہری حالت اور تعلیمی کیفیت دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اس پسماندہ اور دور دراز علاقے میں اتنے اچھے انداز میں کام کرنا منتظمین کے خلوص ومحنت کی علامت ہے۔ مدرسے کا مشاہدہ کے بعد دل سے دعائیں نکلی۔ اللہ تعالیٰ مدرسہ کو ظاہری وباطنی ترقیات سے نوازے۔ اس مدرسے کی امداد کرنا، اور اس میں حصہ لینا عظیم اور بہترین صدقہ جاریہ اور علاقے کی ایک دینی خدمت ہے۔ اہلِ سنتِ مخالفین کے اس گڑھ میں اہل سنت کے لیے یہ مدرسہ ایک قلعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اس لیے ہر مسلمان کا فریضہ ہے کہ اس مدرسے کی ہر قسم کی امدراد وتعاون کریں۔ تاکہ اس علاقے میں اہل باطل کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا قلع قمع ہو۔ اللہ تعالیٰ اس مدرسے کی غیب سے امداد فرمائیں اور اہل خیر کے قلوب کو اسکی طوف متوجہ فرمائیں۔

والسلام، الکاتب: مفتی محمد جمیل خان صاحب شہیدؒ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی، مدیر اقراء ڈائجسٹ کراچی

دستخط رفقاء مفتی صاحب:

۱۔ نظام الدین شامزئی: رئیس دار الافتاء، نگران تخصص فی الفقہ، استاد الحدیث جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی، نائب مدیر اقراء روضۃ الاطفال کراچی پاکستان

۳۔ الشیخ المولانا محمد یوسف: مہتمم جامعہ امام ابوحنیفہ، مکہ مسجد کراچی ومدیر التعلیم جامعہ عربیہ اسلامیہ میر پور کشمیر وسابق استاد الحدیث وناظم اعلیٰ اول جامعہ فاروقیہ کراچی

۳۔ الشیخ المولانا عنایت اللہ: سابق ناظم جامعہ فاروقیہ کراچی

۴۔ الشیخ المولانا محمد کفایت اللہ: سابق ناظم جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

۵۔ الشیخ محمد وسیم غزالی: مدیر منتظم، میگزین اقراء، کراچی

☆☆☆

۷۔ مولانا قاضی عبداللطیف صاحب: ناظم مدرسہ عربیہ نجم المدارس کلاچوی، ڈیرہ اسماعیل خان، ممبر سینٹ پاکستان

بسم الله الرحمان الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم! آج مورخہ ۳ نومبر ۱۹۸۷ء کو الجامعۃ الاسلامیہ نصرۃ الاسلام گلگت میں حاضری کا موقع ملا۔ جناب مولانا قاضی گل شیر خان صاحب کے زیر اہتمام خدمت دین میں مصروف ہے۔ جامعہ حضرت مولانا قاضی عبدالرزاق صاحب مرحوم کی باقیات الصالحات میں سے ہے۔ درجہ حفظ اور ابتدائی کتب ماہر اساتذہ کی نگرانی میں تعلیم دی جارہی ہے۔ قاضی مرحوم کی مساعی سے جامعہ کے لیے تقریباً چارصد کنال زمین حاصل کی گئی ہے۔ تعمیرات اچھے پیمانے پر شروع ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ اس ادارے کے زیر اہتمام علاقہ بھر میں تقریباً بائیس (۲۲) تعلیمی ادارے دین کی خدمت میں مصروف ہیں۔ جامعہ کا مستقبل شاندار معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے دین متین کی زیادہ سے زیادہ خدمت کی توفیق سے نوازے، آمین

قاضی عبداللطیف، ناظم مدرسہ عربیہ نجم المدارس کلاچی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان، ممبر سینٹ پاکستان

☆☆☆

۸۔ الشیخ مولانا فضل محمد صاحب: استاد الحدیث، جامعہ علوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

بسم اللہ الرحمان الرحیم

الحمد للہ! آج بروز جمعرات ۲۸ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ کو گلگت کے مشہور دینی اور علمی درسگاہ میں حاضری کا موقع ملا، نصرۃ الاسلام میں اللہ کے فضل وکرم سے درس نظامی کا مؤثر انداز سے کام ہورہا ہے۔ حضرت مولانا نذیر اللہ صاحب دامت برکاتہم کے زیر اہتمام مخلص اساتذہ کا مؤثر نظم کے تحت شاندار عمارت میں دین کا کام ہورہا ہے۔ ایک وسیع زمین مزید ترقیاتی شعبہ کے قیام کے لیے منتظر ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں سے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچائے۔ اور جامعہ کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

فضل محمد یوسف زئی، استاد الحدیث جامعہ علوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

۲۸ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ مطابق ۴ مئی ۲۰۰۰ء

☆☆☆

۹۔ الدکتور المولانا عادل خان والشیخ المولانا عبید اللہ خالد: ناظم اعلیٰ واستاد الحدیث، جامعہ فاروقیہ کراچی

بسم اللہ الرحمان الرحیم

الحمدلله رب العلمین، والصلاة والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین، سید نا محمد وعلی آله و اصحابه اجمعین و بعد!

اللہ رب العزت کا احسان ہے کہ اس نے علماء ربانی کو ہر زمانے میں دین کی خدمت واشاعت کی توفیق عطاء فرمائی اور مدارس عربیہ اسلامیہ کے ذریعے یہ دین قریہ قریہ لوگوں تک پہونچا۔

شمالی علاقہ جات (گلگت بلتستان) کے دور افتادہ شہر گلگت میں موجود جامعہ اسلامیہ نصرۃ الاسلام بھی دین کے انہی قلعوں میں شامل ہے۔ ایک طویل عرصے سے قائم یہ ادارہ نہ صرف نہایت حوصلے سے اپنے وجود کو قائم رکھے ہوئے ہے بلکہ نہایت وقار کے ساتھ دین کے مختلف شعبوں کی ترویج و اشاعت میں مصروف ہے۔

پاکستان کے یہ علاقے چونکہ معاشی اعتبار سے پسماندگی کا شکار ہیں اس لیے بعض بیرونی قوتیں یہاں کے عوام کی اس کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر مختلف رفاہی پروگراموں کے نام سے یہاں پر اپنے افکار و نظریات کے پرچار میں مصروف ہیں۔ ایسے نامساعد حالات میں جامعہ اسلامیہ نصرۃ الاسلام کا پُرعزم انداز میں آگے بڑھتے رہنا اور یہاں کے عوام کی دینی راہنمائی کرتے رہنا بلاشبہ نہایت عمدہ ہے۔ جس کی یقیناً قدر کی جانی چاہیئے۔ ہم دستخط کنندگانِ ذیل نے یہاں پر جس قسم کے حالات دیکھے یا سنے، انکی روشنی میں ہماری رائے یہ ہے کہ جامعہ کے مستقبل کے تمام منصوبے فوری طور پر پورے ہوں تاکہ پورے علاقے میں دینی خدمت کا سلسلہ مضبوط طریقے پر جاری ہو سکے۔

اس کے لیے تمام اہل خیر سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ جامعہ اسلامیہ نصرۃ الاسلام کی نصرت سے کبھی بھی پہلو تہی نہ فرمائیں۔ اللہ رب العزت آپ کو اسی کا بہترین جزا عطاء فرمائیں گے، آمین یارب العالمین

دستخط : ۱۔ عبیداللہ خالد: ۱۷/۱۲/۱۴۱۸ھ ۲۔ محمد عادل، جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی

☆☆☆

۱۰۔ الشیخ مولانا سید غلام نبی شاہ: رئیس جامعہ عربیہ حنفیہ سراج العلوم مانسہرہ، خیبر پختون خواہ

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

آج مورخہ ۱۰ رجب المرجب ۱۴۱۹ھ کو جامعہ اسلامیہ نصرۃ الاسلام گلگت میں حاضری کا موقع نصیب ہوا۔ حضرت مہتمم علامہ مولانا محمد نذیر اللہ خان صاحب دامت برکاتہم اور قاضی نثار احمد صاحب زید مجدہم اور دیگر اساتذہ کرام سے ملاقات ہوئی۔ جامعہ کی تعمیر اور حسن انتظام اور طلبہ کرام کی اخلاقی و دینی تربیت سے بے حد متاثر ہوا۔ اللہ تبارکت وتعالیٰ جلت قدرتہ عز سلطانہ حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا سایہ تادیر قائم و دائم رکھیں اور جامعہ کو دن دگنی رات چگنی ترقی عطاء فرمائیں۔ آمین

الراقم: سید غلام نبی شاہ عفی عنہ، خادم الطلبہ جامعہ عربیہ سراج العلوم مانسہرہ

نزیل گلگت شمالی علاقہ جات (گلگت بلتستان)، ۱۰ رجب المرجب ۱۴۱۰ھ

☆☆☆☆

جامعہ نصرۃ الاسلام اور مولانا نذیر اللہ خانؒ کو اعلیٰ سرکاری آفیسران کی خراج عقیدت

۱۔ میجر جنرل جناب ظہیر الاسلام عباسی: فورس کمانڈر گلگت بلتستان

بسم اللہ الرحمان الرحیم

الحمدللہ رب العلمین! آج اللہ تعالیٰ نے موقع دیا اس عظیم درسگاہ میں آنے کا اور خصوصاً اس کی اچھی لائبیریری کو دیکھنے کا۔ میری دعاء ہے اللہ تعالیٰ اس درسگاہ کو مزید علمی ارتقاء بخشے اور اس سے فارغ التحصیل ہونے والے طلباء اسلام کی اور پاکستان اور شمالی علاقہ جات کی صحیح خدمت کرنے کے قابل ہوں۔ اس سعی میں جو حضرات بشمول انتظامیہ، مصروف کار ہیں اللہ تعالیٰ جزائے خیر اور مزید توفیق بخشے۔ آمین

ظہیر الاسلام عباسی: یکم اگست ۱۹۹۲ء

۲۔ جناب محمود خان صاحب: آئی جی پولیس شمالی علاقہ جات (گلگت بلتستان)

I visited today 26th May 1998 Darul-uloom Gilgit along with senior police officers, to meet the head of the institution Maulana Nazir ullah sahib.It is being run very efficiently under the able leadership of Maulana sahib.In addition to the teaching of Islamic values , regularly produced,classes of matrics are also held, which is commendable. Pray to Allah! For the success of the institution, and may God the Almightly bless all who work for the betterment of this place of knowledge

☆☆☆

۳۔ جناب شیخ غضنفر حسین..........چیف سیکریٹری آف شمالی علاقہ جات (گلگت بلتستان)

23/5/2003

It is really an honour to be here in islamia Darul-uloom Nusratul Islam with Maulana Nazir ullah sahib and the taliban's under learning under his able guardiance.

I am also pleased to know that the Darul-uloom, besides Islamic leading are also making effort to teach science and information technology. A great scores to the area and islam.

All my best wishes for the success of this school of learning.May God help us all in our endear to spread the Islamic faith throughout the world,"Inshahallah".

☆☆☆

۴۔ میجر صفدر علی خان، ایم ایل اے زون گلگت

I am extremely happy to be in the institution run by Ahle-sunnat waljamat.It is being run efficiently.I pray that Allah bless them with all the success.The construction to siddique trust is commendable.

Major Safdar Ali Khan

MLA zone Gilgit

☆☆☆

جناب میجر ریٹائرڈ فضل درانی صاحب، چیف سیکریٹری آف شمالی علاقہ جات (گلگت بلتستان)

آج جامعہ اسلامیہ نصرۃ الاسلام کا معائنہ کیا اور کمپیوٹرز کا افتتاح بھی کیا۔ مدرسے کے منتظمین خراج تحسین کے

لائق ہیں۔ کہ مدرسہ کا انتظام نہایت خوش اسلوبی سے چلا رہے ہیں۔ مولانا نذیر اللہ صاحب جو اس مدرسے کے روحِ رواں ہیں۔ایک فاضل عالم ہیں۔اور علم کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کو حلم کی دولت سے بھی نوازا ہے۔ان کی وسیع النظری اور امن پسندی نہایت ہی قابل ستائش ہے۔ مولانا صاحب ہمیشہ یہاں کے مختلف مذہبی فرقوں میں اخوت اور امن و آشتی کی فضاء قائم کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔C.S: N.A 26-5-2001

☆☆☆

ملک محمد اشرف: آئی۔ جی پولیس، گلگت بلتستان

بسم الرحمان الرحیم

شمالی علاقہ جات (گلگت بلتستان) کی اس عظیم درس گاہ میں آنے پر مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ میری دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ یہاں سے اپنے دین کی خدمت کے لیے ایسے علماء پیدا کرے جس سے یہ نور چہار سو پھیل جائے۔

ملک محمد اشرف، آئی جی پولیس، گلگت بلتستان

☆☆☆

راجہ مظفر حسین خان: اے ائی جی پولیس ہیڈ کواٹر گلگت

آج مجھے جناب خورشید عالم خان صاحب آئی جی پولیس برائے شمالی علاقہ جات (گلگت بلتستان) اور دیگر پولیس آفیسران کے ساتھ دینی مدرسہ جامعہ اسلامیہ نصرۃ الاسلام جانے کا اتفاق ہوا۔ جہاں پر دینی مدرسے کے سرپرست اعلیٰ جناب حاجی مولانا نذیر اللہ صاحب نے ہمیں خوش آمدید کیا۔اور اپنے مدرسے کے بارے میں مفصل روشنی ڈالی۔جس میں انہوں نے مدرسے کے قیام، طلبہ کی تعلیم، ان کے اخراجات وغیرہ سے آگاہ کیا۔ میں مولانا صاحب سے بے حد متاثر ہوا۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعاء گو ہوں کہ جناب حاجی مولانا نذیر اللہ صاحب کو اور بھی ہمت دے کہ وہ مزید جانفشانی محنت اور ایمان داری سے اس مدرسے کی خدمت کر سکے۔اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعاء گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو صحت اور عمر درازی عطاء کرے آمین

والسلام: راجہ مظفر حسین خان: اے ائی جی پولیس ہیڈ کواٹر گلگت 26-03-1998

☆☆☆

پروفیسر افتخار احمد بھٹی: مشیر تعلیم، وزارت پاکستان اسلام آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جامعہ اسلامیہ نصرۃ الاسلام گلگت میں حاضری کی سعادت مولانا سید جلال صاحب کی تحریک پر نصیب ہوئی۔ زیر تعمیر وسیع وعریض عمارت، زیر تعلیم طلبہ، اساتذہ کرام و منتظمین کا حسن فکر و عمل، اس کوہستانی علاقے میں کافی بڑا قطعہ زمین اور شیخ الجامعہ کی عمدہ اور متوازن قیادت، بجا طور پر امید کی جاسکتی ہے کہ یہ ادارہ مستقبل کا ایک عظیم دینی ادارہ ہوگا۔ جہاں سے ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کے لیے علمی، فکری اور عملی میدانوں میں قیادت میسر آسکے۔ انشاء اللہ العزیز!

دعاء ہے کہ یہ ادارہ اپنے پاکیزہ مقاصد میں کامیاب ہو اور کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کی بنا پر اتحاد امت کا ذریعہ

بنے اور زندگی کے تمام شعبوں میں اسلام کی غالب کر سکے۔ آمین

پروفیسر افتخار احمد بھٹی: المستشار المساعد لوزارۃ التعلیم، اسلام آباد (مشیر وزارت تعلیم حکومت پاکستان، اسلام آباد)

۱۶ شوال المکرم ۱۴۰۷ھ

☆☆☆

قاضی نثار احمد کے متعلق مولانا نذیر اللہؒ کے خیالات

کل شمالی علاقہ جات وانڈس کوہستان کی سنی کنونشن کا انعقاد کے عنوان کے ذیل میں مولانا نذیر اللہؒ رقم طراز ہیں "۲۵/ ذیقعدہ بمطابق ۲/ اگست ۱۹۸۶ء کو کنونشن کی تاریخ مقرر ہوئی۔ مقررہ تاریخ میں تمام علاقہ جات دیامر، داریل، تانگیر، چلاس۔ استور اور پورے انڈس کوہستان وشمالی علاقہ جات، ضلع گلگت، پونیال، اشکومن، ہنزہ، گوپس، یاسین اور غذر سے نمائندے تشریف لائے۔ کنونشن کے پہلے اجلاس میں حضرت قاضی صاحب مرحوم کی خدمات دینیہ کا تفصیلی ذکر کرتے ہوئے ہر علاقے کے نمائندوں نے انہیں خراج عقیدت وتحسین پیش کی۔

کنونشن کے دوسرے اجلاس میں ایک متفقہ سب کمیٹی تشکیل دی گئی جو پورے شمالی علاقہ جات وکوہستان کے منتخب سربرآوردہ اور جید علماء کرام پر مشتمل تھی۔ اس کمیٹی نے متفقہ طور پر صاحبزادہ نثار احمد کے جانشینی کی توثیق کی۔ موصوف علوم عصریہ میں گریجویشن کے بعد جامعہ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں علوم اسلامیہ کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ فراغت کے بعد علوم جدیدہ اور علوم اسلامیہ پر یکساں عبور حاصل کرنے کی وجہ سے حضرت قاضی صاحبؒ کے صحیح جانشین اور اہل سنت والجماعت کی بہتر رہنمائی وخدمت کا فریضہ انجام دیں گے۔ صاحبزادہ موصوف کو ذہانت، بالغ نظری، بے باکی اور دلیری جیسے اوصاف حضرت قاضی مرحوم سے وراثت میں ملے ہیں"۔ (رپورٹ: جامعہ اسلامیہ گلگت اور شمالی علاقہ جات کا تعارف وتبصرۃ: پیش کردہ: مولانا نذیر اللہ خان صاحبؒ" ص ۲۱ تا ۲۲ سن اشاعت، ۱۹۸۶ء)۔

اس رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کنونشن میں سینکڑوں جید علماء کرام نے شرکت کی۔ جن علماء کرام کا کنونشن کی منتخبہ سب کمیٹی نے تنظیم اہل سنت والجماعت شمالی علاقہ جات وکوہستان کے عہدہ داران کے طور پر انتخاب' متفقہ طور پر عمل میں لائی۔ ان کے نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ امیر: حضرت مولانا عبدالحنان' ملنگ مولوی صاحب کوہستان۔ ممبر صوبائی اسمبلی صوبہ سرحد (خیبر پختون خواہ)
۲۔ قائم مقام امیر: حضرت مولانا نذیر اللہ خان، مہتمم جامعہ اسلامیہ نصرۃ الاسلام گلگت
۳۔ نائب امیر برائے ضلع کوہستان: حضرت مولانا محمد بوستان، مہتمم جامعہ اسلامیہ پٹن
۴۔ نائب امیر برائے ضلع دیامر: حضرت مولانا شہزادہ خان، تانگیر
۵۔ نائب امیر برائے ضلع گلگت: حضرت مولانا نذیر اللہ خان
۶۔ نائب امیر برائے ضلع گلگت: حضرت مولانا گلشیر خان، نائب مہتمم جامعہ اسلامیہ نصرۃ الاسلام گلگت
۷۔ نائب امیر برائے علاقہ جات غذر: حضرت مولانا محمد نقیب شاہ صاحب، گندے یاسین
۸۔ جنرل سیکریٹری: حضرت مولانا لقمان حکیم صاحب، گلگت
۹۔ جوائنٹ سیکریٹری: جناب شفقت ولی ایڈوکیٹ، گلگت

۱۰۔سیکریٹری نشر و اشاعت: جناب قاری عبدالحکیم، سابق ممبر این اے کونسل، استور
۱۱۔خزانچی: ریٹائرڈ حوالدار حاجی عبدالحکیم، کشروٹ گلگت
۱۲۔خطیب جامع مسجد گلگت: صاحبزادہ نثار احمد خلف الرشید حضرت قاضی صاحب مرحوم
۱۳۔قائم مقام خطیب: حضرت مولانا عنایت اللہ صاحب
۱۴۔قاضی و مفتی: حضرت مولانا گل شیر خان، نائب مہتمم جامعہ اسلامیہ گلگت

کنونشن کا تیسرا اجلاس مرکزی جامع مسجد گلگت میں ہوا۔ کنونشن کی منتخبہ سب کمیٹی نے نامزدگیوں کا اعلان کر دیا اور مندوبین علماء کرام اور دیگر شرکاء اور گلگت کی اہل سنت والجماعت نے ان نامزدگیوں کی توثیق کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نذیر اللہ خانؒ جامعہ نصرۃ الاسلام کے اہتمام و انصرام کے ساتھ تنظیم اہل سنت والجماعت کے امور میں بھی پیش پیش رہے۔(تلخیص از رپورٹ: جامعہ اسلامیہ گلگت اور شمالی علاقہ جات کا تعارف و تبصرۃ: پیش کردہ: مولانا نذیر اللہ خان صاحبؒ" ص۲۲ تا ۲۳، سن اشاعت، ۱۹۸۶ء)۔

جامعہ کی گاڑی کے استعمال کے حوالے سے ہدایات

جامعہ نصرۃ الاسلام کی آڈر کاپی برائے اساتذہ و ملازمین میں مولانا نے ۲۲/ ۷/ ۱۹۹۲ء کو معمول کے مطابق ہدایات جاری کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "مولانا لقمان حکیم صاحب مدرس جامعہ ہذا اور مولانا نثار احمد صاحب مدرس جامعہ ہذا، ہر دو صاحبان کو اطلاع دی جاتی ہے کہ جامعہ کے گاڑی واپسی پر مولانا صاحب کو جیل کے دروازے پر یا ورشی گھوم کے پاس چھوڑ دے گی۔ مولانا نثار احمد صاحب کو آئر پورٹ بلڈنگ کے پاس اتارے گی۔ معاوضہ کے طور پر ہر دو حضرات سے ۱۵۰ روپے ماہوار وظیفہ سے کاٹا جائے گا۔ اس کے علاوہ کسی اور کام کے لیے گاڑی استعمال کرنے کی کوشش نہیں فرمائیں گے اور نہ اجازت ہوگی"۔

ٹی روم میں تضیعِ اوقات پر پابندی

جامعہ نصرۃ الاسلام کی آڈر کاپی برائے اساتذہ و ملازمین میں مولانا نے ۲۲/ ۷/ ۱۹۹۲ء کو معمول کے مطابق ہدایات جاری کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "تمام اساتذہ کرام سے گزارش ہے کہ بعد ظہر چائے نوشی میں زیادہ وقت صرف نہ کریں۔ 2:45 کے بعد ٹی روم میں اساتذہ کے گپ شپ نا قابل معافی جرم تصور ہوگا۔ اور لازماً ہر استاد بعدِ ظہر اپنے اپنے درسگاہ میں رہے گا۔ درجہ کتب کی 4;50 پر چھٹی کر لی جائی گی اور درجہ حفظ کی سوا پانچ بجے۔ 4;50 سے پہلے جانے والا استاد غیر حاضر تصور کیا جائے گا۔ اس پر سختی سے عمل کیا جاویگا۔ اس اطلاع پر ہر استاد دستخط ثبت فرمائیں۔ تا کہ دفتر اہتمام میں ریکارڈ درست رہے"۔ مہتمم سمیت تمام اساتذہ کے دستخط ثبت ہیں۔ آڈر کاپی برائے اساتذہ و ملازمین کو غور سے جانچنے اور پرکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مرحوم کا جامعہ کی انتظامیہ پر مضبوط گرفت تھی۔ ایک ایسے ہی حکم نامے سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے جامعہ میں ہر قسم کے جانور پالنے سے ممنوع قرار دیا تھا۔ اور نصابی کتب کی تدریس کے حوالے سے بھی باقاعدہ تفصیل موجود ہے کہ کس استاد نے کتاب کو کہاں تک پہنچایا ہے اور کس نے کتاب کو ختم کر ڈالا ہے اور کس کس نے ابھی تک شروع ہی نہیں کیا ہے۔ اساتذہ کے اوقات ایاب و ذہاب کا تعین اور مہمانان کی آمد بھی دوران تعلیم سخت ممنوع قرار دی گئی تھی۔ ایک اور تفصیلی حکم نامے سے معلوم ہوتا کہ کس کس استاد کو کیا ذمہ داری دی جا رہی ہے۔ خاص کر طلبہ کی تعلیم و تربیت کا واضح حکم ملتا ہے اور اساتذہ کو اپنی ذمہ داریوں اور فرائض میں کوتاہیوں پر تادیبی کاروائی اور تنبیہ کو ضروری قرار دیا جاتا ہے۔

جامعہ کے اساتذہ پر سیاسی و فرقہ وارانہ سرگرمیوں پر پابندی

جامعہ نصرۃ الاسلام کی آڈر کاپی برائے اساتذہ و ملازمین میں مولانا نے ۹ جون ۱۹۹۸ء کو اطلاع نمبرے کے عنوان سے ایک تفصیلی آرڈر جاری کیا ہے۔ اس آرڈر کے آخر میں جامعہ کے تمام اساتذہ کے توثیقی دستخط ثبت ہیں۔

بسم اللہ الرحمان الرحیم

''تمام اساتذہ کرام کو اطلاع دی جاتی ہے کہ جامعہ کے عظیم مفاد اور افادیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے موجودہ سرکلر جاری کیا جاتا ہے۔ یہ کہ تمام اساتذہ آج کے بعد کسی مذہبی یا سیاسی جماعت کا ممبر نہیں ہونگے اور نہ ہی ان کے جلسوں جلوسوں اور وفدوں میں شریک ہوں گے۔ کیونکہ مشاہدے میں آیا ہے کہ اساتذہ بمشکل کچھ گھنٹے درس و تدریس میں لگا کر باقی اوقات فضول کاموں میں لگاتے ہیں، جس سے جامعہ کی افادیت پر منفی اثرات پڑھتے ہیں۔ حتیٰ کہ جامعہ کے اندر اساتذہ میں گروپ بندی کے خطرات شدت سے سامنے آرہے ہیں۔ جس کی وجہ سے تعلیمی حالت روز بروز غیر تسلی بخش ہوتی جارہی ہے۔

درج ذیل بالا حالات کے پیش نظر تمام اساتذہ سے پرزور اور دردمندانہ اپیل کی جاتی ہے کہ جامعہ کے عظیم مفاد کے حصول کے خاطر تعلیمی اور غیر تعلیمی حالات بہتر سے بہتر بنانے میں اپنی تمام تر صلاحتیں بروئے کار لاتے ہوئے جامعہ کو دوام بخشیں گے اور ایک مثالی جامعہ بنانے میں اپنا کردار ادا کریں گے۔

ماسوائے تنظیم اہل سنت والجماعت کے کسی مذہبی یا سیاسی جماعت میں شرکت سے پرہیز کریں گے۔ تنظیم اہل سنت جس کو میں قوم اور ملت کے مفاد میں سمجھتا ہوں۔ تنظیم میں شرکت یا تنظیم کے اجلاسوں میں شریک ہونا بھی باعث فخر اور باعثِ خیر ہوگا۔

امید کی جاتی ہے کہ تمام اساتذہ کرام اپنے دینی غیرت و حمیت، جذبہ ایمانی اور اسلام کی سربلندی کے خاطر اور پیش آمدہ حالات و واقعات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جامعہ کے موجودہ نقائص کو دور کرنے میں مذکورہ ہدایات پر سختی سے عمل کریں گے۔ بصورت دیگر سخت تادیبی کاروائی کرنے پر مجبور ہونگے۔ نیز اپنے اعتقادات اور مسلک کو بچاتے ہوئے فرقہ واریت سے اپنے آپ کو بچائیں اور عوام کو اس کے زہریلے اثرات سے بچانا بھی ضروری ہے''۔

نوٹ: مولانا عطاء اللہ شہاب، مولانا عطاء الحق اور قاری نثار احمد (مدرسین جامعہ نصرۃ الاسلام) نے اپنا اختلافی نوٹ بھی تحریر کیا جو حسب ذیل ہے۔

''اندرونی مدرسہ ہر قسم کی سرگرمیوں پر پابندی کی مکمل حمایت ہے، البتہ بیرون مدرسہ حصہ نہ لینا مشروط ہے اس بات کے ساتھ کہ مدرسہ کے جملہ متعلقین (ہر خاص و عام) بیرون مدرسہ فرقہ واریت اور ہر قسم کی سیاست سے اجتناب کریں گے''۔

گلگت بلتستان کے مضافات میں مدارس و مساجد کی تعمیر اور غریب عوام کے لیے تعاون

میرے استفسار پر مولانا نے اپنی خدمات بتانا مناسب نہیں سمجھا اور کنی کترا گئے، ہنس کر ٹال دیا۔ مولانا کے حالات جاننے کے لئے جب میں نے ان کی اہلیہ محترمہ سے گزارش کی کہ وہ مجھے مولانا کی ذاتی ڈائری تک رسائی دیں تو میرے ذوق اور جستجو کو دیکھ کر مولانا کی ذاتی ڈائری مجھے دکھائی گئی۔ جہاں وہ خفیہ حساب کتاب لکھ لیا کرتے تھے۔ اوراق کے الٹ پلٹ سے معلوم ہوا کہ مولانا مرحوم کہاں کہاں اور کس کس مد میں لوگوں کا تعاون کیا کرتے تھے۔ کسی مسجد کو ہزاروں بھیج دیا تو کسی مدرسے کو لاکھوں، کہیں کوٹ اور بنیان اور گرم کمبل بھیج رہے ہیں تو کہیں کھجور اور دیگر اشیاء خورونوش۔ جامعہ سے شائع ہونے والی مختلف اوقات کے جائزہ رپورٹوں سے بہت سارے مدارس و مساجد اور دینی مکاتب اور علماء و قراء کے ناموں کا بھی پتہ چلتا ہے کہ

مولانا نذیر اللہ مرحوم کس کس مد میں کس کس کی معاونت کرتے رہے۔سو یہ چند اشارات ہے ورنہ ان کا ہاتھ دینی امور کی اعانت کے حوالے سے بڑا وسیع تھا۔مفتی محمد نذیر صاحب اپنے کالم میں لکھتے ہیں کہ ''مولانا مرحوم نے مشہور ادارہ صدیقی ٹرسٹ کے احباب کو دعوت دیکر گلگت بلایا۔جنھوں نے گلگت بلتستان کے مختلف اضلاع، تحصیلوں اور علاقوں میں ناظرہ قرآن کریم' اور ابتدائی دینی تعلیم کے مکاتب کھولے۔مولانا جمیعت تعلیم القرآن ٹرسٹ گلگت بلتستان کے پہلے صدر بھی رہے۔نیز گلگت بلتستان کے دور دراز کے علاقوں میں مساجد و مدارس کی تعمیر کرواتے، بالخصوص موسم سرما میں گرم کپڑے، کوٹ اور کمبل لے جاتے اوران علاقوں میں مستحق لوگوں میں اپنے دست اقدس سے تقسیم فرماتے اور وہاں کے غریب اور نادار بچوں کو لاکر اپنے زیر سایہ تعلیم حاصل کرواتے۔'' بحوالہ روزنامہ صدائے گلگت بروز ہفتہ ۶ نومبر ۲۰۱۰ء۔

مولانا نذیر اللہ مرحوم نے مختلف اوقات میں جامعہ نصرۃ الاسلام اوراس کے ملحقہ مکاتب و مساجد کے مالی و تعلیمی روئیداد (عربی اور اردو) میں شائع کی ہے۔ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا دائرہ کار بہت وسیع تھا۔کہیں مساجد تعمیر کرواتے تو کہیں مکاتیب' اور پھر ان کی بھر پور معاونت کرتے۔یہ سلسلہ یاسین سے لے کر داریل تانگیر اور استور سے لے کر ہنزہ نگر تک جاری وساری تھا۔ہنزہ کی قباء مسجد کے قیام اور تزئین و آرائش کے حوالے سے مولانا قاضی عبد الرزاق نور اللہ مرقدہ کے ساتھ مولانا نذیر اللہ خان اور مولانا گل شیر خان رحمہما اللہ کا کردار بھی مثالی ہے۔ان بزرگان دین کو خدا غریق رحمت کرے۔

منہج فکر و مسلک اعتدال

مولانا مرحوم چونکہ مادر علمی دار العلوم دیوبند اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کے تربیت یافتہ تھے۔فکری و اعتقادی طور پر انہی علماء واکابر کے پیرو تھے جو دار العلوم دیوبند اوراس کے خوشہ چیں ہیں۔میں یہاں اپنے قارئین کو یہ بتلانا ضروری سمجھتا ہوں کہ دیوبندیت کوئی مذہب یا فرقہ نہیں۔ ہمارے ہاں بد قسمتی سے اسلام بیزار لوگ دیوبندیت کو مخصوص مذہب یا مخصوص فرقہ کہہ کر بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سادہ لوح عوام مشتعل ہوجاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلک حقہ یعنی مسلک اہل سنت و جماعت کا مکمل پرتو آپ کو دیوبندیت میں نظر آئے گا۔رازِ دانِ علومِ مغرب ڈاکٹر اقبال سے کسی نے دریافت کیا کہ حضرت دیوبندیت کیا ہے؟ انہوں نے دیوبندیت کے بارے میں ایک جامع جملہ کہہ دیا۔حضرت مرحوم نے فرمایا کہ ''دیوبندیت نہ مذہب ہے نہ فرقہ بلکہ ہر معقول پسند دیندار کا نام دیوبندی ہے''۔

مولانا مرحوم نے بھی ابتداء سے ہی دیوبندی اکابر علماء سے کسب علم کیا تھا اس لیے ان پر اس کا رنگ' فکر اور سوچ غالب تھی۔مولانا مرحوم کا دینی و مسلکی اور فکری رخ دیوبندیت کی رہین منت تھا۔اور دیوبندیت مسلک حقہ اہل السنّت والجماعت ایک جامع' ہمہ گیر' معتدل اور اسلام کا مکمل ایڈیشن ہے۔دیوبندیت سنت اور جماعت سے تعبیر ہے یعنی کتاب وسنت اور شخصیات دین۔دیوبندیت کتاب وسنت اور شخصیات اسلام سے معنون ہے۔مولانا نذیر اللہ مرحوم کا مسلک' منہج اور فکر و اعتقاد یعنی مدرسہ فکر (School of Thought) دار العلوم دیوبند والوں کا ہے۔جس میں بدعت واختراع' تجدد وجدت پسندی' بدعات و محدثات کی سرے سے کوئی گنجائش نہیں ہے۔دیوبندیت خود آرائی' آزاد فکری اور بیبا کی و مادر پدر آزادی کا مکمل نفی کرتا ہے۔اور حق و صداقت' اعتدال کی تبلیغ کرتا ہے۔دیوبندیت فکر ولی اللہی سے تعبیر ہے۔فکر ولی اللہی میں وہ تمام صلاحتیں موجود ہیں کہ وہ تمام طبقات' تمام حلقے اور فرقوں و مسلکوں کو اپنے اندر جمع کر سکتی ہے۔یہی دین کا منشاء بھی ہے۔یہی وقت کی ضرورت ہے اور خدائی فرمان بھی۔

مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ مولانا مفتی نذیر اللہ مرحوم کا سلسلہ اسناد وہی ہے جو قاسم العلوم والخیرات مولانا نانوتویؒ کا ہے۔ حضرت نانوتویؒ کا سلسلہ اسناد حضرت شاہ ولی اللہؒ سے جا ملتا ہے اور شاہ صاحبؒ کا خاندان اپنے علم و فضل اور ورع وللہیت میں پوری دنیا میں اپنا ایک ممتاز مقام رکھتا ہے۔ مولانا نذیر اللہؒ کے سلسلہ اسناد جن اکابر سے جا ملتی ہے ان میں شاہ ولی اللہؒ شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ محمد اسحٰقؒ، شاہ عبدالغنیؒ، شاہ رفیع الدینؒ، مولانا مملوک علیؒ، قاسم العلوم والخیرات مولانا قاسم نانوتویؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور شیخ العرب والعجم حضرت مولانا مدنیؒ (رحمہم اللہ رحمۃً واسعۃً) جیسے نابغہ روزگار شخصیات شامل ہیں۔ مولانا کی فکر، منہج، عقیدہ، علمی و تبلیغی سرگرمیاں غرض ہر چیز ان علماء کی مرہون منت ہے۔ یہ بات یہاں تاریخ کا ریکارڈ درست کرنے کے لیے درج کی جارہی ہے۔ اس لیے کہ گلگت بلتستان میں ایسے ایسے مورخ پیدا ہورہے ہیں جن کا اعتدال اور حقائق سے دور دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا ہے۔ وہ اپنی پسند کی باتوں کو حقائق سے تعبیر کرتے ہیں، رائی کا پہاڑ اور پہاڑ کو رائی بتاتے ہیں۔ ان نام نہاد مؤرخین کی وجہ سے حقائق تو آنکھوں سے اوجھل ہیں مگر المیہ اس بات کا ہے کہ من گھڑت اساطیر نے حقائق کا روپ دھار رکھا ہے۔ حالت و کیفیت اس حد تک پہنچی ہے کہ لوگوں کے عقائد بھی غلط بتلائے جانے لگے ہیں۔ یعنی جید علماء کرام کی نسبت کہیں اور طرف موڑی جاتی ہے جو سراسر ناانصافی ہے۔ مولانا قاضی عبدالرزاق، مولانا عبدالرحیم، مولانا غلام رؤف، مولانا شعیب، مولانا سید رسول، مولانا کثیر بلتستانی مولانا یوسف گوہرآبادی، مولانا اکبر گل غذری، مولانا عبدالحمید، مولانا عزیز الرحمان، مولانا گلشیر اور مولانا نذیر اللہ رحمہم اللہ علیہم اور ان کے جانشینوں کا مسلک و فکر وہی ہے جو دارالعلوم دیوبند کی ہے۔ اور اس کے مقدس بانیوں کی ہے۔ دارالعلوم دیوبند کا مسلک اہل سنت والجماعت حنفی مذہب ہے۔ علمی حیثیت سے یہ ولی اللہی جماعت ہے۔ مذہب ولی اللہی کتاب و سنت اور اجماع و قیاس سے معنون ہے۔ دیوبندیت اور ولی اللہیت کے نزدیک تمام مسائل میں اولین درجہ نقل و روایت اور آثارِ سلف کو حاصل ہے۔ اور اسی پر پوری دین اسلام کی عمارت کھڑی ہے۔ دیوبندیت علم و فن اور اصحاب علوم و فنون (محدثین، فقہاء، مفسرین، مفتیان عظام، متکلمین حضرات، صوفیاء کرام، مبلغین و مربیین وغیرہ) کے حوالے سے اعتدال پسند رویہ رکھتی ہے۔ دیوبندیت کے نزدیک تمام اصحاب علم و حلم اور صاحبان فکر و نظر بالخصوص راسخین فی العلوم (یعنی راسخین فی علوم الحدیث، والفقہ والتفسیر والاصول والکلام وعلوم الطریقۃ والشریعۃ) اور تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قابل صد احترام اور واجب العقیدت ہیں۔ دیوبندیت کے نزدیک یہ حرام ہے کہ کسی کو خواہ مخواہ بڑھایا جائے اور کسی کو گھٹایا جائے۔ مدح و ذم اور تعریف و تنکیر اور توصیف و تذلیل میں احکام الٰہیہ اور حدود شرعیہ سے باہر نکلنا دیوبندیت کا شیوہ نہیں اور نہ ایسے لوگوں کی پشت پناہی کررہا ہے۔ یہاں ضمناً یہ بتانا ضروری خیال کرتا ہوں کہ میرا بھی مسلک و مشرب وہی ہے جو اوپر کے سطور میں بیان ہوا ہے۔ عربی کا ایک مشہور مقولہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں تاکہ ناچیز کی اصل حقیقت واضح ہو۔ ملاحظہ کیجیے۔

أحب الصالحین ولست منهم لعل الله یرزقنی صلاحاً

مطالعہ کا ذوق

میرے استفسار پر مولانا مرحوم نے بتایا کہ ”جوانی میں مطالعہ کثرت سے کیا کرتا تھا۔ دیکھو حقانی صاحب! میرے نزدیک اکابر علماء اور بزرگوں کی ہر کتاب قابل قدر، مفید اور حالات و مقتضیات کے مطابق ہے۔ جن جن مصنفین و مؤلفین کو پڑھا ان سب کا تذکرہ اس مختصر سی محفل میں کرنا ممکن نہیں۔ ہمارے اکثر بزرگ اور اکابر ایسے ہیں جن کی کتب، مقالات و مضامین علم و

ادب کا بیش بہا خزینہ ہیں۔ علم و دانش اور حکمت و موعظت ان کے ہاں کوٹ کوٹ کر ہوتی ہے۔ کچھ بزرگوں کی کتابیں تو قدیم و جدید کا بہترین سنگم ہوتی ہیں۔ لاریب کہ ان کو قدیم علوم کے ساتھ جدید علوم پر بھی دسترس حاصل تھا۔ ان کی تحریروں سے یہ بات بانگ دہل واضح ہو جاتی ہے۔ ان کی کتب کے مطالعے سے دل و دماغ کو طمانیت و تسلی حاصل ہوتی ہے۔ مجھے چونکہ مختلف علمی مقامات پر بات کرنے کو موقع مل جاتا ہے اس لیے کتب بینی کرنی ہی پڑتی ہے۔ عربی اور فارسی کتابیں بھی زیر مطالعہ رہتی ہیں۔ اخبارات و رسائل کو بھی پڑھتا ہوں۔ دینی درسگاہوں اور جامعات سے شائع ہونے والے اکثر مجلّات میرے نام اعزازی آتے ہیں اور ان سے استفادہ رہتا ہے۔ میں تو طلبہ سے بھی گزارش کرونگا کہ علی میاںؒ مولانا سلیمان ندویؒ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ اور دیگر اکابر دیوبند کی تصانیف کا بغور مطالعہ کریں، انشاء اللہ ہر موڑ میں رہنمائی مل جائے گی"۔

دوران گفتگو اندازہ ہوا کہ مولانا کا ذوق مطالعہ کافی اچھا ہے۔ اور کتب بینی کی عادت بھی ہے۔ مولانا مرحوم نے ایک مختلف مزاج پائی تھی۔ ان سے گفتگو یادگار رہی۔ دوران گفتگو اچانک سنجیدگی و متانت ان پر غالب آجاتی۔ وہ کچھ کہنا چاہتے تھے مگر پھر رک جاتے۔ ان کے دل میں بے شمار راز تھے جو ان کے ساتھ رخصت ہوئے۔ پہلی ملاقات میں ہی کافی بے تکلف ہوئے تھے۔ شاید دو چار اور ملاقاتیں رہتی تو کچھ احوال دل کہہ ہی جاتے۔ مولانا مرحوم کے ناقدین کو بھی دیکھا اور مداحین کو بھی۔ مولانا کے متعلق ان کے احباب کو بھی سنا اور ان کے اغیار کو بھی۔ سب کی رائے مختلف' روایات و واقعات مختلف۔ میں سچ کہوں تو مولانا سب سے مختلف تھے۔ میرا مشاہدہ مجھے یہ بتاتا ہے کہ مولانا کا زاویہ سب سے نرالا اور غالباً سب پر بھاری تھا۔

گلستاں میں جا کر ہر اک گل کو دیکھا — نہ تیری سی رنگت تھی نہ تیری سی بو تھی

عربی دانی

مولانا مرحوم چونکہ دارالعلوم دیوبند کے تربیت یافتہ تھے' دارالعلوم میں علوم و فنون کے ساتھ عربی زبان پر بھی خصوصی توجہ دی جاتی۔ مولانا کی عربی دانی کے حوالے سے چونکہ مجھے زیادہ معلومات نہیں حاصل نہ ہو سکی' تاہم مولانا جو کہ جامعہ کے مہتمم بھی تھے اس لیے عالم عرب کے ساتھ ان کی مراسلت بھی ہوتی تھی' ایسا ہی ایک خط جو انہوں نے عالم عرب کی مشہور و معروف شخصیت فضیلۃ الشیخ الدکتور جناب عبداللہ عمر نصیف کی خدمت عالیہ میں تحریر کیا' اس خط کی ایک نقل مجھے مولانا کے ذاتی بریف کیس سے موصول ہوا۔ اسے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مرحوم کے عالم عرب کے بڑے بڑے علماء و رہنماؤں سے تعلقات تھے۔ عربی زبان میں تحریر کردہ اس خط میں مولانا عبداللہ عمر نصیف صاحب سے اپنی ملاقات کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔ اس خط کا ایک پیرگراف بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

صاحب المعالی' الشیخ الدکتور عبدالله عمر النصیف' حفظه الله ورعاه

ارجو الله سبحانه و تعالیٰ أن تکونوا بخیر و عافیة.........الخ، ونقدم مندوبا الیکم بالطلب العام الماضی ایضاً وقد وعدتم بالخیر' ویبدو انکم بکثرة الاشتغال نسیتم' ولذا أذکر مرة ثانیة، وارجو من معالیکم التکرم بمساعدة الجامعة المالیة' وهی جامعتکم. ولمعالیکم. جزیل الشکر.

والسلام علیکم ورحمة الله وبرکاته (مدیر الجامعه نذیر الله)

مولانا مرحوم جامعہ کی رپورٹیں عربی میں بھی تیار کیا کرتے تھے۔ اور بہت جاندار مرتب کرتے۔ ان شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اردو کے ساتھ عربی بھی بہت اچھی تھی۔ وہ عربی زبان قلم برداشتہ لکھنے پر قدرت رکھتے تھے۔ اور شاید بولتے بھی تھے۔ لیکن سمجھتے تو خوب تھے۔

نئی نسل کے لیے پیغام

انٹرویو کے آخری میں، میں نے مولانا سے عرض کیا کہ حضرت والا! کیا نئی نسل بالخصوص نوجوان طبقہ کو کوئی پیغام دینا چاہیں گے؟۔ مولانا مرحوم نے کافی دیر سکوت اختیار کی، پیشانی پر ہاتھ رکھ کر گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ دفعتاً کہا کہ ''میری ایک خواہش ہے کہ میرے انتقال کے بعد یہ مدرسہ (جامعہ نصرۃ الاسلام) مزید ترقی کرے۔ اللہ اس مدرسے کو دن دوگنی رات چوگنی ترقیوں سے نوازے، یہاں سے زیادہ سے زیادہ طلبہ وطالبات استفادہ کریں۔ یہ ایک مینارے نور بنے، اہل سنت عوام کا مرجع بنے۔ منبع علم وعمل بنے''۔ ''گلگت بلتستان کو عوام سے بالعموم اور نوجوانوں سے بالخصوص میری اپیل ہوگی کہ وہ اپنے خوبصورت علاقے کو امن کا گہوارہ بنائے۔ فرقہ واریت کو جڑوں سے اکھیڑ دیا جائے، امن وامان اور بھائی چارگی کے لیے جتنی ممکن ہوا تنی کوششیں کی جائے۔ اور اپنے رویوں میں تبدیلی لانی ہوگی، ورنہ خسارہ عظیم ہوگا۔ یہ خسارہ کسی کا نہیں بلکہ گلگت بلتستان کی عوام وخواص کا ہی ہوگا۔ سو خدائی احکام کو بجالاتے ہوئے زندگی گزاری جائے''۔

وفات حسرت آیات

مولانا نذیر اللہ خان صاحب بروز جمعۃ المبارک، 21، 22 کتوبر 2010ء بمطابق ۱۳ ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ کی نصف شب کو دارِ فانی سے دارِ بقاء کی طرف رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون! وہ کافی عرصے سے بیمار تھے۔ رمضان المبارک کے آخری مبارک عشرے میں طبیعت زیادہ ناساز ہوئی۔ علاج معالجہ کے لیے انہیں اسلام آباد/ راولپنڈی لے جایا گیا تھا۔ M.H میں کافی ایام زیر علاج رہے وہ گلگت کے سب سے بڑے قبرستان جو جامعہ نصرۃ الاسلام اور مرکزی عیدگاہ کے متصل ہے میں اپنے استاد محترم اور روحانی باپ حضرت مولانا قاضی عبدالرزاقؒ کے پہلو میں مدفون ہیں۔ مولانا مرحوم کے جنازے میں ہزاروں افراد نے شرکت کی۔ نماز جنازہ مولانا حبیب اللہ صاحب (فاضل دیوبند) نے پڑھائی۔ میں بارہا ان کے مرقد پر حاضر ہوا دعائے مغفرت پڑھی۔ موت العالم موت العالم ایسے ہی علماء کے لیے کہا جاتا ہے۔

جان ہی دے دی جگر نے آج کوئے یار میں — عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

یہ سچ ہے کہ مولانا نذیر اللہ کے انتقال گلگت بلتستان کی دینی درسگاہوں، غریب عوام، قرب وجوار کے مساجد ومکاتب، مسند ہدایت وارشاد اور تعلیم وتربیت کے مراکز کا ناقابل تلافی نقصان ہے۔ مولانا مرحوم کی سانحہِ ارتحال سے گلگت بلتستان میں بیسوی صدی کی ایک تاریخ رخصت ہوگئی۔ مولانا مرحوم گلگت بلتستان میں ان مقدس ہستیوں میں تھے جن کے وجود سے نہ جانے کتنے فتنے ختم ہوجاتے تھے۔ ان کی وفات ارضِ شمال کے تمام مسالک کے لیے حسرت آیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ بڑے غفور ورحیم ہیں، اللہ ان کی تمام غلطیوں وکوتاہیوں اور لغزشوں کو معاف فرمائے اور رب العزت سے دعا ہے کہ مرحوم کے درجات بلند فرمائے، انہیں علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ علم وعمل، مذہبی ہم آہنگی ورواداری اور دریادلی کے حوالے سے جو نقوش وہ ہمارے لیے چھوڑ کر کے رخصت ہوئے ہیں ہمیں ان پر چلنے، انہیں مستحکم بنیادوں پر اجاگر کرنے اور زندہ جاوید رکھنے اور گلگت بلتستان کی عوام کو ان کے فیوض وبرکات سے مستفید ہونے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

؎ خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

☆☆☆☆☆☆

پیغامات حزن

مولانا نذیر اللہ مرحوم کی وفات پر
مختلف قومی وسیاسی رہنماؤں کے تعزیتی پیغامات

جمع وترتیب: امیر جان حقانی

....

جناب سید مہدی شاہ.....وزیر اعلی گلگت بلتستان

جملہِ خاندان مولانا نذیر اللہ صاحب مرحوم

مولانا صاحب کی وفات سے مجھے انتہائی دلی صدمہ پہنچا ہے۔مرحوم کی گلگت بلتستان میں قیام امن، مذہبی ہم آہنگی اور بھائی چارگی برقرار رکھنے میں کی جانے والی کوششوں کو ہمیشہ یادرکھا جائیگا۔ان کی وفات سے پیدا ہونے والی خلا کو پر کرنے میں بڑا وقت درکار ہے۔ان کی رحلت سے جہاں آپ ایک شفیق باپ اور سرپرست سے محروم ہو گئے ہیں وہاں گلگت بلتستان کے عوام بھی ایک جید عالم سے محروم ہو گئے ہیں۔ میں اپنی اور گلگت بلتستان حکومت کی جانب سے مرحوم کے خاندان کے ساتھ دلی تعزیت کا اظہار کرتا ہوں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سب کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی ہمت عطا کرے اور مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائیں۔آمین

شریکِ غم: سید مہدی شاہ وزیر اعلیٰ، گلگت بلتستان

29/10/2010

☆☆☆

محترم جناب وزیر بیگ صاحب.....(ایکٹنگ گورنر گلگت بلتستان)

بسم اللہ الرحمان الرحیم

انا للہ وانا الیہ راجعون! مرحوم مولانا نذیر اللہ ہمارے علاقے کے ایک بلند پایہ عالم دین تھے۔ان کی موت سے علاقے کو ایک ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ایسی ہستیاں صدیوں بعد پیدا ہوتی ہیں، یہ نقصان صرف ان کے خاندان کا نہیں بلکہ پورے علاقے کا ہے لیکن حکمِ الٰہی کے سامنے انسان بے بس ہیں۔ہماری دعا ہے کہ اللہ تبارکت وتعالیٰ ابدی دنیا میں مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو عظیم نقصان برداشت کرنے کا حوصلہ اور توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین!

وزیر بیگ ایکٹنگ گورنر گلگت بلتستان (۱)

31/10/2010

(۱) ان دنوں شمع خالد کی وفات کے بعد وزیر بیگ صاحب ایکٹنگ گورنر تھے۔ادارہ

جمعیت اہلحدیث بلتستان ودارالعلوم غواڑی بلتستان کے علماء ورہنماء

بسم اللہ الرحمان الرحیم

الحمدللہ وحدہ والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ،

امابعد: قال اللہ تعالیٰ وماکان لنفس ان تموت الا باذنہ

مولانا نذیراللہ کی وفات حسرت آیات پر جمعیت اہلحدیث بلتستان کے تمام احباب مولانا مرحوم کے عزیز واقارب اور احباب گلگت کے ساتھ مصیبت میں برابر کے شریک ہیں۔ مرحوم کی دینی خدمات اتنی زیادہ کہ ہم گن نہیں سکتے۔ اللہ تعالیٰ اسے مرحوم کی میزان حسنات میں جمع فرما کران کے لیے نجات اور بلندی درجات کا ذریعہ بنائیں، ہمیں ان کے نیک کاموں کو جاری رکھنے کی توفیق دے اور بشری لغزشوں کو درگذر فرمائے۔ تمام سوگواران کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ آمین

از: ۱۔ الشیخ عبدالرحمان حنیف' امیر جمعیت اہلحدیث بلتستان
۲۔ الشیخ عبدالواحد عبداللہ' ناظم اعلیٰ جمعیت اہلحدیث بلتستان
۳۔ الشیخ محمد علی جوہر' مدیر مرکز اسلامی سکردو
۴۔ الشیخ عبیدالرحمان مدنی' نائب ناظم اعلیٰ' جامعہ دارالعلوم غواڑی

24/10/2010

....

جناب فدا علی ایثار اعتمادی ہنزائی.... ممبر ایکٹنگ کمیٹی اسماعیلی کونسل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرحوم ومغفور مولانا نذیراللہ خان صاحب ارض شمال کے ایک ممتاز عالم دین تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی کو بین المسالک ہم آہنگی اور اتحاد بین المسلمین کو یقینی بنانے کے لیے وقف کر رکھی تھی یہی وجہ ہے کہ مولانا مرحوم تمام مسالک اسلامیہ کے لئے قابل صد احترام عالم دین تھے۔ ان کی وفات سے جو خلا محسوس کیا جارہا ہے وہ بہت دیر تک محسوس کیا جائے گا۔ اسماعیلی کونسل اور جماعت سوگوار خاندان کو اس موقع پر تعزیت پیش کرتی ہے اور دعا کرتی ہے کہ خداوند عالمین مرحوم کی روح کو غریق رحمت کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔

فقط شریکِ غم: فدا علی ایثار اعتمادی ہنزائی، ممبر رابطہ کمیٹی اسماعیلی ریجنل کونسل، التحریر: 24/10/2010

جناب مولانا لقمان حکیم صاحب.... امیر جے یو آئی گلگت بلتستان

مولانا لقمان حکیم صاحب مولانا مرحوم کے پرانے رفیقان کار میں سے ہیں اور دونوں ہمسائے بھی ہیں۔ مولانا لقمان حکیم صاحب ان کی وفات حسرت آیات پر بڑے مغموم ہوئے۔ مولانا نے اشعار مذکورہ سے اپنے غم دل کا اظہار کیا اور اپنے تعلق کو ظاہر کیا۔ مولانا نے تعزیت کے پیغام کو لمبی چوڑی تحریر کے بجائے انہی اشعار پر اکتفاء کیا جو حسب ذیل ہیں۔

زندگی انسان کی مانند مرغِ خوشنوا
شاخ پر بیٹھا کوئی دم چہچہایا اڑ گیا
عمر بھر ہم آپ کی آغوش میں پلتے رہے
جب ہم ہوئے آپ کی خدمت کے قابل' آپ اب چلتے رہے

بندہ نابکار، مغوم ساتھی

مولوی لقمان حکیم (امیر جمعیت علماء اسلام گلگت بلتستان)، 4/10/2010

....

جناب عنایت اللہ شمالی صاحب....چیئرمین جی بی این اے، گلگت بلتستان

آج یہ سطور رقم کرتے ہوئے میرا قلم لرز رہا ہے اور اشکِ قلم سیاہی کی صورت میں' غیر مربوط انداز میں قرطاس پر بکھر رہے ہیں۔ آہ! مولانا نزیر اللہ ایک نابغہِ روزگار اور پورے گلگت بلتستان کے لیے ایک عطیہ خداوندی کے مانند تھے' مولانا مرحوم کی پوری حیاتِ مبارکہ اتحاد بین المسلیمین کی ترویج اور اُخوت و بھائی چارے کی فضاء قائم کرنے کی جہد مسلسل سے عبارت تھی۔ مولانا کی رحلت سے خطۂ شمال میں امن کے حوالے سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ شاید پورا ہو سکے۔

بہر حال موت کا پیالہ ہر ذی نفس کا مقدر ہے۔ رب کریم حضرت کو اپنے جوار رحمت میں بلند درجات عطا فرمائے اور ان کے لواحقین کو صبر جمیل کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا کے نقش قدم پر چلتے ہوئے علاقے میں قیام امن اور بھائی چارے کے لیے ایک مثالی کردار ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

شریکِ حزن

افسردہ شمالی (عنایت اللہ شمالی)

....

جناب مشتاق احمد صاحب....ایڈیشنل جج استور

بسم اللہ الرحمان الرحیم

جناب مولانا نذیر اللہ صاحب مرحوم ومغفور کی ذات اور ان کے کارہائے نمایاں کا ذکر کرنا میرے جیسے کم علم آدمی کے بس میں نہیں۔ مولانا مرحوم ایک انتہائی پرخلوص انسان تھے جس کا ثبوت یہ ہے کہ دار العلوم نصرۃ الاسلام گلگت بلتستان کا ایک نمایاں ادارہ بن چکا ہے۔ جہاں دن رات دین کی ترویج کے لیے کام ہو رہا ہے۔ مولانا صاحب نے دار العلوم کے لیے جس جانفشانی سے دن رات کام کیا ہے وہ دین سے محبت کی ایک مثال ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا صاحب کو جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ مولانا مرحوم کی کمی ایک عرصے تک گلگت بلتستان میں محسوس کی جائے گی۔

دعا گو: شریکِ غم

مشتاق احمد' ایڈیشنل سیشن جج استور' گلگت بلتستان

24/10/2010

مقالات و مضامین

مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کے رفیقِ سفر

تحریر: مولانا حبیب اللہ مدظلہ،

فاضل دارالعلوم دیوبند وشاگرد رشید حضرت مدنی رحمہ اللہ

....

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

حضرت مولانا نذیر اللہ خان صاحبؒ فاضل دارالعلوم دیوبند و مہتمم جامعہ نصرۃ الاسلام گلگت میرے ہم عمر اور میرے رفیق سفر مادر علمی دارالعلوم دیوبند ہیں۔ اور رشتے میں میرے چچا لگتے ہیں۔ میرے دادا جان اور موصوف کے والد صاحب حقیقی بھائی تھے۔ بچپن سے لے کر آخیر عمر تک ہم دونوں اکٹھے رہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ہم دونوں کی عمر تقریباً ۸ سال کی ہوگی۔ 1938ء یا 1939ء کی بات ہے۔ ہم دونوں نے ایک ہی دن جناب حضرت الاستاد قاضی عبدالرزاق صاحب، رحمۃ اللہ علیہ فاضل دارالعلوم دیوبند، خطیب مرکزی جامع مسجد گلگت کے پاس بغدادی قاعدے میں الف۔ با۔ تا سے دینی تعلیم شروع کیا۔ جون 1947ء تک موصوفؒ کے پاس تعلیم حاصل کرتے رہے۔ ان سالوں میں ہم دونوں جماعتی تھے۔ ہمارے ہم جماعت بہت سے طلبہ تھے۔ درمیانی سالوں میں بقیہ طلبہ تعلیم چھوڑ کر چلے گئے۔ صرف فدوی اور مولانا نذیر اللہ صاحبؒ نے باقاعدہ تعلیم جاری رکھا۔ ان ہی تعلیمی سالوں کے دوران گلگت میں ایک سخت قسم کی وُبا پھیل گئی۔ اس بیماری میں بہت سے لوگ وفات پا گئے۔ اسی وبائی بیماری کے نتیجے میں جناب قاضی عبدالرزاق صاحبؒ اور ہم دونوں بھی بیمار ہوئے۔ دوران بیماری ایک دن استاد محترم نے فرمایا کہ ان دونوں لڑکوں کو میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ ہم دونوں کو لے جایا گیا۔ جناب استاد محترم نے اپنی چار پائی میں ہم دونوں کو اپنے دائیں بائیں لٹا دیا۔ حاضرین سے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں اور میری تمنا ہے کہ ان دونوں لڑکوں کو عالم بنالوں اور انہیں مادر علمی دارالعلوم دیوبند بھیج دوں۔ آپ سب دعا فرمالیں، اللہ تعالیٰ مجھے اور ان دونوں کو بھی صحت دیدے، تاکہ میری تمنا پوری ہوجائے۔ تمام حاضرین نے استاد محترم کے دعا پر آمین کہا۔ آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ نے ہم تینوں کو صحت سے نوازا۔ اور تعلیم جاری رہی۔ حضرت مولانا نذیر اللہ خانؒ اور فدوی نے جناب استاد محترم سے علم نحو وصرف کی ابتدائی کتابیں اور فارسی کی گلستان و بوستان علم فقہ کی کتاب قدوری تک پڑھا تھا۔ جون 1947ء کو آپ نے ہم دونوں کو مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے لیے غیر منقسم ہندوستان روانہ کیا۔ اس سفر کی تفصیلی روئیداد میری سوانح عمری (حبیب السوانح) میں دیکھی جاسکتی ہے۔ جو عنقریب منصۂ شہود پر آنے والی ہے۔ انشاء اللہ

تعلیم کے دوران، ہم دونوں علم نحو اور صرف میر کی گردان یاد کررہے تھے۔ ایک دن حضرت استاد نے فرمایا کہ تم دونوں کا امتحان لیتا ہوں، تم میں سے جو اس گردان کو فر فر سنائے اس کو نام ایک شعر بطور انعام لکھ کے دونگا۔ (اس وقت ہم چار جماعتی تھے)۔ فدوی اور مولانا نذیر اللہ خانؒ نے فر فر سنایا، اس پر جناب قاضی مرحوم نے مولانا نذیر اللہ مرحوم کے نام یہ شعر بنا کر دیا۔

نذیرم بندہ رب قدیدم ز عشاقِ محمد بے نذیرم

گلگت میں مولانا مرحوم کا نام نذیر تھا' دیوبند جا کر نذیر اللہ خان مقرر ہوا۔ فدوی کو دیا ہوا شعر بھی سن لیجئے۔

حبیب اللہ حبیب کردگار است — زِ فضلش روز و شب اُمید است

ہمارے باقی دونوں ساتھی نہ سنا سکے۔ گلگت سے ہم دونوں نے کشمیر تک گھوڑوں پر سفر کیا اور کشمیر سے آگے راولپنڈی تک بسوں پر۔ راولپنڈی سے لاہور تک ٹرین کے ذریعے اور لاہور سے امرت سر تک بھی بذریعہ ٹرین ہی چلے گے۔ وہاں سے دارالعلوم دیوبند پہنچے۔ دارالعلوم میں مولانا گل شیر صاحب پہلے سے زیر تعلیم تھے۔ اپنے کمرے میں جگہ دی۔ ۱۰ شوال کو داخلہ کا امتحان ہوا اور اللہ کے فضل و کرم اور استاد محترم کی دعاؤں سے داخلہ امتحان میں کامیاب ہوئے۔ الحمدللہ علیٰ ذلک

دونوں کو راشن یعنی کھانا جاری کیا گیا اور کمرہ بھی مل گیا۔ ہم دونوں کا کمرہ احاطہ باغ میں کمرہ نمبر ۹۵ گلگت منزل میں تھا۔ اب ہماری تعلیم علم صرف ونحو اور علم فقہ وغیرہ کی ابتدائی کتابوں سے شروع ہوئی۔ 1947ء سے لے کر 1952ء تک ہم دونوں اکٹھے تعلیم حاصل کرتے رہے۔ 1952ء میں گلگت (گھر) میں مولانا نذیر اللہ خان صاحب مرحوم کے والد وفات پا گئے۔ اس پر وہ گھر آ گے۔ دو ماہ کے قیام کے بعد دوبارہ دیوبند جانے کے لیے لاہور آ کر ویزا لگوانے کی بڑی تگ ودو کی، چونکہ ملک تقسیم ہو کر پاکستان بن چکا تھا۔ دونوں ملکوں کے تعلقات خراب تھے اس لیے مولانا کو بھارت دیوبند کا ویزہ نہ مل سکا۔ چنانچہ بقیہ کتابیں آپ نے جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی اور دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں پڑی۔ ❁❁ یہاں یہ یاد رہے کہ مولانا نذیر اللہ خان مرحوم نے دورہ حدیث کی تکمیل دیوبند ہی میں کی تھی۔ اس لیے کہ ان کی سند فراغت میں دیوبند میں تعلیم کو دورانیہ پورے واضح طور پر لکھا ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"فان الاخ الصالح البار المولوی محمد نذیر الله بن نیت خان المتوطن گلگت قد دخل دار العلوم الدیوبندیة التی هی مرکز العلوم الدینیه ومدارها ومنها تتفجر انهارها وبحارها فی الخامس عشر من شوال المکرم ست و ستین بعد الالف وتلثمائة من الهجرة النبویة علی صاحبها الف الف سلام وتحیة، فقرأ من العلوم والفنون الکتب الآتی ذکرها وبقی مدة ما قرأ علی طریقة حسنة رضی عنها الاساتذه وارکان المدرسة، وهو عندنا سلیم الطبع، صالح الاستعداد' وله مناسبة تامة بالعلوم "والان لماطلب منا الاجازة اجزناه ....تحریرً یوم السبت للثانی عشر من جمادی الاول سنة اربع و سبعین بعد الالف وثلثمائة من الهجرة النبویة صلی الله علیٰ صاحبها وسلم"

نوٹ۔ مولانا نے جامعہ بنوری ٹاؤن میں تخصص فی الفقہ اور احمد علی لاہوریؒ کے پاس قرآن کریم کا دورہ تفسیر کیا ہے۔

فدوی سے ہمدردی کا ایک انوکھا واقعہ

جب میں دیوبند میں تخصص فی الفقہ کر رہا تھا تو مولانا مرحوم نے فدوی سے ہمدردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک ایسا کام کیا جس کی وجہ سے فدوی کو ہندوستانی جیل خانہ کی ہوا کھانے کی نوبت آ گئی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے بچا لیا۔ ہوا یوں کہ مولانا مرحوم دیوبند سے گلگت آتے وقت ہندوستانی نوٹ (کرنسی) اپنے ساتھ لائے تھے۔ دوبارہ دیوبند جانے کے لیے ویزہ نہیں ملا تو ان نوٹوں کو تبدیل کر کے پاکستانی نوٹ لے لیے۔ اتفاقاً ایک پانچ روپیہ کا ہندوستانی نوٹ بٹوے میں رہ گیا تھا مولانا مرحوم نے از راہ ہمدردی وہ نوٹ لفافے میں ڈالا اور ایک خط بھی میرے نام دیوبند کے پتہ پر روانہ کیا۔ وہ خط امرت سر میں جا کر سنسر ہوا اور وہ نوٹ پکڑا گیا۔ اس پر انکواری کے محکمہ والوں نے ایک لیٹر انگریزی میں لکھا ہوا میرے پتہ پر

دارالعلوم دیوبند روانہ کیا۔ میں نے اس لیٹر کو کسی انگریزی خواں سے پڑھوایا تو یہ لکھا ہوا تھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی حبیب اللہ کرنسی کا کاروبار کرتا ہے لہذا انہیں کیوں نہ جیل خانہ بھیجا جائے؟۔ لہذا پندرہ دنوں کے اندر اندر امرت سر آکر انگواری کے محکمے کے سامنے جواب دے دو۔ ورنہ جیل روانہ کر دیا جائے گا۔ میں فوراً اس خط کو لیکر اپنے مدرسے کے ناظم تعلیمات کے پاس گیا۔ انہوں نے ایک مسلمان وکیل کو بلوا کر مشورہ کیا۔ وکیل صاحب نے کہا کہ مولوی حبیب اللہ فوراً ایک خط اس مضمون کا لکھ کر روانہ کرے کہ یہ نوٹ پانچ روپیہ کا جس آدمی نے میرے نام ارسال کیا ہے وہ میرا دشمن ہے۔ وہ مجھے جیل خانہ بھیجنا چاہتا ہے۔ میرا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہذا نوٹ روانہ کرنے والے کو گرفتار کیا جائے چنانچہ یہ کاروائی کی گئی۔ مگر امرت سر سے کوئی جواب نہ آیا اور فدوی کو جیل خانہ کی ہوا خوری سے اللہ تعالیٰ نے بچایا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک

فدوی مسلسل گیارہ سال دیوبند میں رہا۔ دورہ حدیث شریف، دورہ تفسیر کے علاوہ دیگر علوم کی کتابیں بھی دیوبند میں مکمل کیا۔ فراغت کے بعد دو سال مغربی بنگال (کلکتہ) کے ایک جامعہ دارالحدیث میں مدرس رہا۔ اس کے بعد دیوبند آکر ۱۹۸۷ء میں دیوبند سے رخصت ہو کر گلگت (گھر) گیارہ سال بعد آیا۔ مولانا نذیر اللہ خان صاحب نے پاکستان میں بھی اکابر علماء سے کسب فیض کیا اور تعلیم سے مکمل فراغت کے بعد گلگت آکر تعلیمی، تبلیغی اور اصلاحی خدمات انجام دیتے رہے۔

1952ء میں گلگت میں جامعہ نصرۃ الاسلام کی بنیاد رکھی گئی۔ جامعہ کی مجلس عاملہ کی ایک کمیٹی بنی جس کے صدر استاد محترم حضرت مولانا قاضی عبدالرزاقؒ تھے جنہوں نے ہمارے مولانا نذیر اللہ خان صاحب کو جامعہ کا مہتمم بنایا۔ اس کے بعد مولانا مرحوم اس دنیائے فانی سے رخصت ہونے تک جامعہ کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔

مولانا مرحوم کی دینی خدمات بے حساب ہیں۔ سب سے بڑی خدمت جامعہ نصرۃ الاسلام خود موجود ہے۔ مولانا مرحوم نے جامعہ سے کوئی تنخواہ نہیں لی۔ پوری زندگی بلا تنخواہ خدمت کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو بہت مال و دولت سے نوازا تھا۔ مولانا مرحوم دوپہر کا کھانا تک گھر میں آکر کھاتے تھے۔ حالانکہ مدرسے میں لنگر موجود تھا مگر وہاں سے کھانا نہیں کھاتے۔

مرحوم کی سیاسی خدمات بھی بہت ہیں۔ وہ ایک مکمل عالم دین بھی تھے اور ایک کامیاب سیاستدان بھی تھے۔ علاقائی معاملات میں حکومت وقت آپ سے ہمیشہ مشورے لیتی رہتی تھی۔ جب کوئی مشکل وقت آتا تو حکومت آپ سے رجوع کرتی اور آپکی تجاویز پر عمل کیا جاتا۔ اس دور میں بی ڈی (B.D) کے نام جمہوریت کا ایک ادارہ نکلا تھا۔ مولانا کثرت ووٹ سے اس کے ممبر منتخب ہو کر بڑا ترقیاتی کام کیا۔

علاقے میں امن وامان قائم کرنے کے لیے آپ کی خدمات بے حد ہیں۔ آپ ہمیشہ یہی چاہتے تھے اور یہی کہتے تھے اس علاقے (گلگت) میں تینوں فریقوں کو ہمیشہ رہنا ہے کوئی ایک فریق دوسرے فریق کو علاقہ بدر نہیں کر سکتا۔ لہذا کیوں نہ تینوں فریق امن و آمان کے ساتھ ملکر رہیں۔ بہر حال مولانا مرحوم کے خدمات جلیلہ کہاں تک بیان کئے جائے۔ لوگ ہمیشہ ان کو یاد رکھیں گے۔ یہ ان کا حق ہے۔ ہمارے حضرت مولانا گل شیر خانؒ کی وفات کے بعد مولانا نذیر اللہ خانؒ نے فدوی سے کہا کہ آپ بحثیت نائب مہتمم میرے ساتھ کام میں شریک رہیں۔ دونوں مل کر جامعہ کی ترقی کے لیے کام کریں گے۔ چونکہ فدوی ان دنوں رابطہ عالم اسلامی کے ایک مدرسہ کا سینئر استاد تھا، مجھے وہاں سے چھٹی نہیں ملی۔

ہماری دعا ہے اللہ جل شانہ اپنی مہربانی اور فضل و کرم سے مولانا مرحوم کی مغفرت فرمائیں۔ اور ہم سب پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق فرمائے۔ آمین

مقالات و مضامین

مولانا نذیر اللہ خانؒ ایک عہد ساز شخصیت

قاضی نثار احمد: مدیر اعلیٰ سہ ماہی نصرۃ الاسلام

....

برادرم محترم مولانا نذیر اللہ خان صاحب مرحوم اپنی ذات میں ایک انجمن اور ایک مکمل تحریک تھے۔ زیرک، معاملہ فہم، مہم جو، علاقے کے معاملات پر نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ ملکی امور پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ قومی اخبارات میں روزنامہ ''نوائے وقت'' کو بالاستیعاب پڑھنے کا معمول رکھتے تھے۔ یہ مولانا مرحوم کی نظریہ پاکستان سے عقیدت کا مظہر تھا، کیونکہ روزنامہ نوائے وقت نظریہ پاکستان کا سب بڑا حامی اخبار سمجھا جاتا ہے۔ گلگت کی مقامی انتظامیہ، پولیس، فوجی اداروں اور اعلیٰ ملکی اداروں سے لے کر ملک کے سربراہوں تک سے روابط و بے تکلف تعلقات رکھتے تھے اور انہی صاحب اقتدار لوگوں سے دینی و سماجی خدمات لینا مولانا کا خاص خاصہ تھا، اور ان کی خدمت و ضیافت اور تواضع خاطر کرنے میں خوشی محسوس کرتے تھے۔ گلگت کے مخصوص کشیدہ حالات میں مرحوم کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی کہ ہر حال میں امن و آمان قائم ہو، اس کے لیے صرف فکرمند نہیں رہتے بلکہ آپ کے ان خدمات کا اعتراف حکومتی احباب سے لے تمام مکاتب فکر کے لوگ اور زعماء بھی کرتے ہیں۔ اگر آپ کے علم میں یہ بات آئے کہ بدآمنی میں کسی کی واضح غلطی ہے تو آپ اس کو معاف بھی نہیں کرتے تھے۔ خوش پوش اور اعلیٰ درجے کی قراقلی پہنتے تھے۔ شادی بیاہ اور عام مجالس اور محفلوں میں آپ کی ایک امتیازی شان ہوا کرتی تھی۔ راقم الحروف نے جب آنکھ کھولی تو آپ کے ساتھ ایک بھائی کی طرح واسطہ پڑا۔ آبا جان مرحوم کی شاگردی سے لے کر فراغت کے بعد مرحوم سے ہماری بڑی بہن کا رشتہ ہوا یوں وہ ہمارے گھرانے کے ایک بزرگ فرد تھے۔

امی جانؒ فرمایا کرتی تھیں کہ میری (نثار احمد) پیدائش کی اطلاع ہوتے ہی وہ ہمارے گھر آئے اور سب سے پہلے اپنی بندوق سے فائر کیا، یہ فائر خوشی کی علامت سمجھا جاتا ہے اور اس دور میں یہ ایک معمول تھا۔ نرینہ اولاد کی پیدائش پر فائر کر کے اطلاع کی جاتی تھی، رشتہ دار اور ہمسایہ سمجھتے تھے کہ جس کے گھر میں فائرنگ ہو رہی ہے وہاں کوئی نرینہ اولاد پیدا ہوئی ہے۔ اتنے میں ماموں جان اور مولانا عزیز الرحمان بھی پہنچے اور اپنی اپنی بندوقوں سے فائرنگ اور بھرپور خوشی کا اظہار کیا۔

ساتویں روز سارے احباب جمع ہوئے۔ چونکہ آبا جانؒ سفرحج پر تھے، جب نام رکھنے کی بات آئی تو یہ بات سامنے آئی کہ ابا جانؒ ایک پرچے پر بیٹا اور بیٹی کی پیدائش پر دونوں کے لیے الگ الگ نام تجویز کر کے لکھ کر گئے تھے۔ مولانا مرحوم نے جب پرچی اٹھا کر دیکھا اور کہنے لگے کہ میرا بھی یہی اندازہ تھا کہ حضرت ضرور نام تجویز کر کے گئے ہونگے۔

ابا جانؒ فرماتے تھے کہ جب مولانا نذیر اللہ دیوبند سے تعلیمی فراغت کے بعد گلگت آئے تو میں نے ان کا امتحان لیا، تب اندازہ ہوا کہ مولانا اچھی استعداد اور قابلیت کے حامل تھے خصوصاً فلسفہ اور منطق میں خوب مہارت تھی۔ ابتداء مولانا ابا جان کے ساتھ تدریس میں مصروف رہتے تھے۔ مولانا لطیف الرحمان صاحب مہتمم ضیاء العلوم بیگم پورہ لاہور والے فرماتے ہیں کہ ''میں نے محلے کی مسجد میں مولانا کو دیکھا کہ ایک طالبعلم کو ہدایہ پڑھاتے تھے، جب میں بھی مولانا کے گھر میں رہتا تھا۔ میں چھٹیوں پر آیا ہوا تھا، مولانا نے رات کو مطالعہ بھی نہیں کیا تھا باوجود اس کے بہت ہی بہتر طریقے سے پڑھا رہے تھے اور پڑھانے اور سمجھانے کا انداز بڑا دلربا تھا''۔

مولانا نذیراللہ خان مرحوم فرماتے تھے ''ہمیں حضرت قاضی صاحب (میرے والد ماجد) نے صرف ونحو مضبوط بنیادوں پر پڑھایا تھا بلکہ رٹوایا تھا، جس کی وجہ سے دارالعلوم دیوبند میں بھی ہمیں امتیازی حیثیت ملی تھی، حضرت قاضی صاحبؒ کی سختی نے ہمیں انسان اور علم دوست بنانے میں مرکزی کردار ادا کیا۔ مولانا مرحوم ساری زندگی اباجان رحمہ اللہ کے ساتھ عاشقانہ، والہانہ اور جذباتی حد تک احترام ومحبت کا تعلق رکھتے تھے۔ مولانا مرحوم گلگت کے مخصوص حالات کی وجہ سے تجارت سے منسلک ہوئے، ساتھ ساتھ مقامی سیاست سے بھی وابستہ ہوئے۔ F.C.R (ایف سی آر) کے دور میں سرکاری جرگوں میں جانا، دیگر عوامی معاملات کی تصفیہ کرنا اور B.D کی ممبر شپ اور دیگر مصروفیات کی وجہ سے علمی وتدریسی مشغلہ میں تعطل آگیا۔ آپ تجارت میں کامیاب ہوئے اور گلگت کے بڑے تجار میں شمار ہونے لگے۔ اس حوالے سے اس دور کے معتبر اور سنجیدہ لوگوں کے ساتھ نشست وبرخاست، سرکاری وسماجی اور خدمت خلق میں ہمہ وقت مصروف رہتے تھے۔ اس حوالے سے ایک خاص ٹیم تھی جن میں منشی عبدالجبار، سلطان محمد کیٹرو، جناب ٹھیکیدار کاکا صاحب، جناب شمشاد علی اور جناب حوالدار عبدالحکیمو غیرہ۔ رحمہم اللہ۔ گلگت میں بڑے فعال اور سماجی خدمات میں شہرت رکھتے تھے۔

جب 1972ء کو تنظیم اہل سنت والجماعت کی بنیاد ڈالی گئی تو مولانا مرحوم بھی تنظیم سے وابستہ ہوئے اور اہل سنت کے لئے وسیع پیمانے پر خدمات انجام دیں۔ گلگت کے مشہور بازار، راجہ بازار میں مولانا کی دوکان تھی جو گلگت کے سیاسی و مذہبی معاملات کے حوالے سے ایک مرکز ہوا کرتی تھی۔ وہاں شہر کے معززین اور سرکاری آفیسران کا آنا جانا ہوتا تھا۔ سائلوں اور حاجت مندوں کا تانتا بندھتا تھا، لوگ مولانا کے پاس ہر قسم کے مسائل لے کر آجایا کرتے تھے۔ ان لوگوں میں تمام مسالک کے لوگ ہوتے تھے اور مولانا بلاتفریق مسلک ومذہب تمام لوگوں کے مسائل سنتے اور ارباب حکومت سے رابطے کرتے، کبھی خود چل کر مختلف دفاتر میں جاتے اور لوگوں کے مسائل حل کرواتے۔ لوگوں کی دعوتیں بھی بڑی اہتمام سے کرتے تھے اور گویا یہ آپ کا معمول بن چکا تھا، طبیعت کا ایک حصہ بن گیا تھا۔ مولانا کے چونکہ ایڈمنسٹریشن کے ساتھ قریبی تعلقات تھے تو آپ ان کی حمایت اور اطاعت کی وجہ سے اباجان مرحوم کی ناراضگی بھی مول لیتے تھے۔ مگر بہت جلد ہی آباجان کو راضی کر کے دم لیتے۔ یہ مرحوم کی ایک نرالی صفت تھی، جو بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے۔

میں مرحوم کے ظرفِ سینہ کا اس طرح بھی معترف ہوں کہ ہمارے اباجان جان حضور سخت گیر اور خوب گرفت رکھنے والے تھے اور والد صاحب کی سخت کلامی کو مولانا مرحوم بخوشی سہتے ہی نہیں بلکہ اباجان کو ایک والد کا احترام دینے کے ساتھ ساتھ ایک صالح تلمیذ کی طرح خدمت بھی کرتے تھے۔ مزاج کے فرق کے باوجود ان دونوں بزرگوں کا تعلق دیدنی تھا۔ اباجانؒ کے پاس کوئی اچھی شئی آجائے تو آپ مولانا کو پیش کرتے اور اگر گھر میں کوئی اچھا اور لذیذ کھانا پکتا تھا تو اباجان ان کو بلواتے اور اپنے اکثر امور میں ان سے مشاورت بھی کرتے تھے۔ بعض اوقات ہم نے اباجان سے سنا کہ میرے تین بیٹے ہیں، یعنی مولانا نذیراللہ بھی میرا بیٹا ہے۔ گو ہمارے چھ بہنویوں میں سب بھائی کی طرح ہیں مگر آپ کے ساتھ تعلق خصوصی تھا اور تمام بہنویوں میں سب سے بڑے بھی تھے۔

1983ء کو آپ کی دکان ایک سازش کے تحت جلائی گئی اس کی وجہ بھی گلگت کی مذہبی کشیدگی تھی۔ ایک ڈپٹی کمشنر بدرالاسلام نے موجودہ متنازعہ روڈ پر تحریر دی تھی کہ اس سال ماتمی جلوس پر امن گزارا جائے آئندہ کے لیے روڈ تبدیل کر دیا جائے گا۔ محرم گذرنے کے بعد ڈپٹی کمشنر اپنے وعدہ اور تحریر سے مکر رہا تھا اور ڈی سی کے خیال میں یہ تحریر آپ کے دکان میں تھی مگر یہ تحریر اب بھی مولانا لقمان حکیم صاحب کے پاس محفوظ ہے۔ جب آپ ایف آئی آر درج کروانے تھانہ گئے تو ڈپٹی کمشنر بدرالاسلام موجود تھا۔ آپ سے سلام کے بعد ایف آئی آر درج کروانے کو کہا تو مولانا مرحوم نے انہیں کہا کہ آپ

میرے مجرم ہیں۔ تم نے ہی میرے دکان میں آگ لگوایا ہے مجھے اس بات کا مکمل یقین ہے۔ یہ بھی مولانا مرحوم کی خصوصیات میں تھی کہ آپ سرکاری آفیسروں کا بڑا خیال رکھتے اور جب ان پر برستے تو خوب برستے' ان کے اس نرالے انداز سے ان کے مرد آزاد ہونے کا خوب اندازہ ہو جاتا ہے۔

اس دکان کا جلنا آپ کے لیے اتنی راست آئی' وقتی طور پر کشمیری بازار میں اسلحہ کی دوکان کھولا، راجہ بازار کی دوکان حاصل کرنے کے بعد کرایہ پر دے دیا۔ 1984ء کو دارالعلوم نصرۃ الاسلام کا باقاعدہ اجراء کا فیصلہ ہوا۔ اس کی مشاورت سونیکوٹ میں دریا کے کنارے ہوئی۔ راقم الحروف گھر سے فروٹ اور چائے لے کر برلب دریا مجلس مشاورت میں لے گیا تھا۔ اس مجلس میں اباجانؒ ، جناب مولانا نذیراللہ خانؒ ، جناب مولانا گل شیر خانؒ ، جناب مولانا لقمان حکیم صاحب تھے۔ مولانا نذیراللہ خان کو اباجان نے اہتمام کی ذمہ داری سونپ دی۔ اور فوری ضروریات کے لیے اباجان نے فرمایا کہ جناب حبیب اللہ میر صاحب سے تعاون لو یا قرض لو، چنانچہ میر صاحب نے پانچ ہزار روپے عنایت فرمائے۔ جناب مولانا نذیراللہ خان صاحب جامعہ نصرۃ الاسلام کی میٹنگوں اور جلسوں میں ان پانچ ہزار روپیوں کا اکثر وبیشتر ذکر کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آہستہ آہستہ مدرسہ کی خدمت میں اتنے مشغول ہوئے کہ مدرسہ کے ہی ہو کر رہ گئے۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میری موت بھی مدرسے میں آئے۔

راقم الحروف کو B.A (بی اے) کے بعد دینی تعلیم بالخصوص درس نظامی کی تکمیل کے لیے کسی دینی ادارے میں جانے کے حوالے سے اصرار کرنے والوں میں مولانا مرحوم پیش پیش تھے۔ ان دنوں صدیقی ٹرسٹ کراچی والوں سے بھی حاجی سمیع اللہ صاحب کے توسط سے اباجان کا تعلق قائم ہو گیا تھا جنہوں نے جامعہ نصرۃ الاسلام کی بہترین خدمات انجام دیں۔ اللہ تعالیٰ جناب الحاج منصور الزمان صدیقی اور آپ کے تمام رفقاء و معاونین کو دوجہانوں میں جزائے خیر سے نوازے۔ نصرۃ الاسلام کی تعمیرات' طلباء کے اخراجات' گلگت کے مضافات میں مساجد کی تعمیر' جامعہ اسلامیہ داریل کی تعمیر' مساجد و مدارس کے چادریں اور دریاں فراہم کرنا' موسم سرما میں گرم کمبل اور کوٹ ٹرکوں میں بھر بھر کر ارسال کرنا یہ وہ خدمات تھی جو صدیقی ٹرسٹ والوں نے گلگت بلتستان میں انجام دیں اور مولانا نذیراللہ خان صاحب بنفس نفیس ان تمام اشیاء کو خود تقسیم فرماتے' نگرانی فرماتے' دور دراز کے علاقوں میں جا کر مستحق اور غریبوں میں بانٹتے۔ اس حوالے سے مولانا کو اکثر کراچی آنا ہوتا تو راقم الحروف کے پاس علامہ بنوریؒ ٹاؤن میں رہتے۔ جامعہ علوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤں کے اساتذہ اور طلبہ کے ساتھ مولانا کا تعارف ہوا کہ آپ حضرت مولانا یوسف بنوریؒ کے ابتدائی تلامذہ میں سے ایک ہیں تو بنوری ٹاؤن کے اساتذہ اور طلبہ آپ کا نہایت احترام اور خدمت کرتے۔ برادرم مولانا منیر احمد صاحب تو مولانا کا بیگ لے تادم واپسی' آپ کی معیت میں ہوتے اور خدمت کے فرائض انجام دیتے۔ زمانہ طالبعلمی کے دوران مولانا مرحوم نے میرے نام جو خطوط لکھے وہ محفوظ ہیں۔ مولانا جناب منصور الزمان صدیقی صاحب کا بے حد احترام کرتے اور ہر مجلس میں ان کا ذکر کرنا نہ بھولتے۔

1991ء میں جامعہ نصرۃ الاسلام کے پہاڑیوں پر چراغاں کرنے پر ایک تنازعہ کھڑا ہوا۔ وہاں کچھ فسادات ہوئے۔ انتظامیہ نے فسادات کرنے والے اور چراغاں کرنے والوں کو کچھ کہنے یا انہیں روکنے کے بجائے جامعہ نصرۃ الاسلام کے ذمہ داروں کو موردالزام ٹھہرا کران کو گرفتار کیا۔ انتظامیہ نے اپنی نااہلی کو چھپانے کے لیے ضعیف العمر علماء' مولانا نذیراللہ خان' مولانا لقمان حکیم' حاجی محمد عظیم صاحب داریل والے اور دیگر کئی بے گناہ افراد و طلبہ کو گرفتار کر کے قید وسلاسل میں ڈال دیا یوں ان بزرگوں نے سنت یوسفؑ کو زندہ کرتے ہوئے چھ ماہ کی اسارت کو کاٹ کر باعزت رہا ہوئے۔

مولانا مرحوم اور دیگر علماء کرام وطلباء کی رہائی کے لیے ہم تمام اہلسنت نے بے حد کوششیں کی ہیں اور دعاؤں کا اہتمام

بھی کیا گیا ہے۔ راقم الحروف کی طالبعلمی کا زمانہ تھا' سالانہ تعطیلات میں گلگت آیا ہوا تھا۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ راولپنڈی یا اسلام آباد سے کسی نامور وکیل کو کیس کی پیروی کرنے کے لیے بلایا جائے، اس کار خیر کے لیے راولپنڈی کا سفر ہوا۔ اس سفر میں جناب حاجی شاہین مرحوم جو ڈپٹی اسپیکر جمیل احمد کے والد صاحب ہیں، (خود جمیل صاحب بھی گرفتار تھے) جناب عبدالقادر سابق جیلر کی معیت میں ناچیز کا سفر ہوا۔ وہاں پر مولانا چراغ الدین صاحب راولپنڈی والے کے توسط سے جناب رب نواز صاحب کو وکیل مقرر کیا اور جناب برادر محمود غزوی کے توسط سے ریٹائرڈ جسٹس عبدالحکیم کو وکیل مقرر کیا گیا۔ ان وکلاء صاحبان نے نہایت عمدہ طریقے سے اس کیس کی پیروی کی۔ ساری قوم اس موقع پر بیدار تھی۔ محترم شاہین صاحب اور محترم عبدالقادر سابق جیلر صاحب کی خدمات قابل ذکر ہیں۔ دوران گرفتاری تمام ساتھیوں سمیت مولانا نذیراللہ خان مرحوم صاحب کا حوصلہ دیدنی تھا۔ جامعہ نصرۃ الاسلام کی نگرانی' طلبہ کی تعلیم وتربیت اور قیام وطعام کی فکر کے علاوہ مولانا مرحوم نہایت استقامت وبہادری کے ساتھ جیل میں رہے۔ ایام اسیری مین ہمیشہ خوش وخرم اور توانا نظر آرہے تھے۔

عیدگاہ بم سازش میں مولانا مرحوم نے تمام ملزمان کے ناموں کے ساتھ ایف آئی آر درج کرائی، ملزمان کی گرفتاریوں کے حوالے سے جرات مندی کا مظاہرہ کیا، جس پر اس وقت کے ریذیڈنٹ جناب عنایت اللہ صاحب نے گرفتاریاں عمل میں لائی اور حکومت کی رٹ کا بھرپور عملی مظاہرہ کیا۔

تقریباً 1996ء کی بات ہے۔ ہمسایہ ملک چین سے کچھ طلباء دینی علوم کی تحصیل کے لیے جامعہ میں پڑھنے کے لیے آئے تھے۔ مرحوم ان کی خدمت کا خاص خیال رکھتے تھے۔ انہیں رہائش کے لیے الگ کمرہ بھی دیا ہوا تھا۔ مگر بدقسمتی سیفاروق لغاری صاحب کے دورہ چائنہ کے دوران چائنہ حکومت نے ان طلباء پر سخت احتجاج کیا۔ چنانچہ صدارتی حکم کی تعمیل کرکے راتوں رات ان طلبہ کو گرفتار کرکے چائنہ کے حوالہ کردیا گیا۔ یہ ساری کاروائی رات کو اچانک پولیس کے چھاپے سے ہوئی۔ اس وقت کے آئی جی جناب خورشید عالم صاحب نے نہایت افسوس کا اظہار کیا۔ اگلے دن تنظیم اہل سنت کی طرف سے اتحاد چوک میں شدید احتجاج بھی ہوا۔ یوں طالبان علوم نبوت تحصیل علوم نبوی کی تکمیل سے رہ گئے۔

اللہ رب العزت کے خصوصی کرم ہوا کہ چائنہ میں کچھ عرصے بعد ان بے گناہ طلبہ کو رہائی بھی ملی۔ جناب جاوید پراچہ صاحب کی توسط سے قومی اسمبلی میں اس امر غیر شرعی پر آواز اٹھایا گیا۔ مولانا مرحوم کو اس کا شدید دکھ ہوا۔ اس معاملے میں مولانا بے قصور تھے۔ ان حالات پر مولانا کے بعض اپنوں کی تحریریں (جو ملک کے بڑے دینی جرائد میں چھپ چکی تھی) مرحوم نہایت ناراض اور شاکی رہتے تھے۔ تفصیلات کا یہ موقع نہیں۔

مولانا مرحوم حکومت اور سنی عوام کے درمیان پل کی حیثیت رکھتے تھے۔ بیوروکریسی کے ساتھ ان کے خوشگوار تعلقات تھے۔ سرکاری احباب کو دعوتوں کا اہتمام تو ان کا مشغلہ خاص تھا۔ ان سے کام لینا بھی اچھی طرح جانتے تھے بلکہ کام لیتے تھے۔ ان کی حمایت میں کبھی کبھار راقم کو جلال بھی دکھاتے تھے۔ اور بعض اوقات مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ تم گرم تار ہو اور میں ٹھنڈی تار۔ اگر ان میں سے ایک تار کی بھی موجودگی نہ ہو یا کنکشن کٹ جائے تو بجلی ندارد۔ اس لحاظ سے کام بہتر ہو رہا ہے۔ اپنی جگہ گرمی سردی دونوں کی ضرورت ہے۔

مولانا مرحوم تنظیم اہل سنت والجماعت کو دل سے چاہتے تھے اور تنظیم کے ذمہ داروں کو بھی مکمل احترام دیتے تھے۔ نرم مزاج ہونے کے باوجود اصولوں کے حوالے سے سخت گیر واقع ہوئے تھے۔ اسی وجہ سے مخالفین بھی آپ کی قدر کرتے تھے اور تمام طبقات میں احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ مولانا مرحوم کی سادگی طبع کی وجہ سے بعض اوقات مخصوص سیاسی

طبقات اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے آپ سے فائدہ بھی اٹھا رہے تھے بلکہ مولانا کو غلط پٹیاں پڑا کر غیر ضروری کام کرتے اور لیتے، ساتھ ہی مولانا کی سرپرستی کا حوالے دیتے۔ مرحوم پولیس کے بھی نگران ہوا کرتے۔ ایک دفعہ آئی جی سے ملاقات کر کے آئے، تو ہمیں بتایا کہ جب میں وہاں گیا تو آئی جی تمام اضلاع کے ایس پی صاحبان کو لے کر میٹنگ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی کھڑے ہوئے اور اپنے ایس پیز کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ میں تمہارا آئی جی ہوں اور یہ حضرت میرے آئی جی ہیں۔ اس طرح بعض اوقات آپ سے قوم شکایات بھی کرتی تھی مگر جلد اپنے نیک اعمال اور دینی خدمات سے ان شکایات کا بھرپور ازالہ بھی کرتے، اس طرح مولانا مرحوم کے ساتھ کبھی شکر رنجی ہوتی رہتی اور پھر وہ ختم بھی ہو جاتی۔ کیونکہ مرحوم میں معاف کرنے کی صلاحیت بہت تھی۔

اپنے اعزہ کے معاملے میں کافی زیادہ حمایت کا جذبہ رکھتے تھے۔ قرابت داروں اور تعلق داروں کی خوشی وغمی میں برابر کے شریک ہوتے۔ عیدین میں بچوں کو عیدی انتہائی شوق سے دیتے۔ جامعہ نصرۃ الاسلام کے ساتھ تاحیات ایسی وابستگی رہی کہ شاید ہی کوئی مہتمم مولانا کی طرح نرالی صفات کا حامل ہو۔ انتقال کے وقت جامعہ ان کا ذاتی طور سے آٹھ لاکھ کا مقروض تھا جو ادا کر دیا گیا۔ اپنی ذاتی جائیداد (مکہ مارکیٹ گلگت) سے پانچ دکانیں جامعہ کے لیے وقف فرمایا اور اپنا ذاتی رہائشی مکان بھی مدرسۃ البنات کے لیے وقف فرمایا۔ اپنی جائیداد کا ایک بڑا حصہ ایک ٹرسٹ کے ذریعے وقف فی سبیل اللہ کیا۔ ٹرسٹ کے اراکین اپنے دامادوں کو مقرر کیا اور مولانا عتیق الرحمان لاہور والے داماد کو ٹرسٹ کا چیئرمین مقرر کر دیا اور دیگر جائیداد اپنی صاحبزادیوں میں برابر تقسیم کیا۔ یوں مولانا اپنی آخرت کا ذخیرہ کر گئے۔ البتہ مولانا نے اپنی جائیداد کی تقسیم کے حوالے سے مجھ سے کوئی مشورہ نہیں کیا بلکہ اسٹام تحریر کر کے پھر اسے اٹسٹ (تصدیق) کروا کے مجھے دکھایا۔

اپنی جائیداد میں سے ایک دکان محلے کی مسجد کو وقف کر دیا۔

حضرت والا نے بیسویں حج اور عمرے کیے، بیت اللہ سے ان کو بلاوا آتا ہے جو اللہ کے مقرب ہوتے ہیں۔ کئی دفعہ آپ نے قومی حج کانفرنسوں میں وفاق میں گلگت بلتستان کی نمائندگی کی۔ خدام الحجاج میں بھی خدمات انجام دیں

قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمان جب 1994ء میں گلگت تشریف لائے تھے۔ حضرت مرحوم سے ملاقات اور سلام عرض کرنے کے لیے جامعہ حاضر ہوئے تھے۔ جناب مفتی جمیل صاحب شہید اقرا روضۃ الاطفال کے حوالے سے جب بھی آتے تو باقاعدگی سے آپ کے پاس حاضر ہوتے تھے۔ 1999 میں جب شیخ محترم حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید گلگت تشریف لائے تھے۔ حضرت کے ساتھ ایک قافلہ تھا۔ نلتر گئے، رات گزارنے کی ساتھیوں نے خواہش ظاہر کی اور ادھر مولانا نذیر اللہ خان صاحب نے مدعو کیا تھا، حضرت لدھیانویؒ نے فرمایا کہ رات کو ڈنڈے والے پیر صاحب کی دعوت ہے اس لیے یہاں رہنا مشکل ہوگا۔ اس طرح آپ اکابر کے ساتھ بے تکلف اور محبت بھرا تعلق رکھتے تھے۔ مولانا مرحوم نے گلگت بلتستان میں مشقت بھری محنت اور جدوجہد کی ہے جو تاریخ کا ایک انوکھا باب ہے۔ سیاست وتجارت کے ساتھ طویل عرصہ وابستہ رہنے کے باوجود دیوبند کے جذبات اور فکر سے حد درجہ لگاؤ رکھتے۔ ماشاء اللہ

خدا رحمت کنند ایں عاشقان پاک طینت را

راقم کا حضرت کے ساتھ قریبی تعلق رہا ہے، بعض اوقات اپنے گھر کے معاملات میں بھی مشورہ فرمالیا کرتے اور فرماتے کہ گھر والوں کو نہ بتائیں۔ آج یہ عظیم شخصیت ہم میں موجود نہیں ہے، مگر ان کی لازوال خدمات' قربانیاں اور احسانات تاحیات زندہ جاوید رہیں گی۔ مولانا مرحوم کی نرینہ اولاد نہ تھی۔ راقم کے اصرار پر دوسری شادی کر لی مگر اس سے بھی ایک بیٹی ہوئی، مرحوم اس پر ہم سے بہت خوش ہوئے تھے۔ ہماری بڑی بہن نے بھی برا نہیں مانا بلکہ اچھا برتاؤ کیا۔ اپنا بیٹا نہ ہونے پر

انہیں کبھی غمگین نہ دیکھا۔ اللہ تعالیٰ کی رضا و قضاء پر خوش تھے، ہمیشہ مطمئن نظر آتے تھے۔ جون 2010ء کو آپ کے ساتھ لاہور کا ایک سفر ہوا۔ یہ سفر وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس شوریٰ کے حوالے سے تھا۔ شوریٰ کی ایک اس اجلاس میں صدر وفاق مولانا سلیم اللہ خان شیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ نے ہمیں گلگت سے خصوصی طور پر بلایا تھا۔ مرحوم کے ساتھ یہ سفر بہت ہی خوشگوار رہا۔ لاہور میں خواہش ظاہر کی کہ پرانے تجارتی دور کے احباب سے ملاقات کی جائے۔ یوں انارکلی مارکیٹ لاہور گئے، دوستوں سے ملے۔ واپسی پر مولانا اکثر اپنی ضعف کا تذکرہ کرتے۔

مولانا مرحوم نے اباجان کی وفات کے بعد گلگت کے کشیدہ حالات کو عمدہ طریقے سے نبھایا۔ جامعہ نصرۃ الاسلام کی ذمہ داریوں کے ساتھ 1988ء تک تنظیم اہل سنت کے مرکزی نائب امیر بھی رہے۔ جامعہ کی معاونت کے لیے ہر وقت اور ہر ایک سے رابطے میں رہتے۔ ملک اور بیرون ملک کے اسفار کیے۔ مولانا مرحوم کے حکم پر راقم بھی کراچی کا سفر کرتا رہا، بالآخر حضرت کے حکم پر یہ کام چند دوستوں کے سپرد کر دیا جو کافی اچھے معیار پر جا رہا تھا۔ یہ احباب ان ذمہ داریوں کو بجالانے کے بجائے اپنی ذاتی اور علیحدہ مصروفیات میں محنت کرنے لگے جس کا مرحوم کو بڑا قلق تھا، اس کی تفصیل پھر کبھی سہی۔

مولانا صاحب مرحوم گلگت بلتستان کی طرف سے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے مجلس عاملہ کے رکن بھی رہے۔ جسے بعد میں مولانا کے اپنوں نے خودساختہ طور پر فارغ کرنے کی کوشش کی تاہم ایسا نہ ہوسکا۔

مولانا نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ یہ موضوع بھی کافی تفصیل طلب ہے۔

مرحوم نے جمیعت تعلیم القرآن کو گلگت بلتستان لایا، ان کے اکابر کے ساتھ ہمسایہ ملک چین کاشغر تک تشریف لے گئے، ان خدمات کی بھی ایک طویل داستان ہے۔ جمیعت تعلیم القرآن کے گلگت کے اولین صدر بھی رہے۔

اباجان مرحوم نے خود ہنزہ علی آباد کا سفر کیا، مسجد قباء کی بنیاد رکھی۔ اس کی تعمیرات میں صدیقی ٹرسٹ نے مرکزی کردار ادا کیا۔ اباجان کی وفات حسرت آیات کے بعد مولانا مرحوم نے اس مسجد قباء کی تعمیر و ترقی اور تزئین و آرائش میں عمدہ کردار ادا کیا اور تاحیات اس کی آبادی اور ترقی کی طرف متوجہ رہے۔

جامعہ نصرۃ الاسلام، تنظیم اہل سنت اور خطے کے تمام طبقات کے لیے یکساں خدمات رہی۔ تمام مسالک میں آپ کا بے حد احترام پایا جاتا۔ اسماعیلی ریجنل کونسل سے بھی آپ کے قریبی تعلقات تھے۔

مرحوم کی وفات اور اس پر تعزیات کے لیے آنے والوں کا تانتا بندھتا رہتا تھا، اس سے آپ کی مقبولیت کا خوب اندازہ ہو جاتا تھا۔ آپ 21، 22 اکتوبر شب جمعہ مختصر علالت کے بعد ہم سب کو داغ مفارقت دے گئے۔ آپ کی خواہش تھی کہ عیدگاہ کے محراب کے ساتھ سامنے قبلہ کی جانب مدفون ہوں مگر آپ نے اس پر استفتاء بھی مانگا، تاہم شرعی طور پر مفتی عبدالباری صاحب رئیس الجامعہ نے اس کی اجازت نہیں دی، جس کی وجہ سے آپ کو آپ کے پیش رو اور آپ کے روحانی باپ حضرت مولانا قاضی عبدالرزاقؒ کے پہلو میں دفنایا گیا۔ مرحوم کی خدمات ہمیشہ زندہ و تابندہ رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور درجات بلند فرمائے۔ آمین یارب العالمین

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مقالات و مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا نذیر اللہ صاحب رحمہ اللہ سے میری شناسائی......

مولانا مفتی غلام مصطفیٰ صاحب غفرلہ
خلیفۂ مجاز حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ و مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور

....

ہمارے ماموں قاضی عبد الرزاق صاحب رحمہ اللہ کے چند ہر دل عزیز شاگردوں میں سے حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب، مولانا گل شیر مرحوم اور مولانا نذیر اللہ صاحب مرحوم ہیں۔ قاضی صاحبؒ نے ان کو اپنی نگرانی میں دارالعلوم دیوبند بھیجا تھا، یہ وہاں سے عالم فاضل ہوکر آئے۔ قاضی صاحبؒ نے ان میں سے مولانا نذیر اللہؒ کے ساتھ اپنی بڑی بیٹی کا عقد فرمایا تھا، اس طرح مولانا ہمارے خاندان کے ایک فرد ہوگئے۔ مولانا نذیر اللہ صاحب مرحوم نے اس عزیز داری کو خوب نباہا تھا، ہر ایک کی غمی خوشی میں شریک رہتے تھے، کوئی مسئلہ گھمبیر پیش آجاتا تو یہ فوراً حل کے لیے کوشاں ہوجاتے تھے۔ میرا نکاح بھی حضرت مرحوم نے پڑھایا تھا، نکاح کے بعد دعا میں آپ نے فرمایا "یا اللہ ان دونوں جوڑوں میں وہ محبت عطا فرمادے جو نبی کریم ﷺ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے درمیان تھی۔" اس کے بعد میں بھی جب کسی کا نکاح پڑھاتا ہوں تو یہی دعا دیتا ہوں۔

مولانا مرحوم سے میری شناسائی بچپن ہی سے تھی، اس کی وجہ یہ بنی کہ میں بچپن میں حصولِ علم کے سلسلے اپنے ماموں جناب حضرت مولانا قاضی عبد الرزاق رحمہ اللہ صاحب کے ہاں رہتا تھا، ماموں مرحوم مجھے قرآن شریف پڑھاتے تھے اور مولانا نذیر اللہ صاحبؒ مجھے نور الایضاح اور حکایات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا درس دیا کرتے تھے۔ حکایات صحابہؓ پڑھنے سے جہاد کا شوق اسی زمانہ میں مجھے پیدا ہوا تھا۔ اسی دور میں مولانا نذیر اللہ صاحب رحمہ اللہ سے کچھ نوجوان مشکوٰۃ شریف بھی پڑھتے تھے۔ آپ کی علمی استعداد عمدہ تھی، مولانا نذیر اللہ صاحب رحمہ اللہ سے عموماً لوگوں کا علمی استفادہ رہتا تھا، یہ وہ زمانہ تھا کہ طالب علم مسجدوں میں پڑھتے تھے اور اہلِ علاقہ طالبعلموں کی کفالت کیا کرتے تھے۔ لیکن مولانا نذیر اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ایک تجارت پیشہ خاندان سے ہونے کی وجہ سے ابتداءً تعلیم و تعلم کی طرف توجہ بہت کم رہی، مگر مدرسہ نصرۃ الاسلام گلگت کے قیام کے بعد اپنی انتھک مساعی سے حضرت نے سابقہ کمی یا عدم توجہی کی تلافی کردی تھی۔

آپ کی سیاسی زندگی کا پہلو بھی ہمہ گیر ہے۔ آپ علماء دیوبند کے نمائندہ بزرگ تھے اور جمعیت علماء اسلام سے وابستگی بھی رہی، ان کے زمانہ میں گلگت کی مقامی انتظامیہ مولانا مرحوم سے مشورہ و راہنمائی کو خصوصی اہمیت دیتی تھی۔ ان کی پالیسی تھی کہ حتی الامکان مذہبی تصادم نہ ہو، یہی پالیسی حضرت قاضی عبد الرزاق صاحب مرحوم کی بھی تھی، مگر اس کا مطلب یہ بھی نہیں تھا کہ حق پرستی چھوڑ کر مداہنت سے کام لیا جائے اور اہلِ سنت والجماعت کے حقوق پر سودے بازی کو کمائی اور عزت افزائی کا ذریعہ بنالیا جائے۔

لیکن شومئی قسمت کہ ہمسایہ ملک ایران میں انقلاب کے بعد گلگت کے حالات خراب تر ہوتے چلے گئے۔ ظاہر ہے جب ایک طبقہ سرکاری سرپرستی میں پھل پھول رہا ہو اور بیرونی امداد سے اس کے وارے نیارے ہو رہے ہوں تو معاشرے میں

عدم توازن اور یک طرفہ فیصلوں کا رجحان تو تقویت پکڑے گا۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ ایک مخصوص طبقہ ہمیشہ اسلام دشمنوں سے ساز باز کرتا چلا آیا ہے۔ دیکھا جائے تو دورِ حاضر میں بھی مسلم مقبوضہ علاقوں میں یورپ وامریکہ کی نیابت اسی طبقے کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کی زندہ مثال عراق ہے۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ لوگ 'مرگ برامریکہ' کا نعرہ بھی لگاتے ہیں اور جہاں موقع ملے امریکہ کو کندھا بھی پیش کرنے کے لیے تیار کھڑے ہوتے ہیں۔ اب تو فرقہ وارانہ تصادم شمالی علاقہ جات میں اتنا پھیل گیا ہے کہ پاکستان کی شہ رگ کراچی میں بھی جید علماء کرام وعوام کے قتل وغارت میں ملوث مخصوص طبقوں اور لسانی گروپوں کے عسکری ڈانڈے گلگت بلتستان سے ملتے پائے گئے ہیں۔ ہمارے معاشرے کی موجودہ قتل وغارت والی روش نے مولانا نذیر اللہ صاحبؒ وغیرہ بڑوں کے پرامن مشن پر پانی پھیر دیا ہے۔ قاضی عبدالرزق صاحب مرحوم (جو مولانا کے خسر تھے اور جن کی شخصیت گلگت بلتستان کے لوگوں کے لیے باعثِ برکت تھی) کے جانے کے بعد تو گلگت بلتستان کے حالات مزید دگرگوں ہوگئے ہیں، جب تک آپ حیات تھے تو قتل وغارت کی نوبت نہیں آنے دیتے تھے، فرماتے تھے گلگت ایک چھوٹی سی جگہ ہے، اگر نوبت قتل وغارت تک آگئی تو دونوں فرقوں کو روٹی تک بھی میسر نہیں ہوگی اور یہ تنگیٔ معیشت میں مبتلا ہوجائیں گے۔ مگر بغور جائزہ لیا جائے تو قتل وغارت کی ابتداء بھی فریقِ مخالف کی طرف سے ہی ہوئی تھی، جیسے ہی پورے ملک میں جید اہل سنت علماء و اکابر کا خون بہایا گیا، فرقہ وارانہ جنگ بھڑک اٹھی، جسے آج تک نہیں دبایا جاسکا۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ ہمیں حق پر قائم رہنے، اسلام کی حفاظت کرنے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے، اور ہمارے علاقے گلگت بلتستان سے شر وفتنے کا قلع قمع فرما کر اسے امن کا گہوارا بنادے۔ اور کوئی فتنہ وفساد نہ ہو، سب اپنے اپنے حدود میں امن سے رہیں۔ آمین

یہ چراغ ہمیشہ جلتا رہے

سہ ماہی نصرۃ الاسلام ایک دینی مجلّہ ہے، اس میں کوئی غیر شرعی اشتہار شائع نہیں کیا جاتا۔ اپنے کاروبار میں وسعت کے لیے سہ ماہی نصرۃ الاسلام میں اشتہار دیجئے۔ یہ مجلّہ پورے پاکستان کی بڑی دینی درسگاہوں، یونیورسٹیوں، کالجز اور تمام اہم اداروں اور شخصیات کو اعزازی جاری کیا جاتا ہے، یاد رہے آپ صرف اشتہار نہیں دیتے بلکہ ایک دینی جامعہ کی عملی مدد بھی کررہے ہوتے ہیں۔ تو آیئے! قدم بڑھائے، اپنے اشتہار بک کروایئے، نیز سالانہ معاہدہ کرنے والوں کے ساتھ مزید رعایت کی جائے گی۔ اشتہارات کے لیے ان نمبروں پر رابطہ کریں۔ 03462974626

سہ ماہی نصرۃ الاسلام گلگت کے اشتہارات کے نرخ نامے

بیک سائیڈ ٹائٹل ۴ کلر	10,000	فرنٹ انٹر ٹائٹل ۴ کلر	10,000
فرنٹ انٹر ٹائٹل بلیک اینڈ وائٹ	8,000	بیک انٹر ٹائٹل ۴ کلر	6,000
بیک انٹر ٹائٹل بیلک اینڈ وائٹ	5,000	اندرونی مکمل صفحہ	3,000
اندرونی نصف صفحہ	2,000	اندرونی کوارٹر صفحہ	1,000

مضامین و مقالات

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

تحریر: عطاءاللہ شہاب

جون 1947ء میں براستہ سری نگر، اس نے سرزمین ہندوستان پر قدم رکھا۔ جس دنیا کو چھوڑ کر وہ چلا تھا وہ اس دنیا سے یکسر مختلف اور بدلی ہوئی تھی جس میں وہ داخل ہو رہا تھا' جو دنیا وہ چھوڑ چلا تھا وہاں خاموشی تھی' سکون تھا' انجماد تھا' زندگی کچھوے کی چال سے بھی آہستہ چل رہی تھی اور جہاں داخل ہوا تھا وہ شور و غل تھا' ریل پیل تھی' انسانوں کا ہجوم تھا، روڈ کنارے کھڑے وہ اور اس کا ہمسفر گاڑیاں گزرنے کا انتظار کی کشمکش سے دوچار تھے، بھوک نے ذرا ستایا تو ساتھ میں کھڑی ریڑی سے کیلے خرید لائے تا کہ کچھ پیٹ پوجا ہو سکے۔ عجب اتفاق کہ کیلے اس سے قبل انہوں نے کبھی بھی دیکھا بھی نہیں تھا کھانا اور چکھنا تو دور کی بات ٹھہری۔ پاس سے گزرنے والے ایک بڑے میاں کی نظر ان پر پڑی، بڑے میاں سیانے تھے ان کی حیرت و تعجب بھانپ گئے، تسلی کے لیے ان سے پوچھا کہ کیوں رے بہادرو، کیا پریشانی تمہیں کھائی جا رہی ہے۔ اردو کے حرف ابجد سے انہیں بمشکل واقفیت تھی' اشاروں اور کنایوں میں کیا پوچھ بیٹھے کی کیلے کے ساتھ کیا سلوک روا رکھنا چاہیے، بڑے میاں نے ریڑی والے سے دو کیلے خریدے اور نہایت سلیقے سے چھلکے اتارے اور یکے دیگر بعد دو کیلے کھائے۔ اور پھر کیا تھا کہ وہ اور اس کا ہم سفر' پاس پڑے کیلوں پر یوں ٹوٹ پڑے جیسے گورکھا رجمنٹ کشمیر میں صدائے حریت بلند کرنے والے احتجاجی مظاہرین کو منتشر کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہوں۔

ٹیکسی گاڑی کیسے اور کیوں کر رکوائی جاتی ہے ان آداب سے بھی وہ دونوں نابلد تھے، چھوٹے چھوٹے اور معصوم دیہاتی خیالات ان کے دل و دماغ میں آتے تھے عمل کی کوئی راہ نہ پا کر کرچی کرچی ہو جاتے تھے۔ تحیر اور تذبذب کے عالم میں تھے کہ حضرت مولانا گل شیر خان رحمۃ اللہ اپنے کچھ ہم سبق دوستوں کے ہمراہ تانگے پر سوار کہیں جا رہے تھے کہ ان کی نظر گلگتی وضع قطع والے ان نوجوانوں پر پڑی۔ حضرت مولانا گل شیر خان رحمۃ اللہ کی نظر بڑی تیز تھی فوراً انہیں پہچان لیا اور جھٹ سے اپنے دوستوں سے کہا کہ ارے بھائی تانگہ رکوادو۔ یہ تو اپنے نذیر اللہ اور حبیب اللہ ہیں۔ خضر راہ کی صورت ملنے والے مولانا گل شیر خان صاحب انہیں اپنے ہمراہ دیوبند لے آئے، دارالعلوم دیوبند میں داخلوں کا موسم نہیں تھا، سالانہ امتحانات ہونے والے تھے، امتحانات کے بعد سالانہ چھٹیاں ہوتی ہیں۔ باقاعدہ تعلیمی اور تدریسی سلسلہ موقوف ہو جاتا ہے، چنانچہ ڈیڑھ ماہ تو یونہی دارالعلوم میں رہے، پھر ماہِ رمضان کے بعد داخلے شروع ئے ہوئے تو باضابطہ طور پر دارالعلوم میں داخلہ لیا۔ اور ایک سنہرے دور کا آغاز ہوا، کئی برسوں تک وہیں دارالعلوم دیوبند میں وقت کے اکابر علماء کرام سے شرفِ تلمذ حاصل کرتے رہے' دل و دماغ کے بند دروازے کھلے اور برابر کھلتے گئے' فکر و شعور لحہ بہ لحہ پروان چڑھنے لگا، جہالت اور لاعلمی کے پردے ڈھیرے ڈھیرے سرک کے گرنے لگے۔ ان کی طرح ان کے ہوش و حواس بھی نہایت سرعت رفتار سے جوان ہونے لگے۔ دارالعلوم دیوبند میں رہتے ہوئے اپنی دنیا سے کٹ کر رہ گئے۔ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علیؒ، حکیم الامت قاری محمد طیبؒ، اور دیگر اکابرین علمائے دیوبند سے کسب فیض کرتے رہے' دن ہفتوں میں، ہفتے مہینوں

میں، مہینے سالوں اور برسوں میں بدلتے رہے، کئی موسم آئے اور چلے گئے۔ کبھی بہار تو کبھی خزاں، کبھی گرما تو کبھی سرما باری باری آتے جاتے رہے مگر انہوں نے پلٹ کر اپنے گھر کا منہ نہ دیکھا۔ والدین، عزیز و اقارب اور دیس کی یاد جب بھی ستاتی تو وہاں کے مقامی ہم مکتب دوستوں کے ہمراہی میں ہندوستان کے مختلف شہر گھوم آتے اور یوں وہ اپنا غم غلط کرنے کی سعی کرتے۔ سالانہ چھٹیاں ہوتی تھیں تو کبھی کوئی خاص فن مثلاً صرف ونحو پڑھنے میں لگ جاتے تو کبھی دورۂ تفسیر قرآن کریم میں خود کو مصروف رکھا۔ کبھی کبھار سالانہ چھٹیوں میں ہندوستان کے اپنے ہم مکتب رفقاء کے ساتھ آگرہ، کیرانہ، بنگلور، دلی اور ہندوستان کے دوسرے بڑے بڑے شہروں میں گھومے پھرے۔ ہندوستان بھر میں انتخابات ہوئے تو امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد، گاندھی، نہرو اور نامور مسلم و غیر مسلم ہندوستانی سیاسی و مذہبی راہنماؤں کی تقریریں بھی سنی، شناختی کارڈ ہندوستانی بنوایا تھا، قانونی اعتبار سے ہندوستانی قرار پائے تھے۔ اس لیے وہاں کے انتخابات میں ووٹ بھی کاسٹ کیا، اتفاق کی بات تھی یا پھر دارالعلوم دیوبند میں جمیعت علمائے ہند کے اکابرین کی زیر تربیت رہنے کی وجہ سے کانگریس کو ووٹ دیا۔

قیامِ پاکستان کے ایام میں ہندی مسلمانوں پر جو قیامت ٹوٹ پڑی تھی، ان میں سے کچھ واقعات کا انہوں نے بنفس نفیس مشاہدہ کیا۔ دارالعلوم دیوبند کے درسگاہوں میں جہاں تاریخ پڑھ رہے تھے وہیں دارالعلوم کے احاطے سے باہر تاریخ مرتب ہوئے عملاً دیکھ بھی رہے تھے۔ تاریخ کے ان طالب علموں کا کبھی وہم و گمان بھی نہ رہا ہوگا کہ وہ خود تاریخ دارالعلوم دیوبند کا معتبر و مستند حوالے بنیں گے۔ کئی برس دارالعلومِ دیوبند کی عظیم عالمی و آفاقی علمی درسگاہ میں زیر تعلیم و تربیت رہ لینے کے بعد پندرہ سالہ نذیر اللہ اور چودہ سالہ حبیب اللہ اپنے استاد محترم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کی ہدایت پر کلکتہ (بنگال) تدریس کرنے میں لگ گئے۔ جبکہ مولانا نذیر اللہ وطن مالوف، پاکستان لوٹ آئے۔ پاکستان میں آکر جامعہ بنوری ٹاؤن میں حضرت مولانا سید یوسف بنوریؒ سے بھی شرفِ تلمذ حاصل کیا۔

حضرت مولانا نذیر اللہ خان مرحوم کا یہ ایک سنہرا دور تھا جو خالصتاً حصولِ علم پر محیط تھا جبکہ دوسرا دور مولانا مرحوم کا تب شروع ہوتا ہے جب وہ گلگت کی سرزمین پر واپس تشریف لاتے ہیں۔ مختلف تعلیمی، تدریسی اور تبلیغی مصروفیات اور مشاغل میں یوں مگن ہوئے ہیں کہ یہی امران کی پہچان بن جاتا ہے۔

پھر رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوجاتے ہیں۔ قاضی عبدالرزاقؒ کے خانوادے میں رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوکر ایک نئی زندگی کا آغاز کرتے ہیں، حضرت قاضی صاحب مرحوم، ایک بہت بلند اور مستند شخصیت کے مالک تھے، عالم تبحر، بہترین مدرس، زبردست خطیب اور زیرک مفتی اور نہایت جلالی مزاج کے حامل علمی شخصیت تھے۔ بھرپور قائدانہ صلاحیت اور اس صلاحیت کا عملی مظاہرہ ان کے سوا تھا۔ حضرت مولانا نذیر اللہ خان صاحبؒ ان جملہ صفات کے حامل حضرت قاضی صاحب مرحوم کا داماد ٹھہرنا ہر دو جانب مضبوطی کا باعث بن گیا۔ مضبوط علم اور مستحکم معاشرتی قوت ایک ساتھ مجتمع ہو تو اچھی سوسائٹی ڈویلپ ہوتی ہے اور معاشرے پر اس کے گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ کچھ اس طرح کی قابل تقلید کیفیت یہاں پر بھی تھی، جو حضرت قاضی صاحبؒ کے انتقال پر ملال سے ادھوری رہ گئی اور جو ادھوری تھی وہ حضرت مولانا نذیر اللہ خان مرحوم کی رحلت سے مزید ادھوری پڑ گئی۔ تحریر کا یہ حصہ تفصیل طلب ہے جس کی یہاں چنداں ضرورت نہیں۔

رشتۂ ازدواج کے ساتھ منسلک ہونے کے بعد مولانا نذیر اللہ خانؒ نے اپنے کاروبار کا آغاز کیا۔ اور اس زمانے کی گلگت کی سب سے بڑی مارکیٹ راجہ بازار میں اسلحے کی دوکان تھی جو اچھے اور کامیاب تاجر کی علامت تھی۔ معاشی طور پر

قدرے خودکفیل ہونے کے ساتھ ہی مولانا نذیراللہ خانصاحبؒ نے خطے میں مروجہ سیاست کا آغاز کیا۔ عوامی نمائندگی کرتے ہوئے خدمت خلق کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔ کاروبار اور خدمت خلق کے سلسلے برابر چلتے رہے۔ قدرت مولانا نذیراللہ خانصاحبؒ پر مہربان تھی اور خود بھی ایک نہایت فعال اور متحرک شخصیت تھے بس پھر کیا تھا کہ کاروبار بھی پھیلتا گیا اور عوامی خدمت کا سلسلہ بھی وسیع ہوتا گیا۔

حضرت مولاناؒ کی گفتگو کا مہذب انداز، اور چھوٹے بڑے کو ان کے مراتب کے حساب سے معاملات طے کرنا کا ڈھنگ مولانا کی شخصیت کو منفرد بنانے کا باعث بن گئے۔ اور بہت کم عرصے میں علاقے کی مذہبی، معاشرتی اور نیم سیاسی سکرین پر نمودار ہوئے۔ اور ایک بہترین سیاسی مزاج مذہبی رہنما کے طور پر شہرت پانے لگے۔ مذاکرات، صلح وصفائی اور باہم گفت وشنید، اب حضرت مرحوم کی شخصیت کے لاحقے بن گئے تھے۔

اپنے لچکدار مذہبی رویے اور احترام کو فروغ دینے والے انداز گفتگو کی بدولت حکومتی وانتظامی اعلیٰ وادنیٰ عہدہ داروں کے ساتھ بڑے خوش گوار مراسم پیدا ہوئے۔ اور معاشی حوالے سے بہتر حالات ہونے کی بناء پر مہمان نوازی میں نام کمانے لگے، دوستوں کو، دوستوں کے دوستوں کو، اعلیٰ وادنیٰ حکام کو دعوتیں کرنا اور مختلف بڑی شخصیات کو بلانا' حضرت مرحوم کی شخصیت کا دوسرا غالب پہلو کے طور پر سامنے آیا۔ ہر دوسرے روز ان کے گھر کوئی نہ کوئی دعوت یا تقریب ضرور منعقد ہوتی رہتیں تھی، سرکار کی بھی ہر تقریب میں حضرت مولانا نذیراللہ خانصاحبؒ کو لازمی طور پر مدعو کیا جاتا تھا، یہ ان دنوں کی بات ہے جب انتظامیہ کے ایک معمولی کارندے کی حیثیت وعزت آج کے DSP سے بھی زیادہ ہوتی تھی۔ ڈپٹی کمشنر سے ملاقات' کسی سربراہ مملکت سے ملاقات سے کم گردانی نہیں جاتی تھی۔

علاقے کا نظام ہی کچھ ایسا تھا کہ جہاں تعلقات اور سیاسیات آج کے انداز سیاست سے یکسر مختلف تھے۔ آج ایک سیاسی نظام ہونے کی وجہ سے سیاسی قائدین اور مختلف سیاسی پارٹیوں کے راہنماؤں کی اہمیت اور کردار یقیناً اس دور کی نسبت بہتر بلکہ بہت بہتر ہے۔ سرکار کی جس تقریب میں حضرت مولانا نذیراللہ مرحوم کو مدعو نہ کیا جاتا تو اسی بات پر ان کا ردعمل کیا ہوتا تھا خود مولانا نذیراللہ خانصاحبؒ کے الفاظ ملاحظہ فرکیجئے۔

''جس کسی سرکاری تقریب یا محفل میں مجھے نہیں بلایا جاتا تھا وہ دن میرے لیے بہت بھاری ثابت ہوتا تھا، ایسا محسوس ہونے لگتا تھا کہ گویا میں بے وجود ہو گیا ہوں''۔

اس دور میں مولانا نذیراللہ خانصاحبؒ شہرت کی بلندیوں پر پہنچ چکے تھے۔ گلگت' بلتستان' دیامر' استور اور غذر کا کوئی چپہ یا گاؤں ایسا نہ تھا جو مولانا نذیراللہ خانصاحبؒ کی شخصیت سے ناآشنا ہو' دوسرے دور کا یہ دوسرا حصہ آپؒ کی اعلیٰ انتظامی، تجارتی، سیاسی اور اقتصادی صلاحتیوں کے اظہار کا بہترین دور تھا۔ مال تھا' جائیداد تھی' تجارت تھی' سیاست تھی' خاندان تھا' جوانی تھی' بیان وتقریر کے حوالے سے بھلا کی صلاحتیں تھیں' اپنوں اور غیروں مین یکساں مقبول تھے۔ حاسدین کے حسد اور ناقدین کی تنقید کے زد میں آنا شروع ہو گئے۔ معاشی ترقی اور بڑھتی ہوئی مقبولیت سے کئی اپنے در پردہ ان کے مخالفین اور ناقدین کے ہم خیال وہم پیالہ بن چکے تھے۔ وسعت خیالی' عام میل ملاپ اور انتظامیہ وسرکار کے اعلیٰ عہدہ داروں کے ساتھ تعلقات کے تناظر میں حضرت مولانا مرحوم کی حد سے زیادہ ملامت اور تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ بعض ایسے بے ہودہ قسم کے الزامات بھی آپ کے سر تھوپے گئے جن کا سرے سے کوئی وجود ہی نہ تھا۔ انتظامیہ کے اعلیٰ حکام سے معاشی مفادات حاصل کرنے کے حوالے سے بھی

آپ کافی مطعون رہے ہیں۔ الناس اعداء لما جہلوا کا عملی مظاہرہ اور مشاہدہ، گلگت کی سرزمین میں خوب ہوتا رہا۔ بالخصوص حضرت مولانا مرحوم کے ساتھ تو بہت ہوا۔ اور آج بھی بڑے شد و مد کے ساتھ یہ سلسلہ جاری ہے۔ کسی کی تنقید، تنقیص اور ملامت میں اخلاقی، معاشرتی آداب اور دینی تعلیمات کی مقررہ حدود سے تجاوز کیا جاتا ہے۔ جو کل بھی یہاں جاری تھا اور آج بھی یہاں جاری ہے۔ کل کسی کے قریب مشاہدہ کر رہے تھے اور آج اپنے قرب میں مشاہدہ کر رہے ہیں۔

اس دور کی خاص بات یہ ہے کہ جامع مسجد اہلسنت کی خطابت اور قضاء کے اعلیٰ مناصب پر حضرت علامہ قاضی عبدالرزاق صاحبؒ فائز تھے جبکہ حضرت قاضی صاحبؒ کے رفقاء کار میں حضرت مولانا گل شیر خانؒ حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب دامت برکاتہم، حضرت مولانا لقمان حکیم صاحب مدظلہم تھے۔ حضرت مولانا نذیر اللہ خانصاحبؒ بھی اس کارواں کے ایک رفیق تھے چونکہ مولانا مرحوم کا حضرت قاضی صاحبؒ کے ساتھ سسر داماد کا رشتہ بھی تھا' اور اس کارواں پر حسب ضرورت حضرت مولانا مرحوم انفاق فی سبیل اللہ، کا متواتر مظاہرہ بھی کرتے رہے ہیں۔ اس کارواں کا ہر فرد مقتدی بھی تھا اور اپنی ذات میں مقتدا بھی تھا۔

اس وادیِ گُل کا ہر غنچہ خورشید جہاں کہلاتا ہے

جو رِند جہاں سے اٹھا ہے' وہ پیر فغاں کہلایا ہے

بڑی عمدہ رفاقت اس کارواں کے رفقاء میں پائی جاتی ہے۔ میر کارواں خوئے دلنوازی اور جان سپر سوز جیسی خوبیوں سے لبریز جو تھے۔ حضرت مولانا نذیر اللہ خانصاحبؒ کے رفقاء کار کی شخصیت اور کردار پر نظر ڈالی جائے تو اس کارواں کی اہمیت وافادیت مزید نکھر کر سامنے آئی گی۔

حضرت مولانا گل شیر خانؒ شیریں سخن، قادرالکلام، وسیع المعرف، باذوق اور صاحب جمالیات شخص تھے' بلند قد وقامت' بارعب چہرہ اور علاقائی رسم ورواج اور تہذیب وثقافت سے کمال کی حد تک واقفیت رکھنے والے عالم دین تھے۔ متقدمین فضلائے دارالعلوم دیوبند میں سے تھے۔ اپنے پرائے' دوست دشمن' سرکاری وغیر سرکاری شخصیات اور افراد کو اپنی خوش گفتاری اور شیریں سخنی سے چند لمحوں میں اپنا ہم نوا بنا لیتے تھے۔

حضرت مولانا حبیب اللہ مدظلہم، فاضل دارالعلوم دیوبند ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کا تدریسی' تبلیغی اور اصلاحی رنگ آپ پر غالب ہے، انتہائی سادہ مزاج اور دنیا کے جھمیلوں سے بڑی حد تک ناواقف ہیں۔ جو کام اور ذمہ داری حضرت مولانا صاحب مدظلہم کو تفویض کی جائے تو وہ کام کر گزرنے میں تاخیر کو بڑا عیب گردانتے ہیں۔ اردو بڑی شستہ اور سلیقہ والی بولتے ہیں' لکھنے لکھانے کے حوالے سے بڑے خوش نویس واقع ہوئے ہیں۔

حضرت مولانا لقمان حکیم صاحب مدظلہم العالی۔ حضرت بڑے جلالی مزاج کے ہیں۔ فنِ خطابت وتقریر میں کمال مہارت رکھتے ہیں۔ مطالعہ کا بڑا عمدہ ذوق رکھتے ہیں۔ فتاویٰ نویسی بھی کرتے رہے ہیں، اور اب بھی حسب ضرورت فتاویٰ نویسی کرتے ہیں۔ حالات کتنے بھی گھمبیر ہوں' ماحول اور فضا جتنی بھی پُر خطر ہو، نہایت خندہ پیشانی سے سامنا کرنے کی بھرپور صلاحیت سے مالا مال ہیں۔ میر کارواں حضرت مولانا قاضی عبدالرزاق صاحبؒ کی دینی خدمات مختلف اور متنوع قسم کی ہوتی تھیں۔ یہ چاروں حضرات' حضرت قاضی صاحبؒ کے مختلف امور میں خوب ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔ چنانچہ بڑے بڑے اور اہم امور نہایت سہولت اور بہت جلدی میں انجام پذیر ہوتے تھے۔ ایک اعلیٰ صلاحتیوں کی یہ حسین اور منظم رفاقت تھی اور

دوسری' ''البرکۃ مع اکابرکم'' کا پرتو تھا۔ اس کاروانِ حق میں مرحوم سردار رسول میر صاحبؒ اور محمد انور کا وزن اور کردار بھی خوب رہا ہے، اس کارواں کی امانت کے حاملین حضرات کو تاریخ کے اس نا قابل فراموش حصے کو فراموش ہونے سے بچانے کے لیے کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے، مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن ہرگز نہیں کہ جسے ضبط تحریر میں نہ لایا جاسکے۔

ایک دو کے علاوہ وہ نامور لوگ اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے جن کے سایہء عاطفت میں زندگی گزارنا فخر وسعادت کی علامت گردانا جاتا تھا۔ ؎ ذہب الذین یعاش فی اکنافہم

حضرت مولانا قاضی صاحبؒ اس حوالے سے واقعتاً بڑے خوش نصیب واقع ہوئے تھے کہ انہیں ایسے متنوع صلاحیتیوں کے حامل رفقاء کار ملے۔ جنہوں نے حضرت قاضی صاحبؒ کے افکار وعزائم کو عملی جامہ پہنانے میں بھرپور اور شاندار کردار ادا کیا۔ کوئی تعلیم وتدریس میں حضرت قاضی صاحبؒ کا معاون بنا' کوئی معروضی حالات میں مساعد اور غم خوار بنا' کسی نے اجتماعی اور ملی معاملات کو آگے بڑھانے میں معاشی طور پر دل کھول کر حصہ لیا' کوئی عوام میں حضرت قاضی صاحبؒ کا ہم نوا بنا' کوئی خواص میں رفیق کار کے طور سامنے آیا اور کسی نے سرکاری حلقوں میں ترجمانی کے فرائض انجام دیئے۔

مولانا نذیر اللہ خان صاحبؒ کا کردار اس باب میں نہایت وسیع دکھائی دیتا ہے، مولانا مرحوم پر کی گئی حد سے زیادہ تنقید کے پردے، میں چاک کر کے جب اَمرِ حقیقت سے دیکھنے لگتا ہوں تو خوش گوار تعجب وحیرت میں پڑ جاتا ہوں کہ اس قدر جاں لٹانے والوں کو کس قدر ستایا گیا۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو خود قاضی صاحب مرحوم کی شخصیت بھی سائبان کی مانند تھی جوان سبھی حضرات پر سایہ فگن رہتی تھی۔ تب ہی تو یہ حضرات آگے بڑھ رہے تھے، مشن پھیل رہا تھا، نظریہ غالب ہوتا جارہا تھا، سکڑنے میں کمی اور وسعت میں اضافہ ہو رہا تھا، آج یہ تصور عنقاء ہوتا جارہا ہے۔ ؎ یہی تفاوت از کجا تا بکجا

اس کے بعد مولانا نذیر اللہ خانصاحبؒ کی زندگی کا تیسرا دور شروع ہوتا ہے جب آپ کے اسلحہ کارتوس کی دوکان کو نذر آتش کیا جاتا ہے، جو گلگت شہر کے اس وقت کی سب سے بڑے بازار، راجہ بازار میں واقع تھی۔ لاکھوں روپے کی مالیت کی یہ دوکان آناً فاناً خاکستر ہوگئی۔ واقعہ کی تحقیقات اور تفصیلات سے ہٹ کر ایک بات تاریخ کے ساتھ شیئر کرنا چاہتا ہوں کہ اس واقعے نے حضرت مولانا مرحوم کی زندگی کی کایا ہی پلٹ دی اور اس کی رواں اور پیہم رواں زندگی نے انقلابی کروٹ لی اور جامعہ نصرۃ الاسلام سے جڑ گئے۔ اپنے رفقاء کی مشاورت سے حضرت قاضی صاحبؒ نے مولانا نذیر اللہ خانصاحب کو جامعہ اسلامیہ نصرۃ الاسلام کا اہتمام سونپ دیا' تب سے حضرت مولانا نذیر اللہ خانصاحبؒ نے خود کو جامعہ اسلامیہ کے لیے وقف کر دیا اور اب یہی ادارہ آپ کی کل مصروفیات کا محور ٹھہرتا ہے۔

اب مولانا کی صبحیں اور مولانا کی شامیں' مولانا کے دن اور مولانا کی راتیں اسی ادارے کی خدمت کے لیے نذر ہوتی ہیں۔ تدریسی جذبات' اہتمام کی خدمات اور روزمرہ دینی' ملی اور معروضی حالات میں شاندار کردار آگے پیچھے ایک ساتھ چلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ دینی ادارے کے منصب اہتمام وانتظام میں انگوٹھی میں نگینے کے مانند فٹ ہو جاتے ہیں۔ پہلے گلگت سے باہر تعلقات کا عنوان کچھ اور ہوتا تھا اب جامعہ اسلامیہ ان تعلقات کا اول وآخر ٹھہرتا ہے۔

انہیں بڑھتے ہوئے تعلقات میں ایک سلسلہء تعلق جناب الحاج منصور الزمان صدیقی سے قائم ہوجاتا ہے۔ صدیقی صاحب اعلیٰ انتظامی صلاحیتیوں کے مالک ایسے تاجر ہیں جو تقویٰ اور پرہیزگاری کی صفات سے ایسے متصف ہیں کہ جب بھی ہم ان سے ملے ہیں اس حوالے سے بدون کچھ کہے بہت کچھ سیکھ لیا، ہر زاویے میں وہ ہمیں قابلِ تقلید حد تک قابل تعریف لگے۔

ان کے نام سے موسوم وقائم' صدیقی ٹرسٹ کی برانچ شمالی علاقہ جات (موجودہ گلگت بلتستان) میں قائم کی جاتی ہے۔
حضرت مولانا مرحوم صدیقی ٹرسٹ کے علاقائی منتظم کی حیثیت سے سماجی ورفاہی کاموں کا آغاز کرتے ہیں اور ایک بہترین شوشل ورکر (سماجی کارکن) کی حیثیت سے خوکو منواتے ہیں، مولانا صاحب اس حوالے سے سیاسی زیادہ سماجی کم لگتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود اس دور میں بڑی گرانقدر خدمات انجام دی۔ جبکہ شہر میں جاری مذہبی ومسلکی روایات کو ایک نئی جہت بخشتے ہیں، فرقہ واریت کی دلدل میں پڑنے کا آغاز کرنے والے شہر گلگت میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا سنگ بنیاد رکھتے ہیں۔ مختلف مکاتیب فکر کے مذہبی و سیاسی زعماء اور قائدین کے ساتھ نہایت خوش گوار تعلقات استوار کر لیے۔ جو علاقے کی ایک ضرورت بھی ٹھہرتی ہے، اس کی شدت کا کسی کو بھی ادراک نہ تھا وگرنہ اس دور کے جملہ مکاتیب فکر کے مذہبی قائدین خصوصیت کے ساتھ ایک اچھا آغاز، ہم آہنگی کے حوالے سے فراہم کر سکتے تھے۔ آج کا دلخراش اور فرقہ وارانہ تعصّبات سے بھر پور گلگت اس طرح کے کردار کا متلاشی ہے۔

مولانا نذیر اللہ خانصاحب کی زندگی میں ایک مقام ایسا آتا ہے کہ جب اور جہاں اس کی اپنی خواہشات عملی میدان میں باہم ٹکراتی ہیں، جلنا اور کڑھنا کچھ عرصے کے لیے ان کا مقدر بن جاتا ہے۔ پھر وقت کے دیئے ہوئے وہ گھاؤ مندمل ہونے لگتے ہیں، تمہیدی کلمات کے بعد اس جانب اشارے کیے دیتے ہیں۔

مولانا صاحبؒ کی زندگی میں وہ دن قیامت سے کم نہ تھا جب حضرت قاضی عبدالرزاق صاحبؒ کا انتقال پر ملال ہو جاتا ہے۔ حضرت قاضی صاحبؒ کی رحلت کے بعد کئی ذمہ داریاں حضرت مولانا پر عائد ہوتی ہیں۔ حضرت قاضی صاحبؒ کے صاحبزادے مولانا نثار احمد صاحب کی تعلیم وتربیت کا معاملہ' جو ایک چیلنج سے کم نہ تھا۔ مولانا مرحوم نے اس چیلنج کو قبول کیا اور اس میں سرخرو بھی ہوئے۔ اب مولانا نثار احمد صاحب تعلیم سے فراغت کے بعد گلگت کا رخ کرتے ہیں۔ اور جامعہ اسلامیہ سے جڑ جاتے ہیں۔ حضرت مولانا گل شیر خانؒ اور حضرت مولانا لقمان حکیم صاحب مدظلہم ایسے نابغہ ءروزگار شخصیات بھی ادارے کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ لاکھ جتن کے بعد مولانا نثار احمد صاحب کو حضرت قاضی مرحوم کی خطابت مرکزی جامع مسجد اور امارت تنظیم اہل سنت والجماعت پر متمکن کیا جاتا ہے۔ اتار چڑھاؤ کے اس کھیل میں مولانا نذیر اللہ مرحوم مقررہ حدود سے بہت آگے نکل گئے........ لوٹے تو کامیاب لوٹے' لیکن........ یہ کہانی پھر سہی۔

دوسری طرف گلگت شہر کی سیاست میں تلاطم بپا ہو جاتا ہے، حضرت مولانا مرحوم کے بھتیجے سیف الرحمان مرحوم عرف ''خانو'' گلگت شہر کی سیاسی سکرین پر بڑے دبنگ انداز میں نمودار ہوتے ہیں۔ 1994ء کے این اے کونسل کے انتخابات کے موقع پر عجب کشمکش کی صورت حال پیدا ہوتی ہے۔ انتخابی حلقے سیاسی جماعتوں سے زیادہ مذہبی ومسلکی افکار کے زیر اثر زیادہ تھے اور آج تو اس سے بھی کہیں زیادہ ہیں۔ حضرت مولانا مرحوم کے دو قریبی بلکہ انتہائی قریبی شخصیات ایک دوسرے کے قریب آ چکے ہوتے ہیں۔ مارے خوشی کے مولانا کی باہنیں کھلتی ہیں۔ اتنی کھلی کہ بند ہونے کا نام نہیں لیتی ہے۔ پھر وقت گویا مولانا کے ہاتھ سے سرک رہا ہے کہ یہی دونوں قریب ہونے والی شخصیات ایک دوسرے کے مدمقابل بن کر سامنے آجاتے ہیں کہ انتخابی سیاست میں راہیں جدا ہو جاتی ہیں.....وہ اس طرح کہ مولانا نثار احمد جواب قاضی نثار احمد صاحب کے منصب جلیلہ پر فائز ہو چکے ہوتے ہیں، گلگت این اے دو (۲) سے کسی اور صاحب کی حمایت کا اعلان کرتے ہیں جبکہ اسی حلقے سے سیف الرحمان مرحوم بھی ایک مضبوط انتخابی امیدوار کی حیثیت سے رنگ میں موجود ہوتے ہیں۔ اختلاف کی کوئی خاص وجہ بھی نہیں ہوتی ہے پر اتنی بڑی خلیج آپس میں آجاتی ہے کہ پاٹنا مشکل ہو جاتا ہے۔ انتخابی معرکہ ہو جاتا ہے، قاضی نثار احمد صاحب

کا حمایت یافتہ امیدوار بھی ہار جاتا ہے اور سیف الرحمان مرحوم بھی شکست سے دوچار ہو جاتا ہے۔ پھر تو یہ سیاسی و مذہبی قائدین ایک دوسروں کے خلاف صف آراء ہو جاتے ہیں، تضحیک و تنقید اور تنقیص کا ایک لمبا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، یہ حالات حضرت مولانا نذیر اللہ مرحوم کے لیے سوہان روح بن جاتے ہیں۔ جس کرب کے ساتھ مولانا مرحوم نے وہ دن گزارے ہیں اس کا اندازہ آج کے حالات میں نہیں کیا جا سکتا ہے، سالا بھائی کے ہاتھوں بھائی بیٹے کی شکست یا پھر دو چاہنے والے ایک دم سے مخالف ہو جائیں واقعی تکلیف دہ ہوتا ہے۔ پاور پالیٹکس میں یہ کچھ چلتا ہے اور آئندہ بھی کئی انہونیاں ہو سکتی ہیں۔ اس لیے سیاست و مذہب کے میران کے رجال کار اس تلخ حقیقت سے نا آشنا نہ رہے تو بہتر ہوگا۔ کرسی اور منصب' ہر نئے آنے والے کو، خوش آمدید کہتا ہے۔ تازہ پھولوں کے جھرمٹ میں اس سنگھاسن پر بٹھاتا ہے لیکن کرسی' سرک جائے یا پھر منصب چلا جائے تو یہ دونوں چیزیں جانے والوں پر آنسو نہیں بہاتے اور پھر بقول حضرت مولانا ابوالکلام آزاد، سیاست کے سینے میں دل نہیں ہوتا ہے۔ حضرت مولانا نذیر اللہ خانصاحبؒ کی شخصیت کا ایک اور خوب صورت پہلو یہ بھی رہا ہے کہ مولانا نے سرپرستی کی ایک ایسی مثال قائم کی کہ جو کسی طور نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے، جامعہ نصرۃ الاسلام کا اہتمام ہو، تنظیم اہل سنت والجماعت کی امارت و صدارت ہو یا مرکزی جامع مسجد کی خطابت، مولانا مرحوم نے مولانا قاضی نثار احمد کی خوب سرپرستی کی، قاضی نثار احمد صاحب کی جلالی گفتگو کو ہمیشہ جمالیاتی خول چڑھا کر پیش کرتے تھے۔ بعض مواقع اور مراحل پر مولانا مرحوم کی تجرباتی اور تجزیاتی نصیحتیں' الہامی کلمات' لگتے تھے۔ عملی زندگی میں اختیار کرتے ہوئے قاضی نثار احمد صاحب کی خلوت کی فضا مولانا مرحوم کی پند و نصائح پر غور و خوض کرنے کے لئے بڑی مفید اور خوش گوار ثابت ہوتی تھیں۔

جہاں ایک طرف یہ سرپرستی تھی وہاں دوسری جانب حافظ حفیظ الرحمان چیف کوارڈینیٹر پاکستان مسلم لیگ (ن) گلگت بلتستان کی برابر سرپرستی فرماتے رہے۔ لبرل سیاسی لیڈر اور خالصتاً مذہبی راہنما کی سرپرستی بظاہر آگ اور پانی کو ایک برتن میں اٹھانے کے مترادف تھا۔ اس حوالے سے حضرت مولانا مرحوم کی ذات بڑی حد تک تنقید کے زد میں بھی رہی، جو بلاوجہ نہ تھی۔ حضرت مولانا مرحوم کی سرپرستی کے باوجود بارہا ان دونوں سیاسی و مذہبی راہنماؤں سے معمولی اور غیر معمولی نوعیت کا اختلاف بھی رہا ہے جو یقیناً مولانا مرحوم کی اصلاح پسند طبیعت کا شاخسانہ تھا۔ اس حوالے سے بعض اختلافات نے حضرت مولانا مرحوم کو بہت حد تک مایوس بھی کر دیا تھا، ان اختلافات کا تذکرہ یہاں مناسب بھی نہیں اور گنجائش بھی نہیں اور پھر موقع محل بھی نہیں۔ حضرت مولانا مرحوم کی رحلت سے خلیج نما جو خلا پیدا ہوا ہے وہ دیر سویر چلتی رہے گی، لیکن قاضی نثار احمد صاحب اور حافظ حفیظ الرحمان کو ایک عظیم، شفیق اور غم خوار سرپرست کی کمی کو شاید کبھی پوری کر پاسکیں گے۔

حضرت مولانا نذیر اللہ خانصاحبؒ کے ساتھ ہمارا بھی اچھا تعلق رہا ہے' قرابت داری کے علاوہ حضرتؒ کی قیادت و سیادت میں ہم نے فراغت کے بعد جامعہ اسلامیہ نصرۃ الاسلام میں کئی سال تدریس کے فرائض انجام دیئے اور دیتے رہے ہیں۔ جامعہ میں تدریس کے حوالے سے ایک تو میرا اپنا ذوق بھی تدریس کا تھا اور اوپر سے حضرت مولاناؒ کی شفقت سے بھرپور شخصیت کا بھی دخل تھا۔ حضرت مولاناؒ اس حوالے سے بھی عجب اور لاجواب صفات کے حامل تھے۔ جتنا قریب سے ہم نے انہیں دیکھا یقین مانئے وہ نہایت وسیع المشرب' وسیع الظرف اور بڑا روشن فکر عالم دین تھے، تنقید کرنے والوں نے تو یہ حد کردی کہ حضرت مولانا کی چنیدہ خدمات اور نمایاں خوبیوں کی بھی' خرابیوں میں شمار کیا۔ ۲۵ سالوں سے زائد عرصہ جامعہ اسلامیہ نصرۃ الاسلام کے منصب اہتمام و انتظام پر فائز رہے لیکن حرام ہو جو کبھی انہوں نے جامعہ سے مشاہرہ یا تنخواہ لی ہو' بلکہ

جب بھی معاشی حوالے سے جامعہ پر مشکلات آئی ہیں حضرت مولاناؒ نے اپنے پاس سے جامعہ کی امداد کی اور مسلسل کرتے رہے ہیں۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ حضرت مولانا کو اللہ تعالیٰ نے اسی حوالے سے بھی نوازا تھا۔

جن دنوں حضرت مولانا اپنی اعلیٰ علمی انتظامی، سیاسی اور مذہبی صلاحیتوں کی بدولت ترقی کے منازل طے کررہے تھے اسی زمانے میں بعض اپنے لوگ ان پر تبراء کی حد تک تنقید کرتے تھے اور یوں خود کو مطمئن رکھنے کی ناکام کاوش کرتے تھے۔ مولانا انسان تھے اور وہ بھی چودھویں صدی کے انسان تھے، غلطیوں سے قطعاً مبرا نہیں تھے۔ چھوٹی موٹی غلطیاں یقیناً ہوئی ہونگی۔ ان کی غلطیاں شمار کرنے کا غیر اعلانیہ مقابلہ اور مسابقہ بھی ہوتا رہا ہے۔ جس میں ان کے مخالفین اور نقاد تو تھے ہی مگر ان کے دستر خوان سے ہمہ وقت پیٹ بھرنے والے بھی بڑی تعداد میں تھے۔

ہم نے حضرت مولانا کی شخصیت کا اجمالی خاکہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے' وگرنہ ان پر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔ کچھ طوالت کے خوف سے چھوڑا اور بہت کچھ تلخ حقائق کو برداشت نہ کرنے والے عوام وخواص کے ڈر سے نہیں لکھا، وگرنہ مولانا مرحوم کی زندگی کے کئی گوشوں پر سیر حاصل بحث چھیڑنے کا من کررہا تھا۔ کیا اپنوں کے ساتھ بہتری سوچنے اور کرنے والوں کو یہی صلہ دیا جاتا ہے؟۔ چار مواقع پر حضرت مولانا نذیر اللہ خانصاحبؒ نے ہمیں بڑا حوصلہ دیا، اور خوب ہمت افزائی کی اور شاباش دی۔ ایک مرتبہ اس وقت جب ہم نے حضرت کے حکم اور خواہش پر جامعہ میں مشکوٰۃ اول پڑھائی۔ دوسرا تب جب ہم نے لکھنا شروع کیا اور ہمارے مضامین مختلف رسائل وجرائد میں چھپنے لگے، اور ہمارے نام جامعہ کے پتے پر اندروں وبیرون ملک سے رسائل آنے لگے تھے۔ تیسرا اس وقت جب ہم اڈیالہ جیل میں پانچ ماہ کی قید کاٹ کر گلگت ہوائی اڈے پر اترے تھے تو اور اکابرورفقاء اور جماعتی عہدہ داروں اور کارکنوں کی طرح حضرت مولانا بھی ہمارا استقبال کرنے ہوائی اڈہ آئے تھے۔ ہم سے بغل گیر ہوئے اور بغل گیر ہوتے ہوتے ہمیں بھینچ لیا اور ہمیں تھپکی دی اور بولا.. ''' شاباش بیٹے'''۔ وہ عجب لمحہ تھا جس کی مٹھاس اور شیرینی بھی ہم بھول نہیں پائینگے۔ چوتھا اس وقت جب ہم گلگت بلتستان کونسل (سینٹ) کے رکن منتخب ہوئے۔ ساری دنیا نے ہمیں ہمارے گھر آکر مبارکباد دی جبکہ حضرت مولانا سے مبارک باد لینے ہم جامعہ گئے۔ مولانا نے بڑے تپاک سے ہمیں خوش آمدید کہا اور مبارکباد دی اور بولا'' بھئی آپ کو اپنی اور جماعت دونوں کی فتح مبارک ہو''،

حضرت مولانا صاحبؒ کے ساتھ اختلاف واتفاق کی بھی صورتیں اور شکلیں رہی ہیں۔ قارئین پر مزید بوجھ بننا، انکے لیے بھی اور خود اپنی صحت کے لیے بھی مفید نہیں سمجھتا۔ سواب اختتام کی جانب لوٹتے ہیں؛۔ ۲۰اکتوبر ۲۰۱۰ء کو دارالعلوم دیوبند سے علم وہدایت کا نور مستعار لینے اور لانے والا یہ آفتاب گلگت کی فضاؤں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غروب ہوجاتا ہے۔ تو کئی خانے آن واحد میں خالی ہوجاتے ہیں۔ ان خالی خانوں پر کئی لوگ آدھمکیں گے، دوسرا کوئی بیٹھنے کی حد تک نشست کا وہ خلا پر ہوجائے گا مگر باطنی وحقیقی طور پر وہ مقامات اور جگہیں حضرت مولانا مرحوم کے وجود اور شخصیت کی متلاشی رہیں گے۔

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

ان کا خاندان خداوند قدوس کے فضل وکرم سے پھیلا ہوا ہے۔ داماد رشتے میں کئی سارے ہیں، بعض بڑی خوبیوں والے بھی ہیں، سسرالی رشتہ داروں میں بھی اچھے پڑھے لکھے اور باصلاحیت افراد موجود ہیں۔ تعلق والوں میں بھی کئی علماء اور سیاسی راہنما ہیں مگر دیکھنا یہ ہے کہ حضرت مولانا کے کس کس ادا کو نبھانے کے لیے کون کون آگے آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا نذیر اللہ خانصاحبؒ کے درجات بلند فرمائے۔ ؎ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

مقالات و مضامین

آہ! مولانا نذیر اللہ خان رحمہ اللہ

قاری عبدالحکیم استوری

سابق ممبر: جی بی اسمبلی و رہنماء جے یوآئی گلگت بلتستان

....

فاضل مادر علمی دارالعلوم دیوبند، شاگرد رشید شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ حضرت مولانا نذیر اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعارف تو اس وقت ہوا تھا جب میں غالباً ۹، ۱۰ سال کا تھا۔ میرے بڑے بھائی حضرت مولانا عبدالقیوم مدظلہ مدرس مدرسہ نصرۃ الاسلام گوجرانوالہ مجھے اپنے ساتھ پنجاب لے جارہے تھے، یہ غالباً 1964ء کا سال تھا، ہوائی جہاز میں ٹکٹ مولانا نذیر اللہ خان مرحوم کی وساطت سے ہوا تھا۔ اس زمانے میں پنجاب کی طرف آمدورفت کا سلسلہ ہوائی جہاز کے ذریعے ہوا کرتا تھا اور بڑوں کا ٹکٹ ۳۵ روپے جبکہ چھوٹوں کا کنسیشن ٹکٹ ۲۵ روپے کا ہوتا تھا۔ ہوائی جہاز کا دارمدار موسم پر ہوتا تھا۔ استور سے آنے کے بعد ہم تقریباً تیس (۳۰) دن تک روزانہ آئرپورٹ جاتے اور خرابی موسم کی وجہ سے جہاز کا سفر کینسل کیا جاتا اور ہم واپس اپنی راہ لیتے اور سیدھا مولانا مرحوم کی دکان راجہ بازار میں پہنچ جاتے، مولانا کی اسلحے اور منیاری کی دکان ہوا کرتی تھی۔ عصر کی نماز حضرت مولانا قاضی عبدالرزاق صاحبؒ کی اقتداء میں جامع مسجد میں پڑھتے اور رات گزارنے کے لیے حضرت مولانا ابوالفراحؒ صاحب کی مسجد میں چلے جاتے۔ مولانا صاحب بڑے مہمان نواز اور مخلص انسان تھے۔ خوب خاطر مدارت کی۔ بڑی مشکل سے ہم پنجاب پہنچے۔ جب بھی مدرسہ اشرف العلوم گوجرانوالہ سے چھٹیوں پر آتے تو مولانا مرحوم سے ضرور ملاقات ہوتی۔ جب ہم حفظ القرآن سے فارغ ہوئے تو بھائی صاحب نے ہمیں مدرسہ ضیاء العلوم بیگم پورہ لاہور میں داخل کیا۔ ہم دس افراد تھے۔ ہم بھائیوں کے علاوہ سونی کوٹ کے مولانا سید عالم شاہ صاحب اور ان کے بھانجے مولانا سید ولایت شاہ صاحب بھی تھے۔ استاد محترم مولانا لطیف الرحمان صاحب مدظلہ اور مولانا نذیر اللہ خان مرحوم صاحب ہم زلف تھے اور مولانا قاضی عبدالرزاق صاحب نوراللہ مرقدہ کے داماد تھے جس کی وجہ سے مزید تعلق استوار ہوا۔

ہوتا تھا اس لیے حضرت مولانا قاضی عبدالرزاق رحمۃ اللہ اور مولانا نذیر اللہؒ سے مزید قربت بڑھتی گئی اور سیاسی و مذہبی امور میں ان سے مشاورت اور رہنمائی لیتا رہا۔ جامعہ نصرۃ الاسلام کا جب بھی ذکر ہوتا ہے تو سرفہرست دو حضرات کا تصور میرے ذہن میں شدت سے ابھرتا ہے۔ ان میں ایک حضرت مولانا گلشیر خان صاحب مرحوم جنہوں نے اپنی شب و روز کی کاوشوں سے کونوداس کا یہ عظیم خطہ اہل سنت والجماعت کو آباد کرانے میں مرکزی کردار ادا کیا۔ جہاں پر آج عیدگاہ، مدرسہ نصرۃ الاسلام، مسلمانوں کا قبرستان اور تبلیغی مرکز قائم ہوا ہے۔ دوم حضرت مولانا نذیر اللہ خان صاحب مرحوم جنہوں نے اپنی تجارتی زندگی کو خیر آباد کہہ کر بے آب و گیا اس ادارے میں ڈیرہ ڈال دیا۔ حضرت قاضی صاحب مرحوم کی مستجاب الدعوات دعاؤں اور ان دونوں شیخین کی شبانہ روز محنت نے مدرسے کو رونق بخشی جو آج نظر آرہی ہے۔ اور یہاں مولانا عبدالمنان استوری کا ذکر نہ کرنا بھی ان کے ساتھ

زیادتی ہوگی۔ حضرت قاضی صاحبؒ کی سرکردگی اور رہنمائی میں مولانا گل شیر خان صاحبؒ اور مولانا نذیراللہ خان صاحبؒ اور مولانا عبدالمنان صاحب مدظلہ مدرسے کے قیام کے لیے چندہ کے لیے ضلع غذر اور دیگر علاقوں میں جاتے تھے۔ اللہ ان تمام صاحبان علم وعمل اور فکرودانش کو جزائے خیر دے جنہوں نے اہل سنت عوام کے لیے اتنی بڑی تکلیفیں برداشت کیں۔

غالباً 1990 کا سال تھا حضرت مولانا نذیراللہ خان صاحب نے راقم الحروف پر زور دیا کہ میں مدرسہ نصرۃ الاسلام میں آکر کر نظامت سنبھال لوں۔ میں حضرت کے حکم کو ٹال نہ سکا اور حاضر خدمت ہوا۔ یوں تقریباً ایک سال تک جامعہ نصرۃ الاسلام کی نظامت کرنے کا موقع ملا۔ میری نظامت کے دوران ایک عجیب واقع پیش آیا۔ وہ یہ کہ اہل تشیع کی طرف سے مدرسے کے اوپر چراغاں کیا گیا جس پر ہم معترض تھے، ان کو تحفظ دینے کے لیے پولیس والوں نے پورے مدرسے کا محاصرہ کیا۔ اور ہم سب کو گھیرے میں لے لیا۔ فائرنگ ہوئی۔ نہ جانے فائرنگ کرنے والے کون تھے مگر انتظامیہ نے اپنے محصور کردہ لوگوں کو پکڑ کر لے گئی جن میں مولانا نذیراللہ خان مرحوم، مولانا لقمان حکیم گوہرآبادی، مولانا محمد عظیم داریلی اور 14 کے قریب طلبہ و دیگر لوگ تھے۔ ان گرفتار شدگان میں جمیل میرا خالہ زاد بھائی بھی تھا۔ انتظامیہ نے راتوں رات ان کو سینگل پہنچایا اور ریسٹ ہاؤس میں قید کیا، بڑی تگ ودو کے بعد ہمیں معلوم ہوسکا۔ میں اور مولانا گل شیر خان مرحوم صاحب سویرے ہی ان سے ملنے سنگل گئے۔ وہاں ڈیوٹی پر مامور پولیس والوں نے ملاقات کے لیے نہیں چھوڑا میں نے وہاں سے انتظامیہ کے تمام افراد سے رابطے کی کوشش کی مگر کسی سے بھی رابطہ نہ ہوسکا۔ A.C سید الثقلین صاحب سینگل میں تھے، تمام چیزیں ان کو تھمادیں اور بغیر ملاقات کے واپس آئے۔ چھ ماہ تک یہ حضرات جیل میں رہے۔ جناب جج خورشید صاحب کا ان حضرات کی رہائی پر بہت تعاون رہا۔ وہ جج تھے۔ انجمن امامیہ نے ان کی بھرپور مخالفت کی مگر انہوں نے ایسا مناسب فیصلہ لکھا کہ کوئی ان کی قانونی مخالفت نہ کرسکا۔ کیونکہ یہ تمام حضرات بے گناہ تھے۔ ہم نے ان بزرگوں کی کیس لڑنے کے لیے جو وکیل پنجاب سے لایا تھا وہ سابق چیف جسٹس ہائی کورٹ رہا تھا۔ خورشید صاحب نے ان کے بارے میں بتایا کہ پاکستان میں اس قسم کے قابل جج کم ملتے ہیں۔ ماہ جون میں رہائی ہوئی۔

صدیقی ٹرسٹ والے گلگت بلتستان کے غریب مسلمانوں کے لیے گرم کپڑے اور کمبل وغیرہ ارسال کرتے۔ مولانا مرحوم گلگت کے مسلمانوں کی حالت زار ان کے سامنے رکھتے۔ ان کی امداد آجاتی تو خود دشوار گزار پہاڑی پگڈنڈیوں میں سفر کرتے اور وہاں جا کر ان غریبوں میں تقسیم کرتے۔ کئی اسفار میں میں بھی ان کے ساتھ رفیق سفر تھا۔ اسی طرح اگر آج جگہ جگہ تعلیم القرآن کے مکاتب نظر آتے ہیں تو یہ بھی انہیں کی مرہون منت ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ سردی کا موسم تھا۔ جمیعت تعلیم القرآن کے ذمہ دار شیخ یوسف کھترویہ مرحوم اور نور احمد ادھوڑی مرحوم یہاں گلگت تشریف لائے تھے۔ تو مولانا مرحوم نے مجھ سے کہا کہ قاری صاحب! ان مہمانوں کو استور لے جانا ہے اور ان کو غریبوں کی حالت زار دکھانی ہے تاکہ یہ حضرات خود اپنی آنکھوں سے اس حالت کو دیکھیں اور مکاتب قرآنی کھولیں۔ چنانچہ اس وقت استور کا روڈ خراب تھا مگر حضرت والا کی ہمت تھی کہ ان بزرگوں کو لے کر میرے ہمراہ استور جا پہنچے۔ استور میں ہمارے عزیز محترم محمد یوسف صاحب چونگرہ کے گھر میں قیام ہوا۔ استور میں یوں مدارس و مکاتب کا کام شروع ہوا اور محترم یوسف صاحب کو استور کا صدر تقرر کر کے اگلے دن گلگت واپسی ہوئی۔

مولانا نذیراللہ خان صاحبؒ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ معاملات کو سلجھانے میں اچھی مہارت تھی، معاملہ

سیاسی ہو یا مذہبی بڑی دوراندیشی سے نمٹاتے تھے بلکہ پایہ تکمیل کو پہنچاتے تھے۔ اپنے تعلقات کو ہمیشہ مدرسے کے مفادات کے لیے خوب استعمال کرتے۔ مولانا رہتے مدرسے میں تھے اور کھانا اپنے گھر سے منگا کر کھایا کرتے تھے، مدرسے کی جائیداد اور اراضی کی اپنی ذاتی جائیداد سے زیادہ خیال اور نگرانی کرتے۔ مولانا اپنے چھوٹوں اور ماتحتوں سے بھی مشورہ لیتے تھے۔ میں ہر لحاظ، علم وعمل اور عمر کے اعتبار سے ان سے چھوٹا تھا مگر وہ مشورہ ضرور لیتے۔ یعنی ''وامرہم شوریٰ بینہم'' کے عملی مصداق تھے۔ اپنی مارکیٹ کا کچھ حصہ اور اپنا ذاتی مکان بھی وفات کے وقت مدرسے کو وقف کیا۔ مولانا قاضی عبدالرزاقؒ کا ان پر بہت بڑا اعتماد تھا۔ بعض گھریلوے معاملات کی وجہ سے جب میں نے مدرسہ چھوڑا، بعد میں استاد گلشیر خان بھی وفات پا گئے تھے، مولانا مرحوم نے بار ہا مجھ سے کہا کہ مولانا اکیلا رہ گیا ہوں، میرا ساتھی اللہ کا پیارا ہو گیا۔ میں بور ہو جاتا ہوں اور آپ مدرسہ آ جائے تو اچھی بات ہے، مگر کم نصیبی کی بات ہے کہ میں دوبارہ نصرۃ الاسلام نہ آسکا۔ قاضی صاحب مرحوم اور مولانا گلشیر خان صاحب کے بعد، اب آخر میں دارالعلوم دیوبند کا یہ جگمگاتا ستارہ بھی غروب ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت کرے اور علیین میں جگہ عطا کرے۔ وما علینا الا البلاغ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''دعا ہے کہ یہ شمع جلتی رہے''

سہ ماہی نصرۃ الاسلام کے ممبر بننے کا طریقہ

یاد رہے کہ سہ ماہی نصرۃ الاسلام محض ایک مجلہ نہیں بلکہ ایک مقدس مشن کا آغاز ہے۔ حق کی آواز آپ تک پہنچانے کا ایک مستند ذریعہ ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ حق کی یہ آواز آپ اور آپ کے پیاروں تک پہنچ جائے تو بنیئے سہ ماہی نصرۃ الاسلام کے مستقل ممبر اور اپنے اور اپنے پیاروں کے نام سہ ماہی نصرۃ الاسلام کی سبسکرپشن کیجیے اور ایک کارِ خیر میں حصہ لیجیے۔ تو خریداری فارم پر کریں اور آج سے ہی ہمارے ساتھ شریک سفر ہو جائے۔

سالانہ زر تعاون بمعہ ڈاک: 250 روپے، تعاون خصوصی 10,000 روپے

نام.................................... ولدیت ....

فون:.................................... ای میل ....

مکمل پوسٹل ایڈرس ....

چیک بنام ادارہ نصرۃ الاسلام اور منی آرڈر بنام ایڈیٹر کے ارسال کر کے ضرور اطلاع کریں۔

رابطہ نمبر: 03462974626,03555604599,0300395512 ای میل: ibshaqqani@gmail.com،

رابطہ خط وکتابت: ایڈیٹر سہ ماہی نصرۃ الاسلام، عیدگاہ روڈ گلگت، گلگت بلتستان

مقالات و مضامین

مولانا نذیر اللہ مرحوم، میرے اولین استاد

تحریر: شیر باز علی برچہ
سینئر لائبریرین، پبلک لائبریری گلگت

درست سن و سال تو شاید نہ بتا پاؤں تاہم قیاساً سن ساٹھ اکسٹھ کے اوائل کی بات ہوگی۔ میں اُس وقت پانچ چھے برس کا تھا۔ والد مرحوم نے عربی کا ایک قاعدہ لا کر دیا اور ساتھ کپڑوں کا ایک نیا جوڑا بھی۔ عربی قاعدے کے لیے کوئی شوق تو نہیں تھا تاہم کپڑوں کا جوڑا پا کر بہت خوشی ہوئی۔ والد بزرگوار نے پیار سے سمجھایا کہ کل سے مجھے ایک استاد کے پاس جانا ہوگا جو عربی کا یہ قاعدہ پڑھائیں گے۔ مجھے پڑھنے کے لیے کس جگہ جانا ہوگا یہ والد نے نہیں بتایا۔ اگلے دن سہ پہر کے وقت والد صاحب گلگت بازار کی طرف لے کر نکلے اور سیدھے مرکزی جامع مسجد اہل سنت پہنچ گئے۔ جیسے ہی ہم مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ مسجد کے دالان میں ایک بارعب مولانا صاحب درجن بھر طلبہ کو درس دے رہے تھے۔ طلاب جھوم جھوم کر سبق دھرا رہے تھے میں اس منظر میں کھویا ہوا تھا کہ والد صاحب نے استاد محترم کو سلام کرنے کے لیے کہا۔ میں نے سر کی جنبش سے سلام کیا تو مولانا صاحب اپنے قریب لے گئے، شفقت سے سر پر ہاتھ پھیرا اور لڑکوں میں بیٹھنے کے لیے کہا۔ یہ مولانا نذیر اللہ مرحوم تھے میرے اولین استاد جن کے آگے میں نے زانوے تلمذ تہ کیا۔ مسجد مکتب سے فیض پانے کا یہ سلسلہ مہینہ ڈیڑھ مہینہ جاری رہا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد راقم نے موجودہ ہائی سکول نمبر ایک میں داخلہ لیا استاد نذیر اللہ صاحب سے استفادہ کرنے کا سلسلہ ختم ہوا۔ آج شاید ہی کوئی یقین کرے گا کہ ایک شیعہ بچہ اہل سنت کی جامع مسجد میں دینی تعلیم حاصل کرے اور وہ بھی گلگت میں۔ لیکن وہ زمانہ ایسا ہی تھا۔ مسلکی تفریق کی ایسی کیفیت سے ہم نا آشنا تھے جو آج دکھائی دے رہی ہے۔

استادِ محترم مولانا نذیر اللہ مرحوم ایک معتدل مزاج عالم دین تھے۔ دیگر فرقوں کے زعماء اور علماء سے ان کے اچھے مراسم تھے۔ سن ستر کی دھائی کے بعد مسلسل اختلافات بڑھتے گئے۔ اس حوالے سے علاقے میں جب بھی صورت حال قابو سے باہر ہوئی تو استاد محترم نے مصالحانہ کردار ادا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ آپ بالمقابل فرقوں کے درمیان پل کا کردار ادا کرتے رہے۔ آپ کی یہ خدمات اہلیان گلگت بلتستان کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔

استادِ محترم نذیر اللہ مرحوم جہاں ایک متحرک شخصیت کے مالک تھے وہیں آپ جامہ زیب اور خوش گفتار بھی تھے۔ جب بھی ملتے خندہ پیشانی سے ملتے۔ ایک طویل عرصہ کے بعد ۱۹۷۵ء میں ایک بار راولپنڈی میں اچانک ان سے ملاقات ہوئی۔ آپ ذرا جلدی میں تھے۔ راقم آپ کی پذیرائی بھی نہیں کر سکا۔ جس کا آج تک راقم کو دُکھ ہے۔ استاد صاحب ایک اچھے منتظم بھی تھے۔ مدرسہ نصرۃ الاسلام کو نوداس گلگت کی تنظیم و ترقی میں آپ کا بڑا حصہ ہے۔ اللہ بزرگ و برتر میرے استاد محترم کو غریق رحمت کرے۔ ہاں یہ بات بھی بتا دوں کہ اس تحریر کے اصل محرک جناب ابن شہزاد حقانی صاحب ہیں جنہوں نے مولانا محترم پر لکھنے کے لیے کہا اور ثواب کما گئے اور راقم کو حق شاگردی ادا کرنے کو موقعہ عنایت کیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مقالات و مضامین

اپنے بھی خفا مجھ سے اور بیگانے بھی ناراض.......

تحریر: جمشید خان دکھی، جنرل سکرٹری: حلقہ ارباب ذوق گلگت

مولانا نذیر اللہ خان مرحوم اپنے دور کی ایک تاریخ ساز شخصیت کے مالک تھے۔ انہوں نے قاضی عبدالرزاق صاحب کی وفات کے بعد دارالعلوم نصرۃ الاسلام کے مہتمم کے طور پر کام شروع کیا۔ دارالعلوم ہذا کے لیے انہوں نے گرانقدر خدمات انجام دیں۔ یہ دارالعلوم کئی مواقع پر اپنے اخراجات کو پورا کرنے کے لیے مشکلات کا شکار بھی رہا۔ مگر مرحوم ادارے کے لیے اپنے ذاتی سرمایہ سے مدد فرماتے تھے۔ مرحوم ایک قدآور، ملنسار اور خوش پوش انسان تھے اور وحدت المسلمین کے داعی تھے۔ حکام بالا اور مذہبی وسیاسی شخصیات کے ساتھ ان کا قریبی رابطہ رہتا تھا۔ آپ معروف عالم دین قاضی عبدالرزاق مرحوم کے داماد اور موجودہ قاضی نثار احمد صاحب کے بہنوی تھے۔ مولانا نذیر اللہ مرحوم کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی۔ عمر کے آخری سالوں میں آپ کو نرینہ اولاد کی خواہش نے دوسری شادی کرنے پر مجبور کیا لیکن پھر بھی کوئی بات نہ بنی۔

مرحوم نے اپنے پیچھے ایک بیوہ اور گیارہ بیٹیاں چھوڑی ہیں۔ مرحوم عیدگاہ کنوداس کی آبادکاری، تزئین و آرائش کے بہت شوقین تھے۔ عیدین کے اجتماع کے موقع پر ان کی تقریر اکثر عیدگاہ، مدرسہ نصرۃ الاسلام اور مضافاتی زمین کی ترقی کے لیے صدقات وخیرات اور قربانی کی کھالوں کے مطالبہ پر ختم ہوتی تھی اور اسی مقصد کی خاطر انہیں خطاب کے لیے خصوصی وقت دیا جاتا تھا۔ مرحوم کی تقریر کا ایک جداگانہ انداز ہوتا تھا۔ وہ سامعین سے تعاون نہ کرنے کا شکوہ بھی کھل کر کرتے تھے۔ سامعین کو ایک باپ یا استاد کی طرح ڈانٹ ڈپٹ بھی پلاتے تھے۔ سامعین ان کے اس انداز کو پسند فرماتے تھے۔ مولانا مرحوم مدرسہ کے اکثر معاملات میں مولانا گل شیر خان صاحب سے نہ صرف مشورہ لیا کرتے تھے بلکہ ان کے مشورے کو معتبر بھی سمجھتے تھے۔ مولانا گل شیر خان ہی وہ واحد شخصیت تھے جو کہ مولانا کو ہر بات پر قائل کر سکتے تھے۔ مولانا گل شیر خان کی وفات سے مولانا نذیر اللہ خان کو سخت دھچکا لگا۔ مولانا گل شیر خان کے داماد عبدالودود کے مطابق اکثر ان کے گھر فون کر کے نہایت غمگین انداز میں فرماتے تھے کہ مولانا گل شیر خان کی وفات سے میرا دایاں ہاتھ کٹ گیا ہے۔

مجھے مولانا نذیر اللہ خان مرحوم کے ہم محلّہ اور ہمسایہ ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ اگر چہ ان سے میری قربت نہیں رہی ہے لیکن کبھی کبھی سرِ راہ ان سے ملاقات ہوتی تو بڑے تپاک اور والہانہ انداز سے بغل گیر ہوتے تھے۔ بعض دفعہ کسی نہ کسی تقریب میں ملاقات ہوتی تھی۔ آپ بڑے امن پسند عالم دین تھے۔ مشکل سے مشکل حالات سے باہر نکلنے کے لیے کوئی نہ کوئی حل ضرور نکال لیتے۔ اہل سنت اور اہل تشیع کے علماء کے درمیان بھی آپ نے ہمیشہ پل کا کام کیا۔ اسماعیلی برادری کے اکابرین بھی مرحوم کا بڑا احترام کرتے تھے۔ حکومتی حلقوں کے ساتھ بھی ہمیشہ آپ کے قریبی تعلقات استوار رہتے تھے۔ جس کی وجہ سے سخت گیر سنی، مولانا کے کردار پر انگلی بھی اٹھاتے تھے۔ شیعوں اور سنیوں کے مابین مفاہمت اور رواداری کے لئے مولانا مرحوم کا کردار اکثر قابل تعریف رہا۔ جس کا اعتراف ان کے مخالفین بھی کرتے ہیں۔

نصرۃ الاسلام کے ایک منصوبے کا افتتاح جناب دیدار علی نے کیا جس میں، میں خود بھی موجود تھا۔ اسی طرح جناب

رضی الدین رضوی اور جناب دیدار علی ممبران اسمبلی کے ساتھ مرتے دم تک ان کے مراسم بڑے خوشگوار تھے۔ اپنے خوشگوار تعلقات کا اظہار حلقہ ارباب ذوق کی کئی محفلوں میں یہ حضرات کر چکے ہیں۔

ریوریا ہوٹل گلگت میں حلقہ اربابِ ذوق کے زیر اہتمام منعقدہ ایک امن کانفرنس کے دوران اہل سنت کی جانب سے مولانا نذیر اللہ مرحوم اور اہل تشیع کی جانب سے جناب رضی الدین رضوی نے تقاریر کیں۔ رضی الدین رضوی نے ابتدائی کلمات میں مولانا نذیر اللہ صاحب کی انتہائی تعریف کی اور انہیں شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا جبکہ مولانا نذیر اللہ خان مرحوم نے ان کے جواب میں کہا کہ شاہ صاحب میرے چھوٹے بھائیوں کی طرح ہیں اور سادات کے معزز گھرانے سے ان کا تعلق ہے۔ دو متحارب گروپوں کے اکابرین کی زبان سے خیر سگالی کے یہ کلمات عبدالخالق تاج صاحب کو ہضم نہیں ہوئے۔ سو تاج اپنی باری پر اسٹیج پر آئے اور بیان داغ دیا کہ شاہ صاحب اور مولانا صاحب تو ایک دوسرے کے بھائی بن گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ 1988ء کے مذہبی فسادات کے اصل ذمہ دار میں اور جان علی ہیں۔ ان معنی خیز الفاظ نے محفل کا رنگ بدل ڈالا اور پنڈال قہقہوں سے گونج اٹھا۔ مولانا کی وفات اہل سنت کے لیے خصوصاً اور گلگت بلتستان کی امن پسند عوام کے لیے عموماً ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ خدا مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے (آمین)۔ مولانا کے حضور میرا درج ذیل دعائیہ شعر کا نذرانہ پیش خدمت ہے۔

رحمان تجھ پہ سایہء لطف و کرم کرے
آسائشِ بہشت لحد میں بہم کرے

☆☆☆☆☆☆☆

بقیہ: مولانا نذیر اللہ خان مرحوم، ایک کشادہ دل انسان

ہم شعراء حلقہ اربابِ ذوق بھی موجود تھے۔ مولانا موصوف اور آغا راحت حسین کندھے سے کندھا ملا کر ڈائس پر تشریف رکھتے تھے۔ میں نے دونوں حضرات کو اس طرح مل بیٹھنے پر مبارک باد دی اور شکریہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ عرض کیا ۔شکر ہے خدا کا آپ دونوں آج مل بیٹھے ہیں۔ بصورت دیگر میں اور جان علی مل کر نغمہ سرا ہو سکتے ہیں تو آپ دونوں مل کر قرآن پاک کیوں نہیں پڑھ سکتے ہیں؟ ہم ثقافت انسانیت کو جوڑنے کے لیے استعمال کرتے ہیں جبکہ آپ (کے سامنے) دین انسانیت کو توڑنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس پر دونوں علماء کرام مسکرائے اور درست تسلیم کیا کہ ایسا ہو رہا ہے۔ مولانا جب ڈائس سے اترے تو اپنے عصا لے کر میرے طرف آئے اور لہرا کر کہا کہ کسی دن تو میرے ہاتھوں سے پٹ جائے گا۔ مگر مسلسل تنقید کے باوجود مولانا سے کبھی پٹ جانے کی نوبت نہیں آئی۔ بلکہ جب کبھی ملاقات ہوتی تو بہت ہی خندہ پیشانی سے ملتے۔ انہوں نے اپنی زندگی درس وتدریس اور گلگت کے امن وآمان کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ اللہ مولانا کو جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ (آمین)

☆☆☆☆☆

مقالات و مضامین

مولانا نذیر اللہ خان مرحوم، ایک کشادہ دل انسان

عبدالخالق تاجؔ، سینئر رہنماء: حلقہ ارباب ذوق، گلگت

حضرت مولانا نذیر اللہ خان صاحب مرحوم میرے ہمسایہ برادر رہے۔ وہ مولانا اور میں شاعر' ایک دوسرے کی ضد ہونے کے باوجود کبھی تصادم کی نوبت نہیں آئی۔ مولانا موصوف گلگت بلتستان میں علماء دیوبند کے ہراول دستے میں شامل تھے۔ میری دانست میں مولانا نے کسی مسجد میں پیشوائی یا خطابت سے درس وتدریس کو ترجیح دی۔ مولانا نے جامعہ نصرۃ الاسلام کی خوب آبیاری کی اور کارِ نبوت ذمہ داریاں تاحیات نبھائی۔ مولانا مرحوم و مغفور مختلف فرقوں کے باہمی اتحاد کے بہت بڑے داعی تھے' وہ گلگت میں ہمیشہ امن و بھائی چارے کے لیے کام کرتے رہے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے آغا ضیاء الدین اور آغا راحت حسین دونوں سے اچھے مراسم تھے۔ مولانا کو کبھی کبھار میں حسب عادت کھری کھری سنایا کرتا تھا مگر یہ حضرت مولانا کی بڑائی تھی انہوں نے کبھی خفگی کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ گال میں ایک ہلکی پھلکی مہر آلودسی چپت لگایا کرتے تھے اور خندہ پیشانی سے تنقید کا استقبال کرتے تھے۔

ایک دفعہ حلقہ ارباب ذوق کے زیر اہتمام امن کانفرنس منعقد ہوئی۔ مولانا موصوف مہمان خصوصی اور سید رضی الدین رضوی میر محفل تھے۔ دکھی صاحب نظامت کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ دکھی صاحب اپنی نظم و نثر میں اکثر زمانے کی دکھتی رگ چھیڑتے ہیں۔ ان کا اکثر کلام مزاحمتی ہوتا ہے۔ وہ حکمرانوں کے علاوہ علماء کو بھی نہیں بخشتے۔ مولانا کو دعوت خطاب دینے سے پہلے دکھی صاحب نے حسب عادت اپنے ایک قطعے میں علماء کو تنقید کا نشانہ بنایا اور پھر مولانا کو زحمتِ خطاب دیا۔ جو کہ مولانا کی دکھتی رگ چھیڑنے والا معاملہ تھا۔ جواباً مولانا نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ بھائی یہ شاعرلوگ بلا سوچے سمجھے علماء کے خلاف شعر موزوں کرتے ہیں حالانکہ ہم علماء کے درمیان کوئی اختلاف اور دشمنی نہیں ہے۔ میں اور شاہ صاحب آپس میں بھائی بھائی ہیں' شاعرلوگ مبالغہ آرائی سے کام لے کر ہم بھائیوں کو بدنام نہ کریں اور سید رضی الدین رضوی نے بھی کم وبیش یہی الفاظ دہرائے۔

اب جب میری باری آئی تو میں منہ پھٹ آدمی ہوں' مجھ سے رہا نہ گیا اور پھر رگِ ظرافت بھی بھڑک اٹھی تو بھری محفل میں عرض پرداز ہوا کہ مولانا صاحب! اگر آپ اور شاہ صاحب دونوں آپس میں بھائی ہیں تو 1988ء کے مذہبی فسادات میں اور جان علی نے کرائے تھے؟۔ جس پر محفل زعفرانِ زرد ہوگئی۔ مولانا اور شاہ صاحب دونوں بھی خوب ہنسے۔ میں نے ان سے مزید عرض کیا۔ دیکھئے! شاعرمل کر ہی چل قدمی کرنے نکل جاتے ہیں تو لوگ شعراء کو دیکھ کر مطمئن اور خوش ہو جاتے ہیں لیکن جب آپ قباء وعباء والے کہیں جارہے ہیں تو لوگ اکثر کہتے ہیں کہ کہیں کسی کا جنازہ پڑھانے یا فاتحہ پڑھنے جارہے ہونگے۔ اس لئے آپ غم کے اور شاعرلوگ خوشی اور خوش خبری کی علامت ہوتے ہیں۔ اس پر مولانا خفا ہونے کے بجائے بہت محظوظ ہوئے اور میری کڑوی تنقید کو خندہ پیشانی سے برداشت کر گئے۔

اسی طرح ایک دفعہ امامیہ جامع مسجد میں یوم حسین رضی اللہ عنہ منایا گیا۔ مولانا موصوف مہمان خصوصی اور آغا راحت حسین میر محفل تھے۔ مجلس میں کوئی ڈیڑھ دو ہزار کا مجموعہ تھا۔ (بقیہ صفحہ ۱۰۵ پر)

مضامین ومقالات

حضرت مہتمم صاحب کی زندگی پر ایک طائرانہ نظر

تحریر: مولانا عطاء الحق، ناظم عمومی جامعہ نصرۃ الاسلام گلگت

....

مغفور و مرحوم حضرت مولانا نذیر اللہ خان صاحب رشتے میں میرے سگے چچا تھے۔ میرے والد صاحب مرحوم نے حضرت مہتمم صاحب کا زمانہ طالب علمی سے لے کر دارالعلوم دیوبند تک کے سفر اور دوران تعلیم ان کی شادی خانہ آبادی سے لے کر کاروباری زندگی تک بھائی کی حیثیت سے نہیں بلکہ والد کی مانند مکمل شفقت اور ہمدری کا سلوک کیا۔ میرے والد ماجد کہا کرتے تھے کہ مولانا کے اخراجات کے لیے گلگت سے بھارت رقم ارسال کی کوئی خاص صورت متعارف نہیں تھی۔ اس کے لیے طویل راستہ کاٹ کر راولپنڈی جانا ہوتا اور وہاں سے مولانا کو رقم ارسال کی جاتی۔ مولانا نذیر اللہ خان صاحب دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت کے بعد گلگت تشریف لائے۔ علمی تشنگی نے بے کل کر دیا تو تخصص فی الفقہ کے لیے ہزاروں میل دور کراچی جا پہنچے اور وہاں حضرت بنوریؒ کی زیر نگرانی یک سالہ تخصص کیا۔ تخصص سے فراغت کے بعد انہوں نے میرے والد گرامی کو خط لکھا کہ میں مزید تعلیم کے جامعہ ازہر مصر جانا چاہتا ہوں۔ میرے اس تعلیمی سفر کے لیے کچھ رقم کا بندوبست فرمائیں۔ والد صاحب کہتے تھے کہ "میں نے رقم کا بندوبست کر کے کراچی چلا گیا اور جامعہ بنوری ٹاؤن میں جا کر حضرت بنوریؒ سمیت کبار اساتذہ سے مشورہ کیا انہوں نے مجھے اثبات میں جواب نہیں دیا۔ ان بزرگوں کے رضامندی کے بغیر میں مولانا نذیر اللہ کا جامعہ ازہر جانے کے ارادے اور فیصلے کو منسوخ کر دیا"۔

میرے والد مرحوم ایک معروف تاجر تھے۔ راجہ بازار گلگت میں ان کی دکان تھی۔ چچا مرحوم مولانا کے کراچی سے آنے تک ایک عمدہ مکان تعمیر کروایا۔ کچھ مناسب زمینیں خریدی۔ جس میں ورشی گھوم ہوٹل کی زمین، مولانا نذیر اللہ خان کی مارکیٹ جو مکہ مارکیٹ سے مشہور ہے شامل ہے۔ چچا مرحوم جب کراچی سے اپنی تعلیم سے فراغت کے بعد گلگت تشریف لائے تو والد صاحب نے بڑے تزک و احتشام سے ان کی شادی کا اہتمام کیا۔ شادی خانہ آبادی کے بعد مولانا مرحوم جامع مسجد گلگت میں درس و تدریس کے شعبے سے منسلک ہوئے۔

والد صاحب کہا کرتے تھے کہ ایک دن میں ظہر کی نماز پڑھنے کے لیے جامع مسجد گیا تو کہ کچھ لوگ ان کی ذات کو ہدف تنقید بنا کر محوِ گفتگو تھے۔ مجھے ان لوگوں کی تنقیدی گفتگو نا گوار گزری تو میں نے مولانا کو وہاں سے اٹھا کر راجہ بازار میں اپنی دکان میں اپنا کاروبار ان کے حوالہ کیا اور خود ٹھیکے کرنا شروع کیا۔ یوں چچا مرحوم دوکانداری اور تجارتی لین دین سے بھی واقف ہوئے اور اچھے تاجر شمار ہوئے۔ اور ساتھ گلگت کے سیاسی داؤ و پیچ سے بھی واقف ہوئے۔ اس زمانے میں قانون ساز اسمبلی میں ممبر نہیں ہوا کرتے بلکہ صرف بی۔ڈی کے ممبر ہوا کرتے تھے۔ چچا مرحوم متعدد بار اپنے حلقے سے بلا مقابلہ بی۔ڈی ممبر منتخب ہوئے۔ انہوں نے اسمبلی ممبران سے زیادہ عوامی خدمت کی ہے۔ غریب لوگوں کو جتنی سرکاری نوکریاں انہوں نے دلوائی ہے شاید کسی اور نے اتنی دلوائی ہو۔ علاقی اور انفرادی مسائل کے حل کے علاوہ بڑے بڑے قومی مسائل کا بھی انہیں

خاص ادراک تھا۔ مرحوم نے گلگت میں مذہبی کشیدگی کم کرانے میں جاندار کردار ادا کیا۔ تمام مسالک کے لوگ ان کا احترام کرتے اور ان کی رائے کو پزیرائی بخشتے تھے۔

انجمن نصرۃ الاسلام کی ذمہ داریوں کا مختصر جائزہ

تنظیم اہل سنت والجماعت کے بزرگوں نے تقریباً ساڑھے تین سو کنال پر مشتمل قطعہ اراضی انجمن نصرۃ الاسلام کے نام سے ملت اہل سنت والجماعت کے مفاد عامہ کی خاطر حاصل کیا۔ 1953ء میں اس اراضی پر چند کمرے تعمیر کرائے گئے۔ جہاں اہل سنت سے تعلق رکھنے والے طلبہ جو دور دراز سے تشریف لاتے بطور ہاسٹل کے قیام کرتے۔ انجمن نصرۃ الاسلام کی انتظام وانصرام، ہاسٹل میں مقیم طلبہ کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داریاں استاد الاساتذہ حضرت مولانا حبیب اللہ فاضل دیوبند کے سپرد تھی۔ موصوف نے 1953 سے 1983ء بطریق احسن یہ ذمہ داریاں نبھائی مگر باقاعدہ وسائل کی کمی کی وجہ سے مدرسے کا اجرا نہ ہوسکا۔ 1983ء کو انجمن نصرۃ الاسلام کی مجلس عاملہ نے مدرسے کی اجراء کی ذمہ داریاں مولانا نذیر اللہ خانصاحبؒ کے سپرد کی۔ مولانا نذیر اللہ خان کی سرپرستی وقیادت میں مدرسے کا نظام چلنا شروع ہوا۔ ادارے کا نام انجمن نصرۃ الاسلام کے بجائے جامعہ اسلامیہ نصرۃ الاسلام رکھا گیا۔

حضرت مولانا نذیر اللہ خان صاحبؒ نے تقریباً 28 سال اس ادارے کو اپنی جان و مال سے بھی زیادہ عزیز رکھ کر خدمت کی۔ اور بے آب وگیاہ صحراء کو سرسبز وشاداب دینی، تعلیمی اور رفاہی درسگاہ کے مقام پر فائز کردیا۔ مدرسہ جب بھی مشکلات کا شکار ہوا تو مرحوم نے اپنی جیب سے تعاون کیا۔ ہماری اللہ تعالیٰ دعا ہے کہ "وللہ اسئل ان یجعل سعیہ خالصاً لوجھہ الکریم وسببا لدخول دار النعیم ' فانہ واسع المغفرۃ وانہ ذوالفضل العظیم"۔ قلیل علالت کے بعد مرحوم مورخہ 20 اکتوبر 2010ء بروز جمعہ اللہ کو پیارے ہوگے۔ اللہ رب العزت مرحوم کی جملہ دینی وتعلیمی، رفاہی اور اسلامی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے اور انہیں اجر جزیل عطا فرمائے۔

حضرت مہتمم صاحبؒ کے مثالی رفقاء کار

حضرت مہتمم صاحبؒ کے اہتمام میں ادارے کا مختصر وقت میں ترقی کے مقام پر فائز ہونے میں چند بنیادی عوامل اور راز کارفرما تھے ان میں پہلی بات یہ ہے کہ جید علماء مثل بسطۃ فی العلم والجسم جیسے اوصاف سے متصف علماء کی ایک جماعت کا ان کو تعاون حاصل تھا۔

مولانا گل شیر خان مرحوم فاضل دارالعلوم دیوبند جامعہ کے نائب مہتمم اور روح رواں تھے۔

مولانا لقمان حکیم صاحب جامعہ کے ناظم تعلیمات تھے۔

مولانا حبیب اللہ صاحب فاضل دارالعلوم دیوبند جامعہ کے معاون خاص تھے۔

ان چاروں حضرات نے ہمیشہ جامعہ کی آبیاری میں اپنا خون شامل کیا۔ ایک دوسروں کی غمی وخوشی اور دیگر مواقع پر ساتھ رہتے، جو بھی کرنا ہو مشاورت سے انجام دیتے۔ اگر چہ بہت سے علماء وقراء نے جامعہ کی بے حد خدمت کی مگر مرکزی کردار اور اولین سہرا انہی کو جاتا ہے۔

مسلمانان گلگت بلتستان پر صدیقی ٹرسٹ اور مہتمم صاحبؒ کے احسانات

صدیقی ٹرسٹ کا جامعہ کے ساتھ غیر معمولی تعاون اور امداد تھا۔ ٹرسٹ کے چیرمین جناب صدیقی صاحب کا حضرت مہتمم صاحب پر بھرپور اعتماد تھا۔ صدیقی ٹرسٹ گلگت بلتستان کا محسن ادارہ ہے۔ مشکل کے دور میں ٹرسٹ نے گلگت

بلتستان میں تعلیمی و دینی ادارے قائم کیے۔ مساجد بنوائے اور مکاتب کا اجراء کیا۔صدیقی ٹرسٹ کی بدولت گلگت بلتستان کے قریہ قریہ میں اللہ اکبر کی صدائے بلند ہونے لگی۔ مساجد میں باجماعت نمازوں کا اہتمام ہونے لگا۔موجودہ وقت میں بہت سارے دینی رفاہی ادارے اپنی بساط کے مطابق خدمات انجام دے رہے ہیں لیکن اولین سہرا صدیقی ٹرسٹ کو ہی جاتا ہے۔ الفضل للمتقدم۔ صدیقی ٹرسٹ کو گلگت بلتستان کی تعلیمی، دینی اور رفاہی پس ماندگی کی طرف متوجہ کرانا اور گلگت بلتستان میں ٹرسٹ کی نگرانی کا فریضہ انجام دینے اور درست مصارف کی طرف ٹرسٹ کی رہنمائی کرنے کا تمام سہرا حضرت مہتمم صاحب مرحوم کے سر جاتا ہے۔حضرت مہتمم صاحب مرحوم بھی صدیقی ٹرسٹ والوں کا دل سے قدر کیا کرتے تھے۔اپنی نجی محفلوں اور دینی تقریبات میں صدیقی ٹرسٹ کا خدمات کا کھلے دل سے اعتراف کرتے اور انہیں اپنے محسن قرار دیتے۔حضرت مہتمم صاحب مرحوم کے دور میں صدیقی ٹرسٹ کے تعاون سے جو بڑے کام ہوئے ان کا ذکر دلچسپی سے خالی نہیں۔

ا۔ جامعہ نصرۃ الاسلام کی موجودہ بلڈنگ

۲۔ جامعہ کی لائیبریری کی جملہ کتب (منصور الزمان صدیقی صاحب نے اپنی ذاتی لائیبریری جامعہ کی لائیبریری کو تحفۃً دی)

۳۔ مدرسۃ للبنات کشروٹ کی تعمیرات

۴۔ دارالعلوم گماری داریل کی تعمیر

۵۔ جامعہ کی صدف ڈسپنسری کی تعمیر

۶۔ جامعہ کے اساتذہ کے مکانات کی تعمیر

۷۔ ضلع غذر، گلگت اور دیامر میں ڈیڑہ درجن سے زائد مساجد کی مکمل تعمیر اور کئی مساجد کی جزوی تعمیر

۸۔ مختلف مساجد کو صفوں اور قرآن مجید کی فراہمی

۹۔ گلگت بلتستان کے دور دراز اور پس ماندہ گاؤں کے مساجد و مکاتب کو گرم کپڑے اور کمبل کی فراہمی

مولانا مرحوم نے ٹرسٹ کے ذریعے جامعہ اور گلگت بلتستان کے مساجد و مدارس، مکاتب اور غریب عوام کی بہت شاندار خدمت کی ہے۔ جامعہ میں بلا معاوضہ خدمات سرانجام دیتے تھے۔جمعۃ المبارک کے دن بھی حضرت والا مدرسے کو پورا پورا ٹائم دیتے تھے۔ یہاں تک کہ عید کے دن بھی چند گھنٹے مدرسے میں ہی امور سلجھاتے رہتے۔

2010 کو کے رمضان المبارک کو تراویح کے لیے مسجد میں تشریف نہیں لائے۔ میں نے خیال کیا کہ شاید حضرت کے گھٹنوں میں درد ہے۔مگر 17 یا 18 رمضان المبارک کو حضرت مہتمم صاحب کے داماد مولوی نثار احمد صاحب نے اطلاع دی کہ حضرت مہتمم صاحب بیمار ہیں چنانچہ تراویح کے بعد حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب، حافظ حفیظ الرحمان صاحب اور معززین کشروٹ حضرت کی بیمار پرسی کے لیے ان کے گھر گئے۔تمام احباب کے ساتھ باری باری مصافحہ کیا اور میرے ساتھ ہاتھ نہیں ملایا اور کہنے لگے کہ اتنے دنوں سے میں بیمار ہوں اور آپ نے میری خبر تک نہیں لی۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے آپ کے گھٹنوں کے درد کے علاوہ اور بیماری کا علم نہیں تھا۔ نیز مدرسے کی گاڑی اپنے مقررہ وقت پر گھر آ جارہی تھی، میں نے خیال کیا کہ آپ مدرسہ آ جارہے ہونگے۔ حضرت مہتمم صاحب نے مجھ سے دوسرا سوال یہ کیا کہ اپ نے محلّہ اور مسجد کی سطح پر مدرسے کا چندہ جمع کیا ہے؟۔ایسا ہی قصہ ہسپتال کا بھی ہے۔(اس سے آپ مولانا مرحوم کی مدرسے کے ساتھ محبت و ہمدردی اور دلچسپی کا اندازہ لگا سکتے ہیں)۔

حضرت مہتمم صاحب نے سی ایم ایچ راولپنڈی میں شدید بیماری کی وجہ سے کھانا پینا تک بند کر دیا لیکن جب بھی ڈاکٹر پوچھتے تو فرماتے، الحمدللہ میں ٹھیک ہوں۔ مجھے فارغ کر دے تو میں اپنی مدرسے کی دیکھ بھال کرسکوں۔

1986 کو جب میں رسمی تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ آیا تو مدرسے کے ایک پورشن کی تعمیر مکمل ہو چکی تھی۔ بقیہ تین پورشنوں کی بھی ڈی پی سی ہوئی تھی۔ اس وقت طلبہ کی تعداد بھی تین سو سے زائد تھی۔ گیارہ بجے اسباق سے فارغ ہو کر جملہ طلبہ و اساتذہ ڈی پی سی والے پورشنوں میں بھرائی کرتے تھے۔ مولانا گل شیر خان صاحبؒ اور حضرت مہتمم صاحبؒ بھی دفتر سے نکلے اور میرے سر پر رومال باندھ کر مجھے بھی طلبہ کے ساتھ کام میں شریک کیا۔ بہر کیف حضرت مہتمم صاحبؒ نے مدرسے کے لیے جو قربانیاں دی ہیں ان کا نعم البدل کی کوئی راہ سجھائی نہیں دیتی۔

حضرت مہتمم صاحب کی دفتری مصروفیات

حضرت مہتمم صاحبؒ دفتری اوقات میں مدرسہ کے جملہ امور کی نگرانی کے ساتھ ساتھ مدرسہ کے معاونین کے ساتھ بھی مسلسل روابط میں رہتے۔ مختلف علاقوں کے مساجد و مکاتب والے مساجد کے لیے صفیں اور مکاتب کے لئے قرآن کریم کے لیے درخواستیں لے کر حضرت مہتمم صاحب کے پاس آتے۔ حضرت مہتمم صاحبؒ ان کا جائزہ لیتے اور تمام مسائل پوچھتے اور اپنے ممکنہ ذرائع سے ان کی تعاون کرتے۔ دفتری اوقات میں مختلف قسم کے لوگ ان سے ملنے آتے، حضرتؒ ہر ایک کی تعظیم وتکریم انزل الناس علی قدر منازلہم کے مطابق کرتے، جو بھی ان سے ملنے آیا، متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ حضرت والا جب دنیا سے رخصت ہو رہے تھے تو ان کے زبان حال وقال سے یہی صدا بلند ہو رہی تھی۔

الٰہی پھلا پھولا رکھ، چمن میری امیدوں کا — جگر کا خون دے کر اس بوٹے کو میں نے پالا ہے

کالم کارنر

''رقعۂ تہنیت وعقیدت''

حافظ حفیظ الرحمان، چیف آرگنائزر: پاکستان مسلم لیگ (ن) گلگت بلتستان

میرے لیے یہ باعثِ وقار ہے کہ میں مولانا نذیر اللہ خان مرحوم کی دینی وسماجی اور سیاسی زندگی پر کچھ کلمات تہنیت وعقیدت پیش کروں۔ مولانا صاحب سے میری رفاقت دینی وسیاسی حوالوں سے رہتی تھی جس میں ان سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا وہاں ان کی ہمہ جہت شخصیت' کرداراور خدمات ہمیشہ متاثر کردیتی۔ بلاشبہ مولانا صاحبؒ نے دینی سطح پر مدرسہ نصرۃ الاسلام کے قیام اور احیاء کے لیے جو خدمات انجام دیں وہ گلگت بلتستان میں روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ دینی خدمات میں درس وتدریس' دینی اداروں کے قیام اور سرپرستی کے ساتھ گلگت بلتستان میں صدیقی ٹرسٹ کے توسط سے فلاحی سرگرمیوں کے ذریعے ہزاروں لوگوں کی مدد ان کی قدآور شخصیت کی غماز ہے۔

مولانا صاحبؒ نے گلگت بلتستان کے سیاسی سفرنامے میں بھی اپنی سیاسی بصیرت اور جدوجہد کے اعلیٰ نقوش چھوڑے ہیں۔ انہوں نے علاقے میں پاکستان کی نظریاتی' اساسی اور سیاسی بالغ نظری کو ہمیشہ عام کیا بالخصوص گلگت بلتستان میں اسلامی بھائی چارے' افہام وتفہیم اور قیام امن کے لیے ان کی جدوجہد اور بھرپور مخلصانہ اقدامات نے اس علاقے کے جہاندیدہ عوامی سماجی اور دینی حلقوں وفرقوں میں گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج گلگت بلتستان کے تمام حلقوں میں ان کی قدرومنزلت پائی جاتی ہے۔ مولانا مرحوم کے دینی' فلاحی اور سیاسی نظریے کی ترویج وترقی کے لیے میرے کمنٹس اس لیے بھی ضروری ہیں کہ ان کے ساتھ میری رشتہ داری بطور بھتیجے کی ہے۔ وہ میرے ایسے چچا تھے جن کے نقش قدم پر چلنا میرے لیے باعث برکت وعزت ہے۔ اللہ رب العزت انہیں جوار رحمت میں جگہ دے (آمین)۔

....

بقیہ: مولانا نذیر اللہ مرحوم ایک جگمگاتا نام

گلگت میں امن وآمان قائم رکھنے کے حوالے سے بھی مولانا نے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ امن کیلئے انہیں جہاں اور جس وقت بلایا گیا بے دھڑک وہاں پہنچ گئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ گلگت میں امن وامان سب کی ضرورت ہے۔ آج امن نہ ہونے کی وجہ پوری قوم جس خلفشار کا شکار ہے۔ وہ کسی سے مخفی نہیں۔ امن کی بگڑتی صورتحال کے باعث معیشت زوال پزیر ہے، گلگت کی رونقیں ماند پڑ چکی ہیں، لوگ نقل مکانی پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں۔ گلگت ہی کا کیا ذکر پورے ملک کا آوا بگڑا ہوا ہے۔

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

لگ بھگ نصف صدی تک جامعہ کے منصب اہتمام پر بیٹھ کر اسے بام عروج تک پہنچانے والے کا یہ حق تھا کہ ان کی حیات وخدمات کے مختلف گوشوں سے قوم کو آگاہ کیا جائے تا کہ جانے والے کا حق بھی ادا ہو اور ان کے مساعئ جملیہ تاریخ کے صفحات میں بھی محفوظ ہو۔ مقام شکر ہے کہ ''سہ ماہی نصرۃ الاسلام'' کے ذمہ داران بالخصوص اس کے سرگرم مدیر (حقانی) نے بھروقت اس ذمہ داری کا احساس کیا۔ جس کی بناء پر آج اس وقیع نمبر سے ہم محظوظ ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی کامل مغفرت فرمائیں اور نصرۃ الاسلام کے ذمہ دارن کی یہ محنت قبول فرمائیں، ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

کالم کارنر

مولانا نذیر اللہ مرحوم ایک جگمگاتا نام

صباح الدین غذری، ایڈیٹر: سہ ماہی نوائے انوار، کراچی

شورش کاشمیری مرحوم نے دارالعلوم دیو بند کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ

اس میں نہیں کلام کہ دیو بند کا وجود
ہندوستان کے سر پہ ہے احسان مصطفیٰ
اس مدرسہ کے جذبہ عزت سرشت سے
پہنچا ہے خاص و عام کو احسان مصطفیٰ

بلاشبہ اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ ہندوستان کی دیو بند نامی بستی میں آج سے ڈیڑھ صدی قبل وجود میں آنے والا ادارہ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض کو اس وقت عام کیا جب ہر طرف اس فیض کو پھلنے، پھولنے اور برگ وبار لانے سے روکنے کی بھرپور کوششیں عروج پر تھیں مگر دشمنوں کی ان قسما قسم اور ہمہ گیر تدبیروں پر تقدیر مسکرا رہی تھی اور غیب سے منادی یہ آواز دے رہی تھی کہ

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اور ایسا ہی ہوا کہ جب کچھ روشن ضمیر اور خرد مند قلندروں نے شمع محمدی کی حفاظت کے لئے میدان میں اترنے کا فیصلہ کیا اور حفاظتی حصار کے طور پر دارالعلوم دیو بند کی بنیاد رکھی تب دنیا بھر سے پروانے کھینچ کھینچ کر اس حصار کے اندر جمع ہو نے لگے جس کے بعد چراغ سے چراغ جلنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ جو آج بھی تمام تر سازشوں کے باوجود روز افزوں ہیں اور ان شاء اللہ تا روز قیامت جگمگا تا ہی رہے گا۔ کیونکہ قرآن عظیم الشان کا ارشاد ہے کہ "یریدو ن لیطفئو نو ر اللہ بافوا ھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون،، دنیا بھر میں بالعموم پاک وہند میں بالخصوص مدارس ودیگر شعبوں کی صورت میں جگ مگ کرتا محمدی چراغ میں اس مدرسے کا کتنا حصہ ہے یہ کسی صاحب علم سے مخفی نہیں۔ آپ دنیا کے جس گوشے میں جائے اس ادارے سے بالواسطہ یا بلا واسطہ فیض پانے والا وہاں آپ کو ملے گا۔ اور ایسا کو نکر نہ ہو کہ:

اس وادی گل کا ہر ذرہ خورشید جہاں کہلایا ہے
جو رند یہاں سے اٹھا ہے، پیر مغاں کہلایا ہے
اس بزم جنوں کے دیوانے ہر راہ سے پہنچے یز داں تک
ہیں عام ہما رے افسانے دیو ار چمن سے زنداں تک

ماضی قریب کا شمالی علاقہ جات اور آج کا گلگت بلتستان آج جو ہے سو ہے مگر آج سے دو ڈیڑھ صدی قبل اس کی جو حالت ہوتی ہوگی اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مگر دیو بند کی بستی میں اخلاص وللّٰہیت، فدا کاری وجاں نثاری کی تیل سے روشن کردہ اس شمع کی حرارت وتمازت اس دور افتادہ علاقے میں بھی محسوس کی گئی۔ چنانچہ دست قدرت نے کچھ خوش بختوں کی یاوری کی، قسام ازل نے انتخاب کا ہاتھ ان پر رکھا اور وہ کشاں کشاں اس شمع سے روشنی لینے کے لئے دیو بند جا پہنچے۔

ان بخت آوروں کی فہرست میں ایک جگمگاتا نام حضرت مولانا نذیر اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ کا بھی ہے جنہیں دار العلوم سے فیض پانے کے ساتھ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے شرف تلمذ بھی حاصل تھا۔ دل والے جانتے ہیں کہ یہ ایسی دو نسبتیں ہیں جن کے سامنے ہفت اقلیم کی بادشاہت وسلطنت بھی کوئی معنی نہیں رکھتے۔ جسے یہ دو نسبتیں حاصل ہوں اسے اپنا قد کاٹھ اونچا کرنے کے لئے کسی تیسری نسبت کی قطعا کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن یہ حقیقت بھی اٹل ہے کہ

ایں سعادت بزور بازو نیست　　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت مولانا نذیر اللہ خان صاحب رحمہ اللہ طویل قد وقامت اور بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ ہم نے حضرت مولانا کو اس وقت دیکھا جب آپ نوجوانی کی عمر سے نکل کر کبرسنی کے صحرا میں جانب منزل استقامت کے ساتھ رواں دواں تھے۔ آپ کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے اپنی زندگی میں ہی آپ کو جامعہ نصرۃ الاسلام کے منصب اہتمام پر فائز کیا تھا۔ اس منصب کو سنبھالنے کے بعد آپ نے جامعہ کی تعمیر وترقی میں دن رات ایک کئے، یہی وجہ ہے کہ آپ کے دور اہتمام میں جامعہ نے ریکارڈ ترقی کی سینکڑوں طلباء یہاں زیر تعلیم ہوتے تھے۔

مولانا کا معمول یہ تھا کہ وہ روزانہ صبح مدرسہ تشریف لاتے، جامعہ کے ایک چھوٹے اور سادہ دفتر میں تشریف رکھتے ، جامعہ کے مختلف امور نمٹاتے، یہی پر مہمانوں سے ملاقات فرماتے، عموماً ظہر سے قبل بسا اوقات ظہر کے بعد گھر واپس تشریف لے جاتے، مولانا کے اس معمول میں گرمی ہو کہ سردی، خزاں ہو کہ بہار کبھی کوئی ناغہ نہ ہوتا، حتی کہ جمعہ کے چھٹی والے دن بھی وہ اس معمول کا ناغہ نہ فرماتے، گویا کہ وہ چھٹی کے لفظ سے آشنا ہی نہ تھے۔ کسی کام کو ابتداء چند دنوں تک کرتے رہنا آسان ہوتا ہے۔ مگر سالوں سال ایک ہی کام پابندی کیساتھ کرتے رہنا دل گردے والوں کا ہی کام ہے۔ اسی لئے علماء امت نے استقامت کو کرامت سے بڑا درجہ قرار دیکر فرماتے ہیں کہ الاستقامۃ فوق الکرامہ۔ اس دوران نامساعد حالات بھی آئے ۔ زمانے کے گرم سرد تھپیڑوں نے ساحل سے لگانے کی کوشش کی، غیروں کی حسد اور اپنوں کے اتہامات کے نشتر سے سینہ چھلنی ہوتا رہا مگر مولانا نے اس راستے میں آنے والی ہر تیر ونشتر کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا۔ ورنہ وہ کونسی بات ہے جو یار لوگوں اور مہربانوں نے آپ کے بارے میں نہیں کہی۔ مگر آپ نے ہمیشہ ایک چپ سو سکھ والے اصول کو اختیار کئے رکھا۔ قولا وفعلا کبھی کسی الزام کا جواب دینے کوشش کی اور نہ ہی اپنے کام سے رکا گویا کہ

چمن کا رنگ گو تو نے سراسر اے خزاں بدلا
نہ ہم نے شاخ گل چھوڑی نہ ہم نے آشیاں بدلا

نجی محافل ومجالس میں بھی اگر کوئی اس حوالے سے ساز دل چھیڑنے کی کوشش کرتا، ان سے منسوب بے سروپا باتوں کی حقیقت جاننے کے لئے کودکرید کرتا تب بھی جواب یہی ہوتا کہ

ہو عیش وطرب کے ہنگامے آئے نہ کوئی غم یہ مشکل ہے
یہ دنیا ہے اس دنیا کی محفل نہ ہو برہم یہ مشکل ہے
للہ نہ زخم دل چھیڑو کچھ اور خلش بڑھ جائے گی
اے چارہ گر وابس کرو اس زخم کا مرہم مشکل ہے　(بقیہ صفحہ ۱۰۹ پر)

کالم کارنر

اتحاد بین المذاہب کے سچے داعی!

تحریر: مولانا عبدالسمیع، امیر: جماعت اسلامی گلگت بلتستان

....

مولانا نذیر اللہ خانؒ مہتمم جامعہ نصرۃ الاسلام و فاضل دارالعلوم دیوبند کو ہم سے بچھڑے ہوئے ڈھائی سال ہو چکے ہیں۔ مولانا مرحوم گلگت بلتستان میں ان گنے چنے علماء حق میں سے تھے جو دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر خطہء گلگت بلتستان آئے تھے۔ مولانا مرحوم حدیث پاک ''العلماء ورثۃ الانبیاء'' کے مصداق تھے۔ انبیاء وراثت میں مال و دولت نہیں چھوڑتے بلکہ ان کی میراث علم ہوتی ہے۔ مولانا نے اسی میراث کی خوب حفاظت کی اور ذمہ داری کا حق ادا کیا۔ مولانا مرحوم زندگی کی آخری سانس تک تعلیم و تعلم میں منہمک رہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست　　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مولانا مرحوم صرف جامعہ نصرۃ الاسلام کے مہتمم نہیں تھے بلکہ اتحاد بین المسلمین کے سچے داعی بھی تھے۔ وہ ''اپنے عقیدہ کو نہ چھوڑو اور دوسروں کے عقیدے کو نہ چھیڑو'' کے قول کے سچے اور پکے داعی تھے۔ ان کی پوری زندگی اس قول کی مکمل آئینہ دار تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ 2004ء میں جماعت اسلامی کے زیر اہتمام گھڑی باغ گلگت میں وحدت کشمیر کانفرنس کا انعقاد کیا گیا تھا جس میں تمام فرقوں اور تمام مذہبی و سیاسی رہناؤں، قوم پرست جماعتوں کے علاوہ آزاد کشمیر کی سیاسی قیادت اور پاکستان کی قیادت قاضی حسین احمد رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ کے سربراہی میں موجود تھی۔ اس کانفرنس کی کی اسٹیج پر مولانا مرحوم بھی براجمان تھے، اور جب اسٹیج بیٹھ گیا تھا تو مولانا مرحوم ہلکے زخمی بھی ہوئے تھے۔ اس کانفرنس کی کامیابی کے بعد مولانا مرحوم نے مجھے خصوصی مبارک بادی دی تھی۔

مولانا مرحوم باعلم و عمل عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ سیاسی مدبر بھی تھے۔ بیوروکریسی سے کام لینا خوب جانتے تھے، صرف ضلع گلگت کے لوگ نہیں دیگر اضلاع کے لوگ بھی اپنے مسائل لے کر مولانا کے حضور آتے تھے۔ مولانا ٹیلی فون کے ذریعے ان کے کام حل کروادیتے تھے۔ مولانا نے بہت سے نوجوانوں کو ملازمتیں دلائی ہیں جو آج عزت کی روزی کما رہے ہیں۔ آئینی اور سیاسی حقوق سے محروم اس خطے کی عوام کے لیے مولانا مرحوم کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔

یہی ہے عبادت، یہی ہے دین و ایمان
کہ کام آئے دنیا میں، انسان انسان کا

مولانا مرحوم نہایت ملنسار، خندہ پیشانی سے پیش آنے والے مہمان نواز عالم دین تھے۔ جو بھی مہمان ان کے پاس آتا انتہائی خلوص اور محبت سے خدمت کرتے۔ ایک دفعہ جمیعت طلبہ عربیہ پاکستان کے منتظم اعلیٰ برادر مولانا محمد غیاث صاحب راقم کے ہاں تشریف لائے۔ ہم جامعہ نصرۃ الاسلام میں علماء اور طلبہ سے ملاقات کے لیے گئے، مولانا کی محبت و تواضع اور شفقت سے مولانا غیاث صاحب بہت ہی متاثر ہوئے۔ ہمیں مجموعی طور پر مولانا مرحوم سے جو پیار محبت اور ہمدردیاں ملی انہیں کبھی نہیں بھلا پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ راحتیں نصیب کرے۔ آج مولانا مرحوم ہمارے پاس نہیں ہیں تو

کل ہم بھی اس دار فانی میں نہیں ہونگے۔ اچھے لوگ نہیں رہتے ان کے کام رہتے ہیں۔ آج ان کی خدمات جو مختلف اشکال میں ہمارے درمیان موجود ہیں۔ ان کے خدمات جلیلہ سے ایک دنیا مستفید ہوئی ہے اور آئندہ بھی ہوتی رہے گی۔ جامعہ نصرۃ الاسلام کی بنیاد قاضی عبدالرزاق مرحوم نے رکھی اور اس کی آبیاری مولانا نذیر اللہ خان مرحوم اپنی ساری زندگی صَرف کر کے کی۔ اب اس جامعہ کا انتظام وانصرام مولانا قاضی عبدالرزاق نوراللہ مرقدہ کے فرزند ارجمند اور مولانا نذیر اللہ خان مرحوم کے سالا بھائی مولانا قاضی نثار احمد حفظہ اللہ کے پاس ہے، امید ہے وہ اس کو ایک کامیاب جامعہ کا شکل دیں گے۔ انشاء اللہ

نگاہ بلند، سخن دلنواز، جان پر سوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لیے

....

بقیہ: مولانا نذیر اللہؒ، کچھ باتیں کچھ یادیں

برادرم حقانی نے کراچی سے خپلو (بلتستان) تک گھوم گھوم کر فاضلین دیوبند کے حوالے سے معلومات اکٹھی کی ہیں۔ انہوں نے یہ کام ایک قومی ودینی قرض سمجھ کر کیا ہے، اللہ انہیں اس دینی تحقیقی کام میں کامیابیوں سے نوازیں اور ان کی مغفرت کا ذریعہ بنائے۔

مولانا مرحوم اپنے ہم عصر علماء میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ گلگت بلتستان میں ان کی ایک پہچان تھی، میں تفصیل میں جانے کی ضرورت محسوس نہیں کررہا، چند اشعار کی صورت میں ان کو سلام تحسین پیش کر کے اجازت چاہونگا۔

وہ بزم اب کہاں، وہ طرب کا سماں کہاں
ساقی کہاں وہ جام مے ارغوں کہاں
ڈھونڈیں ہم اب نقوش سبک رفتگاں کہاں
اب گرد کارواں بھی نہیں کارواں کہاں

نوٹ: یہ مضمون سہ ماہی نصرۃ الاسلام کے دوسرے شمارے میں شائع ہو چکا ہے۔ چونکہ مولانا مرحوم پر خصوصی نمبر کا نکالا جارہا ہے اس لیے مکرر شائع کیا جارہا ہے۔ ادارہ

....

کالم کارنر

مولانا نذیر اللہؒ، کچھ باتیں کچھ یادیں

مولانا حبیب اللہ دیدار، مسئول وفاق المدارس العربیہ، گلگت بلتستان

مولانا نذیر اللہ کو اللہ تعالی غریق رحمت کریں اور ان کو علیین میں اللہ مقام عطا فرمائے، امین۔ جب بھی جامعہ نصرۃ الاسلام میں قدم رکھتا ہوں تو مرحوم کی یادیں تازہ ہو جاتیں ہیں، مولانا مرحوم نے زندگی کا طویل عرصہ جامعہ میں گزارا اور اپنی شب روز کی محنت سے جامعہ کو اس حال تک پہنچایا، گلگت بلتستان کے دور افتادہ علاقے میں دینی خدمات، وہ بھی تعفن زدہ ماحول میں کوئی اسان کام نہیں، تاہم وہ انہی کا ہی خاصہ تھا کہ مشکل حالات میں بھی بڑے سے بڑا کام کر گزر جاتے تھے۔ مجھے ان کے ساتھ کافی عرصہ کام کرنے کا موقع ملا ہے۔

میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ اللہ تعالی نے ان کے اندر بے شمار صلاحتیں ودیعت میں رکھی تھی اور انہوں نے ان کا خوب استعمال بھی کیا۔ مولانا مرحوم نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ جامعہ کی انتظام وانصرام میں صرف کیا اور اپنی انتھک کوششوں اور قربانیوں سے جامعہ کی آبیاری کی، مولانا کو گلگت بلتستان کے تمام مکاتیب فکر سے جو احترام ملا شاید ہی کسی کے حصے میں آیا ہوں، وہ بہت نرم گوشہ رکھنے والے انسان تھے، وہ گلگت میں پید ہوئے اور یہی زندگی کے اکثر ایام گزارے، انہوں نے ابتدائی کتب قاضی عبدالرزاقؒ مرحوم سے پڑھی اور ان کی ایما اور تحریک سے اعلی تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند روانہ ہوئے وہاں اپنی تعلیم مکمل کی اور تخصص فی الفقہ جامعہ علوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن سے وقت کے کبار علماء سے کیا۔

مولانا نذیر اللہ مرحوم نے گلگت بلتستان میں سماجی اور دینی خدمات کا ایک نرالا باب قائم کیا، وہ جامعہ نصرۃ الاسلام کے حوالے سے بہت متفکر رہتے، کبھی کبھی وجد میں آکر کہتے کہ میں یہاں قبروں کا مجاور بیٹھا ہوں، ان کا دل اپنے گھر میں نہیں ٹکتا، وہ گرمی ہو یا سردی، مدرسہ ضرور تشریف لاتے، آج میں ان کے حوالے سے یہ سطور قلمبند کرنے بیٹھا تو بیتے دنوں کے حسین یادیں ایک ایک ہو کے دل ودماغ پر گزرنے لگی۔

مولانا مرحوم کی حیات اور ان کی سوانح عمری پر کام ہمارے دوست امیر جان حقانی کر رہے ہیں۔ حقانی صاحب نے مشاہیر علماء گلگت بلتستان کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، اس میں انہوں نے گلگت بلتستان سے تعلق رکھنے والے فاضلین دارالعلوم دیوبند بالخصوص مولانا عزیز الرحمانؒ، مولانا شعیبؒ، مولانا غلام رؤفؒ، مولانا سید رسولؒ، مولانا کثیرؒ، مولانا محبوب شاہ، مولانا گلشیرؒ اور مولانا حبیب اللہ حفظ اللہ رعاہ کی سوانح عمریاں بڑی تگ ودو سے جمع کی ہیں، مولانا نذیر اللہ مرحوم سے ان کی حیات میں ہی ایک تفصیلی انٹرویو کیا ہے جو ان کے پاس محفوظ ہے، سہ ماہی نصرۃ الاسلام کے انہی صفحات پر حقانی صاحب کی کتاب قسط وار شائع ہو رہی ہے۔ اور مولاناؒ کی زندگی کے تمام پہلوں پر مشتمل یہ سلسلہ عنقریب قسط وار شائع ہوگا۔ مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ مولانا سے قریبی تعلق رکھنے والے احباب نے کبھی اس طرح توجہ ہی نہیں کی کہ ان کی زندگی میں ان کی زبانی ان کی حیات محفوظ رکھی جائے، یہ کام بھی ایک کم عمر طالب علم نے کیا جو یقیناً لائق صد تحسین ہے۔ اور اس بات کا بین ثبوت ہے کہ اکابرین دیوبند سے انہیں غیر معمولی محبت اور شغف ہے۔ (بقیہ صفحہ نمبر ۱۱۴ پر)

کالم کارنر

مولانا نذیراللہ خان !ایک عہد ساز شخصیت

تحریر: محمد نذیر خان، استاذ و مفتی جامعہ محمدیہ اسلام آباد

21، 22 اکتوبر کی شب پاکستان بھر کے اہل علم کو عموماً سرزمین گلگت بلتستان کے دلوں کو خصوصاً ایک ایسا زخم دے گئی جس کے مندمل ہوتے شاید کئی زمانے لگیں، اس شب علم و عمل کا ایک درخشندہ و تابندہ ستارہ غروب ہوگیا۔ محسن المدارس، استاد العلماء، گلگت بلتستان کے علماء و عوام کا مظلوم خادم، فاضل دیوبند حضرت مولانا نذیراللہ خان (جن کو اب نہ چاہتے ہوئے بھی مرحوم و مغفور لکھتے ہوئے بے اختیار دل پرلرزہ، بدن پر جھری جھری اور ہاتھوں پر کپکپاہٹ سی طاری جاتی ہے۔ بھی اس دار فانی کو خیر باد کہہ کر چلے گئے۔

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی وہ بھی خاموش ہے

اور یوں حضرت کی وفات سے گلگت بلتستان ایک باعمل عالم دین، بہترین راہنما، امن پسند، صلح جو اور عظیم خدمت گار سے محروم ہوگیا! اناللہ وانا الیہ راجعون! مولانا مرحوم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں ہیں اور بلا مبالغہ ہر ہر پہلو میرے جیسے طالب علم کے لیے مشعل راہ اور بہترین نمونہ ہے اور ان کی حیات مستعار کا ہر باب اس قابل ہے کہ اس پر لکھا جائے، یقیناً مولانا نے جو ملک و ملت کے لیے گرانقدر خدمات انجام دیں ہیں اور جن جن مناصب عالیہ پر وہ فائز رہے، ان کا مختصر تذکرہ میں اگر کر بھی لوں تب بھی میرے اس شکستہ قلم سے نکلے ہوئے کھوکھلے الفاظ، بے روح تعبیرات ہرگز ہرگز مولانا مرحوم کی شخصیت کی صحیح عکاسی نہیں کرسکتیں۔ بلکہ میں تو صرف اپنے دل مضطر کی تسکین کی خاطر یہ چند ورق سیاہ کررہا ہوں۔ باقی مولانا کے جانشینوں اور ان کا عظیم گلشن جامعہ اسلامیہ نصرۃ الاسلام کے ارباب حل وعقد کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ وہ مولانا مرحوم کی سوانح عمری پر مفصل تحریریں لائیں۔

مولانا مرحوم 1930ء میں گلگت میں پیدا ہوئے، ان کے والد کا نام نیت خان تھا، مولانا نے ابتدائی تعلیم گلگت بلتستان کے مشہور عالم دین فاضل دیوبند اور گلگت بلتستان کے جہاد آزادی کے عظیم راہنما حضرت مولانا قاضی عبدالرزاق صاحب (مرحوم جو بعد میں حضرت کے خسر بنے) کے پاس جامع مسجد گلگت ہی میں حاصل کی، بعدازاں 1947ء میں اپنی بقیہ تعلیم کی تکمیل کے لیے دارالعلوم دیوبند چلے گئے اور 1956ء تک وہاں زیر تعلیم رہے، فراغت کے بعد واپس آکر دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں تکمیل کی، بعد میں محدث العصر حضرت مولانا یوسف بنوریؒ کے پاس کراچی میں جاکر تخصص فی الفقہ کیا اور احمد علی لاہوریؒ سے دورہ تفسیر کیا تخصص فی التفسیر سے فارغ ہونے کے بعد واپس آکر کچھ عرصہ تک جامع مسجد میں درس و تدریس سے وابستہ رہے، اسکے بعد کنوداس میں واقع جامعہ نصرۃ الاسلام گلگت کے لیے اپنے آپ کو وقف کردیا۔

مولانا کو جہاں اللہ تعالیٰ نے علم و عمل کی دولت سے نوازا تھا وہاں دست قدرت کی فیاضی انہیں دنیوی مال و متاع کی بھی فراوانی نصیب فرمائی تھی۔ حضرت کا شمار گلگت کے مایہ ناز تاجروں میں ہوتا تھا، گلگت شہر کے مشہور بازار راجہ بازار میں

مولانا کی دکان تھی، جسے 1983ء کے مذہبی فسادات میں نقصان پہنچایا گیا، صدر ایوب کے زمانہ میں مولانا BD کے چیئرمین رہے۔ مولانا مرحوم نے مشہور ادارہ صدیقی ٹرسٹ کے احباب کو گلگت بلایا جنہوں نے گلگت بلتستان کے مختلف اضلاع، تحصیلوں اور علاقوں میں ناظرہ قرآن کریم او ابتدائی دینی تعلیم کے مکاتب کھولے، مولانا مرحوم جمیعت تعلیم القرآن ٹرسٹ کے پہلے صدر (گلگت بلتستان) بھی رہے، نیز گلگت بلتستان کے دور دراز علاقوں میں مستحق لوگوں میں اپنے دست اقدس سے تقسیم فرماتے اور وہاں کے غریب اور نادار بچوں کو لاکر اپنے زیر سایہ تعلیم حاصل کرواتے۔ یقیناً آج گلگت بلتستان کے دور دراز کے کئی علاقے ایسے ہیں جہاں اگر کوئی بچہ اپنی توتلی زبان میں، یا کوئی بوڑھا بوڑھی رومانی لے میں قرآن پڑھتے ہیں، رسول اکرم ﷺ کا نام لیتے ہیں تو اس کے پیچھے یقیناً مولانا مرحوم کی انتھک کاوشیں کارفرما ہیں۔

راقم الحروف یقیناً مولانا مرحوم کے پوتوں نواسوں کے درجے میں تھا لیکن پھر بھی جب کبھی زیارت کے لئے حاضر ہوتا انتہائی محبت اور ذرہ نوازی فرماتے، گزشتہ واقعات بالخصوص دارالعلوم دیوبند اور حضرت شیخ العرب والعجم سید حسین احمد مدنیؒ کے بارے میں لب کشائی کرتے تو ماضی کی تصویر کھینچ دیتے اور ساتھ ہی اپنے مادر علمی اور استاد مکرم کی یاد میں آبدیدہ ہوجاتے، اہل علم کی معاشی کمزوری کے بارے میں کافی متفکر دکھائی دیتے۔ ایک دفعہ انتہائی گلوگیر آواز میں فرمانے لگے میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی عالم کو غریب نہ بنائے ورنہ لوگ اس کے علم کو بھی اسی کی غربت کے ترازو میں ناپتے ہیں۔ رمضان سے قبل اسلام آباد میں ایک جگہ ملاقات ہوئی وہاں کچھ طلبہ ساتھی جمع تھے تو مجھ سے مخاطب ہوکر فرمانے لگے: آج تیری تقریر سنیں گے!

مجھے آج بھی وہ منظر بھول کر نہیں دیتا، بلکہ تھوڑی دیر کے لیے بھی آنکھیں بند کر کے سوچنے لگتا ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ حضرت مرحوم اپنی قراقلی، کالی واسکٹ اور سفید لباس زیب تن کیے میرے سامنے تشریف فرما ہیں۔

حضرت مرحوم نے اپنی جائیداد کا ایک بڑا حصہ جامعہ اسلامیہ نصرۃ الاسلام کے لیے وقف فرمایا بلکہ استاد محترم مولانا قاضی نثار احمد کے بقول اپنا رہائشی مکان بھی بنات کے مدرسے کے لیے وقف فرمایا ہے۔ رمضان کے آخیر عشرے میں بیمار ہوئے۔ عید کے بعد اسلام آباد لائے گئے، MH راولپنڈی میں زیر علاج رہے اور بالآخر 21,22 اکتوبر کی درمیانی شب اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔

جان ہی دیدی جگر نے آج کوئے یار میں
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

قارئین کرام! یہاں پہنچ کر جس بات پر بے اختیار رونا آتا ہے اور آنکھیں بے قابو ہوجاتی ہیں وہ یہ ہے کہ ہم اہل گلگت بلتستان اپنے اس عظیم محسن کی کماحقہ قدردانی نہ کرسکے، یقیناً مولانا مرحوم نے تعلیم و تربیت، مدارس و مساجد کی تعمیر، رفاہی کاموں کی صورت میں بالخصوص گلگت شہر میں قیام امن کے حوالہ سے انہوں نے گرانقدر خدمات انجام دیں ہیں۔ ہم اہلیان گلگت بلتستان ان کی قدردانی نہ کرسکے، شاید اس کی ایک وجہ یہ ہو کہ ہماری سطح بین نظر میں ہر وہ شخص بے قدری کا مستحق ہے جن کے فیصلے اور عمل ہمارے جذبات اور خواہشات کے مطابق نہ ہوں، اگرچہ فی الواقعہ وہ خلوص اور صدق نیت کے خواہ جتنے بھی بلند مقام پر فائز ہو، نیز ہمارا عمومی مزاج اکثر اپنے اسی موجودہ معاشرے میں کسی بھی ایسے فرد و بشر خاص کر جب وہ اہل علم بھی ہو، کی افادیت کا تقریباً منکر نظر آتا ہے، جو ہماری محدود سوچ کا حامل نہیں یا اس سے بقضائے بشریت کسی غلطی کا صدور ہوگیا

ہو۔ بہر حال حضرت اقدس کی وفات کسی ایک قوم، علاقہ اور مسلک کا نقصان نہیں بلکہ ہزاروں سال بعد پیدا ہونے والے اس ''دیدہ ور'' کے اس مرگ ناگہاں پر ہم سب سوگوار اور دل فگار اور تعزیت کے مستحق ہیں، وقت چونکہ زخموں کو بھر دیتا ہے، اس لئے گزشتہ تین دنوں سے حضرت مرحوم کی یادیں وقتی طور پر کم سی ہو گئیں تھیں لیکن آج پھر کسی دوست نے ان کا تذکرہ کیا، پس پھر کیا تھا کہ بقول شاعر

کچھ یاس تسکین، دل مضطر کو ہوتی تھی
پھر چھیڑ دیا زخم جگر! ہائے تمنا!

اس لیے انتہائی بے قراری کے عالم میں یہ کچھ لکھ دیا اور چاہا کہ اس عظیم صدمہ میں قارئین کرام کو اپنا حصہ دار بناؤں، کیونکہ اس موقعہ پر میرے دل میں ابلنے والے ان جذبات کی داستان اگر آپ نہیں سنیں گے تو اور کون سنے گا!

اللہ تعالیٰ مرحوم کی تمام غلطیوں و کوتاہیوں کو معاف فرمائے اور انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ یقیناً ان کے لگائے ہوئے پودے ضرور تناور درخت بنیں گے۔ آبیاری کی ہوئی کلیاں ضرور چٹکنا اور مہکنا شروع کر دیں گے اور جامعہ اسلامیہ گلگت کے نام سے سینچا ہوا وہ عظیم گلشن جو آج کنو داس کی پرخار اور ریتلی وادی میں ''جنگل میں منگل'' کا سماں پیش کر رہا ہے۔ ضرور ثمر بار ہوگا اور انشاء اللہ صدیوں تک مولانا نذیر اللہ مرحوم کا نام اور خدمات زندہ رہیں گی۔

آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو
گلشن تیری یادوں کا مہکتا رہے گا

....

بقیہ: آہ! وہ شخصیت بھی جدا ہوئی......

دارالعلوم دیوبند میں حصولِ علم کے لئے صعوبتیں اُٹھانے سے لیکر نصرت الاسلام کے انتظام و انصرام تک، گلگت کے فسادات میں انتظامیہ کے کردار سے اپنے تعاون تک، علاقائی پیچیدگیوں اور جغرافیائی حالات تک کھل کر بات کرتے۔ بسا اوقات میں اپنے معاملات کے بارے رائے لیتا تو خوب نصیحتیں کرتے۔

آج ہزاروں میل دور بیٹھ کے میں محسوس کر رہا ہوں کہ جمعے کے دن جامعہ نصرۃ الاسلام کے بام و در نوحہ کناں ہیں۔ مکان رو رہے ہیں کہ وہ مکیں نہیں رہا جس نے جمعہ کے دن بھی گھر میں رہنا پسند نہیں فرمایا۔ نصف صدی سے زائد کا عرصہ اس نے اپنے آپ کو اس منصب کے ساتھ وفادار رکھا جہاں حضرت قاضی عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے جید علماء اسے کھڑا کر کے رخصت ہوئے تھے۔ وہ ہستی آج نہیں رہی جو گلگت کے جلتے آشیانے کو ہمیشہ بجھانے کی فکر کرتی رہتی، طعنے اور گالیاں سن کر بھی وہ اس فکر میں رہتا کہ کسی طرح امن کا قیام ممکن ہو۔ آج وہ ہم سے جدا ہو کر اس راستے پر گئے، جہاں سب گئے اور سب ہی کو جانا ہے۔

بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

کالم کارنر

مرحوم و مغفور چچا محترم، ایک شفیق سرپرست!

عنبرین تبسم صاحبہ / پرنسپل: جامعہ الطاف الرحمان للبنات کشروٹ گلگت

....

چچا محترم حضرت مولانا نذیر اللہ خانصاحب نور اللہ مرقدہ' کلام اللہ کے اس آیت کی عملی تفسیر تھے جو تجارت کرتے کرتے اپنی جان کا سودا رب العالمین سے کر بیٹھے۔ ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ. یقیناً اللہ تعالیٰ نے خرید لیا مومنوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو، بدلے اس کے کہ ان کے لیے جنت ہے۔

چچا جان رحمہ اللہ جو اصل میں میرے خالو تھے۔ میرے والد محترم ملک محمد شریف، اللہ غریق رحمت کرے کے دوست اور ہمدم رفیق تھے۔ بچپن میں والد ماجدؒ کے ساتھ سکول سے واپسی پر بارہا چچا محترم مولانا نذیر اللہ خانؒ کی دوکان پر جانا ہوا۔ والد صاحب کئی دفعہ سلام دعا کے لیے ان کے ہاں جایا کرتے۔ شاندار نشست ہوتی۔ خالو محترم اپنے کام کرنے والے معاونین پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ خالو جی ایک اچھے عالم دین تو تھے ہی مگر ایک کامیاب تاجر اور سیاستدان اور سماجی رہنماء بھی تھے۔ ساری زندگی لوگوں کی خدمت کی۔ ہمارے خالو جی' نانا مرحوم و مغفور حضرت مولانا قاضی عبدالرزاق نور اللہ مرقدہ کے انتقال پر ملال کے بعد ماموں جی! حضرت نثار احمد۔ اللہ تعالیٰ ماموں جی کی عمر میں نیکیوں کے لیے برکات ڈالے۔ کی کم عمری اور طالب علمی کا احساس کر کے اپنے وسیع کاروبار کو خیر آباد کہہ کر مدرسہ نصرۃ الاسلام کی خدمت کے لیے مدرسہ جا بیٹھے۔ یہ ان کے لیے ایک چیلنج تھا جو انہوں نے بحسن و خوبی مکمل کی۔ دو جمع دو' چار کرنے والی اور خرید و فروخت کرنے والی زندگی بھول گئے۔ اپنی اولاد کو بھی گرج گرج کر انتباہ کرتے کہ اپنی تمام زکواۃ' صدقات اور خیرات مدرسے میں جمع کر دیں۔ خود بھی مدرسے کی تعاون میں لگے رہتے۔ مجھ ناچیز کو بھی جب اللہ تعالیٰ نے دینی خدمات کا موقع عطا فرمایا تو بہت خوش ہوئے اور حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔ ہمت بندھائی۔ وہ مجھ کو بھی مشورے کے قابل سمجھتے تھے۔ تعلیمی امور میں مجھ سے بھی مشورے لیتے رہتے۔ یہ ان کا بڑا پن تھا۔ میں نے انہیں شفیق باپ' اچھے راز دار غرض صفات و خوبیوں سے مرصع و مرقع شخصیت پایا۔ والد محترم کی وفات کے بعد ہمارے سروں پر بھی شفقت کے ہاتھ پھیرا۔ رشتہ داروں میں ہر دل عزیز تھے۔ مجھے ان کی یہ ادا سب سے اچھی لگی کہ اپنے مال و جان کے ذریعے اللہ مہربان کریم ذات سے جنت کا سودا کر لیا۔ رب کی رب جانے۔ میری دل سے دعا ہے کہ "اللھم اغفر لعبدک نذیر اللہ واعف عنہ واغفرلہ وارحمہ ونور قبرہ واکرم نزلہ. آمین یارب العالمین

....

کالم کارنر

آہ! وہ شخصیت بھی جدا ہوئی......

محمد حمزہ گلگتی (پھنڈر)

....

اُن کے ساتھ اُس قلبی تعلق کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ نہ ہی کوئی تعلق کبھی الفاظ کا محتاج رہا ہے۔ معاشرے کی اجتماعی کیفیت مفادات کے گرد گھومتی ہے۔ اپنی اپنی پسند و ناپسند کے معیار پر اور ذاتی تعلق کی وجہ سے اکثر انسانی صلاحیتوں کا اعتراف یا انکار کیا جاتا ہے۔ بہت کم ایسے ہوتا ہے کہ اختلاف کے باوجود کسی کی صلاحیتوں کا اعتراف کیا جائے۔ میں جب شعور کو پہنچا تو مختلف آراء مختلف شخصیتوں کے بارے ہمیشہ مختلف ہی پایا۔ استادِ محترم نذیر اللہ خان رحمۃ اللہ بھی ایسی ہی شخصیت تھے جن کے بارے ہر ایک کی اپنی رائے تھی۔ یہ بات بھی سچ ہے کہ کسی کے ساتھ اختلاف بھی اس کی صلاحیتوں کا اعتراف ہی ہے۔ کیونکہ اختلاف اس سے رکھا جاتا ہے جس کے پاس کہنے اور کرنے کو بہت کچھ ہو۔ دینی، اسلامی، معاشرتی، معاشی یا دوسرے امور میں جس کا کوئی رائے ہی نہ ہو اس سے اختلاف چہ معنی دارد!

میں نے اپنی زندگی میں مختصر عرصہ استادِ محترم کا قریب سے مشاہدہ کیا۔ ایک عام اور معمولی طالب علم کا ایک قومی سطح کی شخصیت کا مشاہدہ؟؟؟ لیکن میرے سامنے معاشرے کے کچھ افراد کے خیالات اور ان کی سوچ بھی تھیں، مجھے استاد جی کے بارے بہت سارے لوگوں کے متضاد خبروں کو سننے کا موقع ملتا رہتا تھا اس لئے جب بھی ان کے ہاں گیا ان موضوعات پر ان سے بات کرنے کی کوشش کرتا۔ ان کی شفقت، محبت اور ہمدردی نے ہمیں یہ جراءت عطاء کی تھی کہ ہر موضوع پر ان سے کھل کر گفتگو کر سکتے۔ اسی بنیاد پر میں نے ایک رائے قائم کر رکھی تھی کہ بلاشبہ وہ علاقے، قوم اور ملک کے لئے درد مند دل رکھنے والا انسان تھا۔ جو کچھ معاشرے میں کہا جاتا رہا ہے ان کا اس کی ذات سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا کیونکہ ہر معاملے میں ان کی اپنی توجہات تھیں جن کا اکثر مجھ سے ذکر کیا کرتا تھا۔

جب میں حصولِ علم کے لئے دیارِ گلگت کو چھوڑ رہا تھا تو ان سے دعائیں لیں اور وعدہ لیا کہ جب بھی کراچی آنا ہو ہمارے پاس آنا۔ ان کی اپنی بھی یہ تمنا تھی جس کا ذکر بارہا کر چکا تھا کہ اب آجاؤں گا تو مولانا شفیق الرحمان صاحب کے پاس ضرور آؤنگا ان کے علاقے اور دین کے لئے بہت خدمات ہیں۔ لیکن .... کسے معلوم تھا دمِ واپسیں تک وہ اپنے خالق کے حضور پیش ہو چکے ہونگے۔ کراچی میں ہی استاد جی (میں انہیں استاد جی کہہ کر پکارتا تھا) کے انتقال کی خبر سنی۔ رات گیارہ بجے کے قریب یہ دردناک خبر ملی۔ صبح تدفین سے پہلے میں اپنے بے ربط خیالات کو کاغذ پر اُتار چکا تھا۔ دن گزرتے گئے، مصروفیات پاؤں کی زنجیر بن گئیں اور ان بے ترتیب منتشر خیالات کو اخبارات تک پہنچا نہ پاسکا۔ حالات کے ساتھ وہ نوٹ بک بھی کتابوں کے نیچے کہیں دفن ہوا اور یادِ استاد بھی ذہن سے محو ہو گیا۔ آج سہ ماہی ''نصرۃ الاسلام'' نے استاد جی پر خصوصی نمبر نکالنے کا اشتہار دیا تو کینوس میں اس تحریر کی یاد ابھری۔ تلاش بسیار کے بعد مجھے مل گئی۔ استاد جی کے تدفین سے بھی پہلے لکھی گئی وہ تحریر من وعن یہاں درج کر رہا ہوں۔

کسی کو کیا خبر کیا چیز تھے وہ　　　انہیں دیکھے کوئی میری نظر سے

"زمین اپنی وسعتوں کے باوجود جیسے تنگ ہی ہوگئی اور وقت اپنی سبک رفتاری کے باوجود جیسے رک ہی گئی۔ قلم کو جنبش دینے کے لئے انگلی کے پوروں میں طاقت ہی نہیں رہی۔ ذہن جیسے ماؤف سا ہوا۔ یہ ان سے محبت کی دلیل تھی۔ وقتی طور پر تکلیف سہہ نہ سکے مگر حالت سے سمجھوتا کرنا انسان کا ازل سے وطیرہ رہا ہے۔ رات کٹی.....جیسے تیسے.....اب جب کہ انہیں مٹی کو حوالہ بھی نہیں کر چکے ہیں۔

میرے ذہن میں سوچوں کی نئی کرن ابھری ہیں۔ سوچ رہا ہوں نیلے آسمان کے نیچے زمین کی لامتناہی وسعت میں کیسی کیسی نابغۂ روزگار شخصیات تھیں جو سب کچھ چھوڑ کر وہاں گئے جہاں سب کو جانا ہے اور سب گئے بھی۔ انبیاء سے لیکر صحابۂ کرام تک، اولیاء سے لیکر صلحاء تک، دانشور سے مزدور تک سب اسی مٹی کا رزق ہو گئے۔ جس کی خمیر سے وہ بنے تھے۔ ظالم بھی گئے، مظلوم بھی، منصف بھی گئے اور عادل بھی، عاشق بھی گئے اور معشوق بھی، دوست بھی گئے اور دشمن بھی، اپنے بھی گئے اور پرائے بھی، جابر بھی گئے اور متکبر بھی، غرض سب ہی گئے، سب کو جانا ہے.....مگر پیچھے رہ کیا گئے؟

یادیں اور اچھی صفات.....کسی کے عدل وانصاف کی داستان، کسی کے رحمدلی کے قصے، کسی کے نایاب مکالمے، کسی کے اعلیٰ نصیحتیں، کسی کے ظلم و جبر کے افسانے، کسی کے منصف اور پاکباز ہونے کی کہانی، کسی کے علم وعبادت کے چرچے، کسی کے سحر کے آہوں کے قصے.....غرض جو جیسے تھا ویسے کہانی چھوڑ کر گیا.....سب گئے.....سب ہی کو جانا ہے۔ راستہ ایک، منزل ایک، زادِ سفر کا معیار ایک جیسا، مسکن سب کا ایک، مکان سب کا ایک ہی طرح کا، نہ ذات۔ خاندان.....کوئی ساتھ نہیں بس اکیلا ہی.....ایک ٹکڑا ئے کفن کے ساتھ.....جانے والوں کے تن اور سفید ٹکڑا ئے کفن ۔۔۔اور بس......کسی نے دولت ساتھ لے گیا نہ ثروت.....کسی کا جائیداد اس کا زادِ راہ بنا اور نہ ہی عہدہ.....اولاد گئے نہ عزیز.....سب کچھ یہیں رہ گئے۔ ایک سے دوسرے کو منتقل ہوتے رہیں گے۔ یہ سلسلہ یونہی آگے چلتا رہیگا، جو ساتھ گیا، جو زادِ سفر بنا وہ نہ کبھی نظر آیا اور نہ آئیگا۔ بس ان کے نقوش ہیں تو دنیا میں۔۔ جہاں سے اچھے اعمال کے صلے جو ایمان کی حالت میں دینِ اسلام یا فلاحِ انسانیت کے لئے قائم کئے ہوں برزخ میں بھی سپلائی ہوتے رہیں گے۔ پر دیکھ کوئی نہیں سکتا۔ مشاہدہ کوئی کر نہیں سکتا۔ آقائے نامدار ﷺ نے کہا ہے اور ہمارا ایمان ہے۔۔۔انہیں صرف محسوس ہی کیا جا سکتا ہے۔

کس قدر خوش نصیب ہیں وہ شخصیات جن کی زندگی کا ایک ایک لحہ خدمت دینِ ،اسلام اور خدمتِ انسانیت میں گزر جاتا ہیں۔ ان ہستیوں میں ایک اُستادِ محترم نذیر اللہ خان صاحب بھی ہیں جو کل جمعے کی رات اکیس اکتوبر ۲۰۱۰ کو علالت کے بعد خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ انا اللہ وانا الیہ الراجعون

استادمحترم کی شخصیت متنوع پہلووں وصفات کے حامل تھی۔ اسی لئے ہر ایک ان کے بارے مختلف زاویے سے سوچتا تھا۔ میں نے ہمیشہ ان کے اچھے پہلوؤں کا مشاہدہ کیا۔ جب تک میرا ان سے قلبی تعلق رہا ان کی اچھی خصوصیات ہی کو دیکھا۔ میری علمی ضرورت کی بنیاد پر یہ رشتہ استوار ہوا تھا اور گزرتے دن کے ساتھ وہ مضبوط روحانی رشتے میں تبدیل ہوا۔ میں نے تین سال کے عرصے میں ان کی عبادات سے لیکر خدمت اور سادگی تک سب دیکھا اور محسوس کیا کہ وہ بہت بڑے دل کے انسان تھے، میں جب بھی جاتا ان کی صحبت میں، دو ہی نیتیں کارفرما ہوتیں تھیں، صحبتِ علماء اور نصیحتیں لینا۔ میرے لئے حددرجہ شفیق تھے۔ ہر موضوع پر گپ شپ کرتے۔ (بقیہ صفحہ نمبر ۱۷۱ پر)

مسائل و فضائل

آپ کے مسائل اور ان کا شرعی حل

مفتی عبد الباری صاحب، صدر مدرس و رئیس دارالافتاء والقضاء: جامعہ نصرۃ الاسلام گلگت

....

سوال نمبر۱: محترم مفتی صاحب! کیا طویل مدت کے لیے یعنی سال ڈیڑھ سال کے لیے بچوں کو چھوڑ کر تبلیغ پر جانا جائز ہے؟۔محمد سلیم جونیئر پروگرامر' قراقرم انٹرنیشنل یونیورسٹی گلگت

جواب: جبکہ عورت کے پردے کا مکمل اہتمام کے ساتھ واپس آنے تک بال بچوں کے اخراجات بھی ہوں نیز بیوی کے کسی فتنے میں مبتلا ہونے کا خطرہ بھی نہ ہو اور چار ماہ سے زائد بیٹھنے کے لیے عورت کی اجازت بھی ہو' ان مذکورہ شرائط کے ساتھ جانا محض جائز ہے ورنہ سخت گنہ گار ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے چار ماہ سے زائد اپنے گھر سے دور جا کر رہنے سے مجاہدین کو منع فرمایا تھا۔ ایک دفعہ حضرتؓ رات کو حسب معمول گشت فرمارہے تھے کہ ایک گھر سے دردناک اشعار پڑھنے کی آواز آئی۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک عورت اپنے شوہر کو یاد کر رہی ہے۔ آپؓ نے فوراً اپنے گھر واپس آکر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا (ام المؤمنین) کو بلا کر دریافت فرماتے ہیں کہ آپ امت کی ماں ہے۔ آپ سے یہ مسئلہ پوچھنا ہے کہ ایک عورت اپنے شوہر سے کتنا عرصہ جدا رہتی ہے؟ جس پر آپؓ نے ہاتھ سے اشارہ کرکے چار ماہ متعین فرمائی، بعد آذان آپؓ نے تمام گورنروں کو حکم نامہ جاری فرمایا' کہ آج کے بعد کوئی بھی مجاہد چار ماہ سے زیادہ دور نہیں رہے گا، لہذا تبلیغی حضرات کا بھی فرض ہے کہ وہ مذکورہ شرائط کا پاسداری کریں۔۔ واللہ اعلم بالصواب

سوال نمبر: کیا ہوائی جہاز میں نماز کھڑے ہو کر پڑھنا ہے' یا بیٹھ کر باجماعت پڑھنا ہے یا اکیلا؟۔ عبدالرزاق جوٹیال گلگت

جواب: اگر یہ اندیشہ ہو کہ جہاز سے اترنے تک نماز کا وقت ختم ہوگا تو کھڑے ہو کر رکوع سجدے کے ساتھ روبقبلہ ہو کر ادا کرنا لازم ہے۔ اشارے سے پڑھنا جائز ہے۔

سوال نمبر۳: وضو میں صاحب عذر کس کو کہتے ہیں؟ تفصیلاً احکام واضح فرمائیے۔ اسکندر جوٹیال گلگت

جواب: اگر ایک آدمی نہایت تیزی کے ساتھ وضوء بنا کر یکدم مغرب کی نماز فرض باوضو ادا نہیں کرسکتا ہے یعنی اتنا وقت بھی صفائی سے نہیں گزرتا ہو وہ صاحب عذر ہے۔ وہ (صاحب عذر) اسی وضو کے ساتھ مذکورہ وقت میں ادا، قضاء، فرائض، نوافل اور سنن پڑھ سکتا ہے۔ اگرچہ دوران نماز وہ عذر درپیش ہو۔ ہاں البتہ اس عذر کے علاوہ دوسری کوئی چیز ناقص وضو پیش ہو تو پھر دوبارہ وضو کرنا ہوگا۔ مثلاً پیشاب کے قطروں کی شکایت تھی اب ریح خارج ہو' وغیرہ وغیرہ

سوال نمبر۴: محترم مفتی صاحب! میں نے سال 2011ء جون کو 50 عدد بکری کے چھوٹے چھوٹے بچے خریدے یعنی ان کی عمر چھ ماہ سے کم تھی، سال 2012ء تک وہ میرے پاس موجود ہیں۔ ان کے ساتھ کچھ اور بڑی بھیڑ بکریاں بھی خریدی اور یہ تمام کے تمام قرض کی رقم سے خریدا اور ابھی تک وہ قرض ادا بھی نہیں کرسکا۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ اس مال میں مجھ پر زکواۃ واجب ہے کہ نہیں سال تو پورا ہوا ہے مگر قرض ادا نہیں ہوا ہے۔ حضرت یعقوب' مارتل گوہرآباد ضلع دیامر

جواب: جبکہ قرض آپ کے ذمہ سرمایہ اور آمدنی سے زائد ہے تو زکواۃ واجب نہیں ہے۔ ومن کان علیہ دین یحیط بمالہ فلا زکواۃ علیہ (ہدایہ' کتاب الزکواۃ ص: ۱۶۸' ج:۱) اور اگر قرض سے اس قدر زائد رقم ہے جو کہ ساڑھے باون تولہ بنتے ہیں تو قرضہ کو منہا کرکے باقی کی زکواۃ واجب الادا ہے۔" ومنها الفراغ عن الدين فيز کیٰ الزائدة ان يبلغ نصابا (الدر المختار' ص:۹' ج:۲)

تبصرہ و تعارف کتب

مبصر: امیر جان حقانیؔ

نوٹ: تبصرے کے لئے کتاب/ میگزین کی دو عدد کاپیاں ارسال کرنا ضروری ہے۔ ادارہ

....

کتاب کا نام: شینا لکھنے کی ورک بک

تدوین و تشکیل: شکیل احمد شکیل

سن اشاعت اول: 2013

ضخامت: 66 صفحات

قیمت: 200 روپے

پیشکش: شینا لینگویج اینڈ کلچر پروموشن سوسائٹی گلگت' قلندر پلازہ' سینما بازار گلگت

ڈسٹری بیوٹرز: نارتھ بکس' مدینہ مارکیٹ گلگت' المرتضیٰ بک ڈپو، اتحاد چوک گلگت

زبان کسی بھی قوم کی پہچان ہوتی ہے۔ اختلاف السنہ کا ذکر تو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں بھی کیا ہے۔ زبانوں کا مختلف ہونا ہی حسن ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ بعض دفعہ اختلاف السنہ ہی کی وجہ سے ملک ٹوٹتے ہیں اور کبھی کبھار کسی انقلاب کا باعث بھی یہی زبانیں بنتی ہیں۔ ہمارے سامنے شینا لکھنے کی ورک بک ہے۔ بنیادی طور پر یہ کتاب ''زبانی کلامی'' معاشرے کے لیے ورک بک ہے۔ شینا زبان چونکہ اپنی مکمل لطافت و شیرینی اور پس منظر رکھنے کے باوجود ابتدائی ارتقائی مراحل میں ہے۔ زبان دانی کی ترقی کیسے پیدا کی جانی چاہیے اس کتاب کو اسی تناظر میں ترتیب دی گئی ہے۔ اس کتاب کا جائزہ لینے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ زبانی، کلامی سماج کو شینا لکھنے کی روایت سے آشنا کروانے کے لیے اور بالغان کے لیے یہ ورک بک زیادہ مفید لگ رہی ہے بلکہ اسی بات کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔ ہماری دانست کے مطابق سکینڈری کلاسز اور اس سے اُوپری درجے کے طبقات اس کتاب سے بہتر طریقے سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ لسانیات پر کام کرنے والوں کے لیے بھی اس ورک بک سے رہنمائی مل سکتی ہے۔ اردو رو نظام لکھائی و پڑھائی کے وہ مسائل جو شینا زبان کی لکھائی و پڑھائی میں بھی پیش آرہے ہیں انہیں بھی کچھ کچھ حل کی طرح راہ سجھائی دیتی ہے۔

بہر صورت یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ کسی بھی قوم کی ترقی کا راز اس کے تعلیمی نصاب و نظام میں مضمر ہے۔ جن قوموں نے اپنے تعلیمی نظام کو درست بنیادوں پر استوار کیا ہے وہ قومیں آج ترقی یافتہ قومیں کہلاتی ہیں۔ علمی و تعلیمی ماہرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بچے کو ابتدائی تعلیم اس کی مادری زبان میں دی جائے تو وہ بہتر طریقے سے علمی منازل طے کرتا جاتا ہے۔ ڈاکٹر عبدالسلام پاکستان کے علاقہ جھنگ کے رہنے والے ہیں۔ جنہیں نوبل انعام ملا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ انہوں نے ایف ایس سی کی کوئی بک ساٹھ دفعہ اردو اور انگلش میں باقاعدہ مختلف استادوں سے پڑھی مگر کتاب کا اصل مفہوم دل میں نہیں اترا، جب انہوں نے 61 ویں دفعہ اپنے کسی استاد سے پنجابی زبان میں پڑھی تو کتاب کی تمام جزئیات و کلیات دل و دماغ میں اتریں۔

یہ ہے کرشمہ اپنی مادری زبان میں تحصیلِ علم کا۔ پاکستان کے تمام صوبوں میں صوبائی زبانیں داخل نصاب ہیں سوائے گلگت بلتستان کے۔ شومئی قسمت گلگت بلتستان کے ارباب حل وعقد اس بات کی طرف توجہ ہی نہیں دے پا رہے ہیں۔ ہماری درمندانہ اپیل ہوگی کہ گلگت بلتستان کی مختلف بولیوں کو ابتدائی نصاب میں جگہ دی جائے۔ یہ کام چونکہ اتنا آسان نہیں، تاہم اگر سنجیدگی سے اس امر کے لیے کمر کس لی جائے تو کچھ بھی مشکل نہیں۔ حکومت اس ضمن میں حکومت سندھ اور پنجاب سے رہنمائی لے سکتی ہے کہ انہوں نے اپنی علاقائی بولیوں کو کیسے اپنے تعلیمی نصاب کا حصہ بنایا۔ حکومت اگر سنجیدہ ہو تو صرف ان اضلاع، جہاں ''شینا زبان'' بولی جاتی ہے کے لیے ابتدائی نصابی کتب تیار کروا کر تجربہ کر سکتی ہے۔ اگر یہ تجربہ مفید اور خوشگوار ثابت ہوا تو، شینا کی طرح بلتی، کھوار، بروشسکی اور وخی وغیرہ کو بھی نصاب کا حصہ بنا سکتی ہے۔ گلگت بلتستان کی اکلوتی یونیورسٹی میں بھی علاقائی لسانیات کا ڈیپارٹمنٹ قائم کیا جا سکتا ہے۔ اس ضمن میں شینا لینگوئج اینڈ کلچر پروموشن سوسائٹی گلگت، محکمہ تعلیم گلگت اور قراقرام انٹرنیشنل یونیورسٹی کے لیے بہتر خدمات انجام دے سکتی ہے۔ اور یہ تینوں شعبے مل کر اس حوالے سے کوئی مرکزی کردار ادا کر سکتے ہیں۔ دل کی ایک ارمان ہے کہ کتنی خوبصورت بات ہوتی جب ''قرآن کریم اور احادیث مبارکہ'' کی معروف کتب کا شینا زبان میں ترجمہ کیا جاتا اور لوگ اپنی مادری زبان میں قرآن و احادیث کی لطافت و شرینی سے محظوظ ہوتے۔ آج نہیں تو آنے والا کل ایسا ہوگا، انشاء اللہ

☆☆☆

میگزین کا نام:	سہ ماہی ''فکر و نظر'' گلگت بلتستان
چیف ایڈیٹر:	عبدالکریم کریمی
جلد نمبر:	03
شمارہ نمبر:	10,11
مہینہ اشاعت:	جنوری تا جون 2013ء
ضخامت:	96 صفحات
پبلشر:	عبدالکریم کریمی، کریم منزل ضلع غذر

زیر نظر میگزین ''سہ ماہی فکر و نظر'' کا دسواں اور گیارہواں شمارہ ہے۔ اکیسویں صدی کے اوائل میں ہی ملک بھر کی طرح گلگت بلتستان میں اچانک صحافتی انقلاب آیا ہے۔ اس ملک گیر صحافتی انقلاب کا پس منظر تفصیل طلب ہے، تاہم ہمارے زیر نظر فکر و نظر وہ کے شمارے ہیں جو ادارہ نصرۃ الاسلام کو تواتر کے ساتھ پہنچ رہے ہیں۔ فکر و نظر کے دو حصے ہیں۔ ا حصہ اردو ۲ حصہ انگریزی۔ سہ ماہی فکر و نظر کے عناوین سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس ادبی مجلّے میں ادب کی تمام اصناف کو سمو دیا گیا ہے۔ ایک نظر ''آئینہ فکر'' کے عنوانات پر ڈالتے ہیں تا کہ اس مجلّے کی ادبی راہ متعین ہو سکے۔ اداریہ، نظم، یادِ رفتگاں، ادب در ادب، تاریخ بولتی ہے، حالات حاضرہ، زبان و ادب، غور و فکر، کھوار ادب، نئے قلم کار، طرحی غزلیں، خطوط، طنز و مزاح، تبصرہ کتب، تعارف کتب، غزلیں، نظمیں، سفرنامہ، افسانہ، ناول، یہ ہیں عنوانات، اور ان عنوانات کے ذیل میں گلگت بلتستان کے نامور ادبی و علمی شخصیات نے اپنے اپنے خوبصورت مقالات پیش کیے ہیں، جو یقیناً ادبی و صحافتی اور علمی معیار میں ملک کے دیگر حصوں میں لکھنے والوں سے کسی بھی طور پر کم نہیں ہیں۔

اس شمارے کے چند مضامین جو انتہائی دلکش اور دل بھا لینے والے ہیں۔ شہرِ تمنا میں اجنبی کے عنوان سے احمد سلیم سلیمی کا مضمون جو بطور اداریہ پیش کیا گیا ہے پڑھنے کے لائق ہے جس میں شہر گلگت کا منظر نہایت خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ میرے ادبی تجربات و مشاہدات کے عنوان سے پروفیسر الہامی صاحب کی آپ بیتی بھی منفرد ہے۔ گلگت بلتستان کا مزاحمتی ادب کے عنوان سے خوشی محمد طارق کی تحریر جو انہوں نے مختلف شعراء کے مزاحمتی اشعار یکجا کر کے ترتیب دی ہے قابل دید ہے۔ قاضی نثار حقانی اور نصرۃ الاسلام کے عنوان سے فکر و نظر کے چیف ایڈیٹر کا تبصرہ نہ صرف تبصرہ ہے بلکہ ایک البیلا اخباری کالم بھی ہے شامل اشاعت ہے۔ یارانِ محفل کے ساتھ ایک دن اشکومن میں، کے عنوان سے راقم (امیر جان حقانی) کا سفر نامہ تصاویر کے ساتھ مزین ہے۔ شینا زبان میں لغت نگاری کے عنوان سے شیر باز برچہ کی مختصر مگر پر اثر تحریر اور ظرافت نامہ کے عنوان سے عبدالخالق تاج کی تحریر بھی شامل ہیں۔

حصہ انگریزی میں چار مضامین شامل ہیں۔ فکر و نظر کا ایک سلسلہ نہایت ہی خوبصورتی کے ساتھ ترتیب دیا جا رہا ہے' جس کا عنوان ''طرحی غزلیں'' ہے۔ جس میں شعراء کرام کو ایک طرحی مصرع پر طبع آزمائی کی دعوت دی جاتی ہے اور اس طرح پر گلگت بلتستان اور ملک و بیرون ملک سے شعراء کرام حصہ لیتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک خوبصورت سلسلہ ہے۔ ''سخن ور ہمارے'' کا حصہ بار بار پڑھنے کے لائق ہے۔ خطوط کا سلسلہ بھی انوکھا ہے۔ فکر و نظر کے قارئین طویل طویل خطوط لکھتے ہیں۔ خطوط میں ایڈیٹنگ کی گنجائش بہت کم ہوتی ہے' ایڈیٹنگ سے خطوط کا اصل رنگ پھیکا پڑ جاتا

ہے جو مناسب نہیں۔ فکر و نظر کے خطوط کے مطالعے سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ ان میں ٹھیک ٹھاک ایڈیٹنگ کی جا رہی ہے۔ مجموعی طور پر فکر نظر کے تمام شمارے بہت ہی خوبصورتی کے ساتھ بلکہ بڑی محنت کے ساتھ ترتیب دیے گئے ہیں۔ کچھ چیزیں تو ایسی ہیں جو یقیناً قابل رشک ہیں۔ مثلاً ۱۔ فکر و نظر کی ڈیزائنگ، ۲۔ پروف ریڈنگ، ۳۔ پیج میکنگ، ۴۔ ٹائٹل کی خوبصورتی پر محنت۔ ۵۔ گلگت بلتستان کے تمام قلم کاروں اور شعراء کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا۔ ۶۔ تصاویر کو مناسب جگہ لگانا۔

اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جو یقیناً قابل توجہ بلکہ قابل اصلاح ہیں۔ مثلاً ۱۔ ٹائٹل پر ہمیشہ کسی خاتون کا تصویر دینا، ۲۔ چیف ایڈیٹر کا فرنٹ ٹائٹل / بیک ٹائٹل یا دونوں پر اپنی تصاویر چسپاں کرنا، ۳۔ مجلس مشاورت کی فوج ظفر موج کو کم کر کے مجلس تحریر میں چند جید قلم کاروں کو شامل کرنا اور ان سے مستقل علمی اور تحقیقی و ادبی امور کے حوالے سے رہنمائی لینا، ۴۔ کیونکہ فکر و نظر کسی خاص مکتب فکر یا کسی ادارے کا ترجمان نہیں ہے اس لیے بعض غیر ضروری مذہبی چیزوں سے پرہیز کیا جانا ہی ادارے کے لیے مفید ہے۔

غرض مجموعی طور پر فکر و نظر نے گلگت بلتستان کی میگزینی صحافت میں ایک نیا اسلوب متعارف کروایا ہے جو اس سے پہلے ناپید تھا۔ ادارہ سہ ماہی نصرۃ الاسلام ''فکر و نظر'' کی علمی و ادبی کاوشوں کو سراہتا ہے۔ اور امید کی جا سکتی ہے کہ اس ادبی میگزین میں مزید نکھار پیدا کیا جائے گا۔

☆☆☆

کتاب کا نام: مآثر و مکاتیب

مؤلف: حضرت مولانا محمد عبدالمعبود مدظلہ

پیش لفظ: مولانا عبدالقیوم حقانی

ترتیب: حافظ محمد طیب حقانی

سن اشاعت اول: مارچ 2012ء/ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ

ضخامت: 352 صفحات

ناشر: القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ کے۔پی۔کے

مولانا محمد عبدالمعبود اسلامی رسائل کی دنیا میں کوئی نیا نام نہیں۔ وہ مختلف اوقات میں دینی مجلات میں علمی مضامین لکھتے رہتے ہیں۔ ان کی کئی علمی وادبی تالیفات وتصنیفات اہل علم وقلم سے داد وصول کر چکی ہیں۔ یہ کتاب بھی انہیں میں سے ایک ہے۔ کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول مقالات ومضامین، باب دوم بحث ونظر، تحقیق وتنقید اور تعارف وتبصرہ کتب ہے۔ ان ابواب سے کتاب اور مضامین کے موضوعات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ زبان بڑی دلچسپ ہے، موضوعات خوب ہیں۔ مشکل الفاظ کا استعمال خوب کرتے ہیں۔

کتاب مختلف علمی کتابوں کے مطالعہ ومشاہدہ اور تحقیق اور ذوق لطیف کا مجموعہ ہے۔ اس میں مشائخ کے تذکرے اور خطوط بھی ہیں، درس وتدریس کی ضوافشانیاں بھی ہیں، کتب ورسائل پر آراء وتبصرے بھی ہیں س، مدارس دینیہ کے انتظام و انصرام کے لیے رہنمائی کے اصول بھی، بعض علمی مسائل اور وقیع کتب پر سیر حاصل گفتگو بھی۔ مجموعی طور پر کتاب مفید ہے، ٹائٹل دیدہ زیب ہے، ورق بھی مناسب استعمال ہوا ہے۔ کتاب کا بغور جائزہ بتاتا ہے کہ مولانا تواضع، بردباری اور صاحب تقویٰ نظر آتے ہیں اور ان کی علمی وقلمی رسوخیت کا اندازہ بھی خوب ہوتا ہے۔ اسلوب میں سلاست وسادگی اور استدلال و استنباط اور زبان اور ادب شرینی وچاشنی بھی دل کو بھالیتی ہے۔

☆☆☆

کتاب کا نام: والد کا پیغام اولاد کے نام

مؤلف: مولانا عبدالقیوم حقانی

اشاعت: اکتوبر، 2012ء / ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ

ضخامت: 252 صفحات

ناشر: القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ کے۔پی۔کے

زیر نظر کتاب مولانا عبدالقیوم حقانی کی گرانقدر تصنیفات میں ایک ہے۔ مولانا موصوف نے ادبی اصناف کے ہر صنف میں قدم رکھا ہے اور اس کا حق بھی ادا کیا ہے۔ برصغیر میں اسلامی ومذہبی ادب کی تاریخ مرتب کی جائے گی تو مولانا کا مقام وقیع اور بلند ہوگا، بلکہ صف اول کے لکھاریوں اور ادبی شہ پارے تخلیق کرنے والوں کی فہرست میں شامل ہوگا۔ والد کا پیغام......اولاد کے نام مولانا کی اچھوتی کتاب ہے۔ اگر کتاب ہذا کو ناول کا نام دیا جائے تو قطعاً ناول نہیں مگر ناول و افسانے کی چاشنی اور رنگ بدرجہ اتم موجود ہے۔ اگر کہانی یا آپ بیتی خیال کیا جائے تو مکمل آپ بیتی وحکایت نامہ بھی نہیں۔ (میرا ذاتی مشاہدہ اور کتاب کا مطالعہ بتاتا ہے کہ مولانا نے کتاب کا مرکزی رخ اپنی یعنی اپنے گھرانے کی طرف ہی

پھیرا ہے یعنی کردار انہیں اپنے گھر سے ہی ملے ہیں)۔ انداز کبھی عالمانہ اور محققانہ ہوتا ہے تو کبھی مکالمانہ اور بیانہ، کبھی خود کسی کو جان پدر کر کے مخاطِب کرتے ہیں تو کبھی اپنی ''اماں جی'' مرحومہ سے مخاطب ہوتے ہیں۔ کبھی اولاد صالح کو نقشہ کھینچا جاتا ہے تو کبھی باغی اولاد کی تصویر۔ کبھی جگر گوشوں کے سامنے اصحاب رسول اور امہات المؤمنین اور اکابر وسلف کے قصے ونمونے سامنے رکھتے ہیں اور ساتھ تلقین بھی کرتے ہیں کہ ان رہنماء خطوط سے انحراف کسی بھی طور مفید نہیں بصورت دیگر خیر کے تمام ابواب مغلق اور شر وفتن کے تمام دروازے مفتوح۔ نور چشموں کو صالحین وسالکین اور اہل علم وفضل اور اصحاب تقویٰ وورع کی کہانیاں اور اوصاف حمیدہ بھی سناتے ہیں تو جانِ منوں کو قناعت وطلب معاش وحلال کی ترغیب بھی دیتے ہیں اور اس کے لیے قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی سے مزین دلائل بھی پیش کرتے ہیں۔ کبھی تو جان پدروں کے دلوں کو اپنے زمانہ طالب علمی کے واقعات ومشاہدات بلکہ مشکل حالات سے پسیجنا چاہتے ہیں اور انہیں بتانا چاہتے ہیں کہ بغیر محنت ومشقت کے نسب و نسبت کچھ کام نہیں آتا۔ اور کبھی تو مولانا بہت دکھی ہوتے ہیں اور اس شعر کا حقیقی منظر پیش کرنے لگتے ہیں کہ:

کیا کہوں کیسی تمنا، کیسی حسرت دل میں ہے　　عارفیؔ ممکن نہیں عنوان کوئی اظہار کا

بہر صورت کتاب کا مطالعہ بتاتا ہے کہ اس میں نئی نسل کے لیے کامیابی کے راز، دانائی وحکمت اور عقلمندی کی باتیں، صبر و قناعت کی تعلیم، استقامت کے نتائج وفوائد اور تبلیغی واصلاحی اور سماجی ومعاشرتی اور جہادی سرگرمیوں کے لیے واضح نقوش ملتے ہیں۔ اپنے طرز اور نئے انداز کی البیلی کتاب ہے۔

☆☆☆

کتاب کا نام: عکس تمنا (مجموعہ نعت)

شاعر: الحاج مسرور کیفی

ناشر: محمد رمضان میمن

تاریخ طباعت دوازدہم: ربیع الاول ۱۴۳۴ھ/ جنوری 2013ء

ضخامت: 48 صفحات

قیمت: 50 روپے

یہ مختصر سا کتابچہ جناب مسرور کیفی مرحوم کے جذبات کا مظہر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان جلالی کے حوالے سے بہترین کلام پیش کیا گیا ہے۔ مسرور کیفی صاحب کا انداز بڑا پیارا ہے۔ شاعری میں تسلسل ہے۔ اس مجموعے میں اپنے دلی جذبات کو خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے۔ ان کی ایک نعت کے چند اشعار پیش ہیں۔

دِرِ حبیب ﷺ سے وابستگی ہوئی جب سے
اَنا کے خول سبھی ہم اُتار بیٹھے ہیں
حضورؐ! حال عجب ہوگیا ہے اب اپنا
قرار بھی ہے مگر بے قرار بیٹھے ہیں
ہم اپنی جیت پہ مسرور کیوں نہ ہوں نازاں
ہم اپنے آپ کو قدموں میں ہار بیٹھے ہیں

☆☆☆

کتاب کا نام: اسلامی معاشرہ کے لازمی خدوخال

افادات : شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق صاحب

جمع وترتیب: مولانا مفتی عبدالمنعم حقانی

پیش لفظ: مولانا عبدالقیوم حقانی

ناشر: القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ کے۔پی۔کے

تاریخ طباعت اول: اگست ۲۰۱۲ء/ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ

ضخامت: ۴۰۰ صفحات

یہ کتاب مولانا سمیع الحق صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے جامع السنن للترمذی ''ابواب البر والصلۃ'' کے احادیث مبارکہ کی کلاس میں کی گئی تقاریر وتفسیر کی درسی امالی ہیں جنہیں مولانا عبدالمنعم حقانی صاحب نے عرق ریزی سے مرتب کیا ہے۔ معاشرتی زندگی کے حوالے سے بیان کردہ احادیث کے یہ مفاہیم بالکل آج کے حالات وضروریات کے عین مطابق ہے۔ مولانا صاحب کی تحریر کے ساتھ ان کی تقاریر اور دروس بھی جاندار اور علمی ہوتے ہیں جن کا بین ثبوت ان کی بے شمار علمی وتحقیقی اور ادبی کتب ہیں۔ زیر نظر کتاب میں ایک انسان کی زندگی میں جن جن لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے ان تمام کے حوالے سے بہترین معلومات مدلل اور واضح انداز میں نہیں آسان اسلوب میں دستیاب ہیں۔ کتاب کا بغور مطالعہ بتاتا ہے کہ حسن معاشرت، اوصاف حسنہ اور سماجی ومعاشرتی زندگی، گھرداری، فیملی کے ساتھ تعلقات، دوست احباب، امیر وغریب، چھوٹا بڑا اور اعلیٰ ادنی غرض ہر آدمی کے متعلق انتہائی خوبصورت انداز میں معلومات دستیاب ہیں۔ کتاب کا سائز، سرورق، کمپوزنگ بھی کمال حد تک بہترین ہے۔ کاغذ بھی عمدہ استعمال کی گئی ہے۔ صاحب ذوق انسانوں بالخصوص ان قلم کاروں کو اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے جو معاشرتی، سماجی مسائل پر لکھتے ہیں۔ مولانا عبدالقیوم حقانی کا ایک خوبصورت پیش لفظ بھی مرقوم ہے۔ ظاہری وباطنی اعتبار سے کتاب بہترین ہے۔

☆☆☆

اخبار وسرگرمیاں

جامعہ نصرۃُ الاسلام کے شب وروز

انچارج: مولانا حبیب اللہ دیدار
تزئین وترتیب: ابن شہزاد حقانی

....

27 اکتوبر 2012ء/ جامعہ نصرۃ الاسلام میں اجتماعی قربانیوں کا اہتمام

27 اکتوبر 2012ء کو جامعہ نصرۃ الاسلام میں اجتماعی قربانیوں کا اہتمام کیا گیا۔ جامعہ میں گذشتہ سالوں کی طرح امسال بھی جید علماء کرام اور جامعہ کے اساتذہ کرام کی نگرانی میں اجتماعی قربانیوں کا اہتمام کیا گیا۔ قربانی کے جانوروں کی خریداری کے لیے جامعہ کے محافظ حاجی مرجان نے بڑی محنت اور جدوجہد سے کام کیا' حاجی مرجان' مولوی رحمت گل (جامعہ نصرۃ الاسلام کا اولین فاضل) اور برادر سلیمان نے سات (۷) دن مسلسل ضلع غذر کے مختلف گاؤں میں قربانی کے لیے جانور خریدے اور ان کو لے کر گلگت پہنچ گئے۔

8 جولائی 2012ء / جامعہ نصرۃ الاسلام وجامعہ عائشہ للبنات میں عیدالاضحیٰ تعطیلات

8 جولائی 2012ء کو جامعہ نصرۃ الاسلام وجامعہ عائشہ للبنات میں عیدالاضحیٰ عید کی تعطیلات ہوئی، جامعہ کے طلبہ نے اجتماعی قربانیوں میں خدمات انجام دیں جبکہ طالبات اپنے اپنے گھروں کے لیے روانہ ہوئیں۔

7 نومبر 2012ء / جامعہ کے استاد قاری عبدالعظیم کے والدگرامی کا انتقال

7 نومبر 2012ء کو جامعہ کے استاد قاری عبدالعظیم صاحب کے والدگرامی جناب میر واحد کا انتقال ہوا۔ اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت کریں۔ جامعہ کے تمام اساتذہ نے مرحوم کو ایصال ثواب کے لیے دعا کی اور طلبہ نے ختم قرآن کا اہتمام کیا۔ مرحوم رئیس الجامعہ کے چچازاد بھائی تھے۔ رئیس الجامعہ نے گہرے دکھ کا اظہار کیا اور حرمین میں ان کے لیے دعائے مغفرت کی۔ اور وہاں سے ٹیلی فونک پسماندگان سے تعزیت کیا اور صبر جمیل کی تلقین بھی۔

10 نومبر 2012ء/ جامعہ کے اساتذہ کا مولانا اویس کی ولیمہ میں شرکت

10 نومبر 2012ء کو جامعہ کے اساتذہ مولانا خلیق الرحمان ناظم الامور بنات' مولانا حبیب اللہ اور مولانا امیر جان حقانی نے جامعہ نصرۃ الاسلام کے سابق استاد مولانا اویس صاحب کی دعوت ولیمہ میں شرکت کی۔

12 نومبر 2012ء / جامعہ نصرۃ الاسلام وجامعہ عائشہ میں پڑھائی شروع

12 عیدالاضحیٰ تعطیلات کے بعد 2 نومبر 2012ء کو جامعہ عائشہ میں پڑھائی شروع شروع ہوئی جبکہ جامعہ نصرۃ الاسلام میں ۶ نومبر کو پڑھائی شروع ہوئی۔

15 نومبر 2012ء جامعہ کے دواساتذہ کی صاحبزادیوں عقدِ نکاح ودعوت ولیمہ

15 نومبر 2012ء جامعہ کے ناظم دارالاقامہ قاری عبدالوہاب کی صاحبزادی کا عقد نکاح ودعوت ولیمہ کا پروگرام

گلگت میں جامعہ میں ہی منعقد ہوا جبکہ ناظم تعلیمات مولانا خلیل صاحب کی صاحبزادی کا عقد نکاح اور ولیمہ کا پروگرام دار یل میں ہوا۔ اللہ تعالیٰ زوجین میں خیر و برکت ڈال دیں۔ اور جامعہ کے استاد مولانا ظہیر احمد صاحب کا بھی دعوت ولیمہ ہوا۔

15 دسمبر 2012ء/ رئیس الجامعہ کا شکیوٹ میں مسجد کے تعمیراتی کام کا جائزہ

15 دسمبر 2012ء کو رئیس الجامعہ نے شکیوٹ میں مسجد کے تعمیراتی کام کا جائزہ لیا۔ جامعہ نصرۃ الاسلام کے زیر اہتمام شکیوٹ میں ایک مسجد بن رہی ہے۔ جس کا تعمیراتی کام جاری ہے۔ رئیس الجامعہ کے ساتھ آرکیٹکٹ جناب خورشید احمد، قاری مولانا خلیل الرحمان صاحب، نائب مہتمم جامعہ ہذا، امیر جان حقانی، مدرس جامعہ ہذا، مولوی حماد صاحب مدرس جامعہ ہذا، رئیس الجامعہ کے محافظ اطہر، حاجی مرجان اور دیگر شامل تھے۔ تعمیراتی کام کا تفصیلی جائزہ لیا گیا۔ مزید کاموں کی تفصیل رئیس الجامعہ نے خورشید صاحب کی مشاورت سے مقامی ٹھیکداروں اور ان کے ساتھیوں کو بتایا کہ فوری طور پر مسجد کی چار دیواری، متصل حجرہ، امام صاحب کے لیے مکان اور استنجاء خانے اور وضوء خانوں کی تعمیرات ہونا طے پائی۔

18 دسمبر 2012ء/ رئیس الجامعہ کا دو شہداء کی نماز جنازے میں خطاب

18 دسمبر 2012ء کو رئیس الجامعہ نے اہلسنت کے مرکزی قبرستان واقع کنوداس میں محترم ایاز و نوجوان شاہ رخ کی نماز جنازے میں خطاب کیا۔ رئیس الجامعہ نے کہا کہ ہم نے بہت ظلم برداشت کیا۔ اہلسنت عوام کو مولی گاجر کی طرح کاٹا جاتا ہے۔ ایک نام نہاد حکومت ہے۔ جو علماء اور اہلسنت دشمن ہے۔ ایک انتہائی کرپٹ آدمی وزیر اعلیٰ ہے اور اس کے ساتھ کرپٹ اور کمزور قسم کے لوگ کابینہ اور کونسل میں شامل ہیں جو علاقے کی ہر تباہی و بربادی کے ذمہ دار ہیں۔ انہوں نے گلگت بلتستان کو اپنی جاگیر سمجھا ہوا ہے۔ سرکاری خزانے کو ذاتی خزانہ سمجھا ہوا ہے۔ ہم حکومت سے یہ پوچھنے میں حق بہ جانب ہیں کہ امن معاہدے کا کیا ہوا؟ ضابطہ اخلاق کو کیوں دفنایا گیا؟۔ کیا امن معاہدہ اور ضابطہ اخلاق کو اس لیے بنایا گیا تھا کہ پاؤں تلے روندا جائے؟ اگر نہیں تو ان پر عمل کیوں نہیں کروایا جارہا ہے؟۔ رئیس الجامعہ نے مزید کہا کہ اہلسنت عوام کب تک یہ ظلم برداشت کرتی رہے گی۔ مولانا عبید الرحمان کو شہید کر دیا گیا، ایک اور نوجوان عبید اللہ کو بھی شہید کر دیا گیا اور آج ایک ہی دن میں دو بے گناہ نوجوانوں کو بے دردی سے شہید کیا گیا؟۔ ہمیں بتایا جائے کہ ۱۵ سالہ شاہ رخ اور معصوم بچوں کے باپ ایاز کا کیا جرم تھا؟۔ انہیں موت کی نیند کیوں سلایا گیا؟۔ کے۔ کے۔ ایچ کو محفوظ بنانے کا مطالبہ تو کیا جاتا ہے مگر چھوٹا سا گلگت شہر اہلسنت کے لیے جہنم بن چکا ہے۔ آئی جی کو ریغمال بنایا جاتا ہے اور اوپر سے وزیر اعلیٰ کہتے ہیں کہ وہاں اس کو چائے پلائی جارہی تھی۔ یہ وزیر اعلیٰ علماء دشمن بنا ہوا ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو علماء کے قاتل کیوں نہیں گرفتار کیے جاتے ہیں؟ امن کے نام پر اس لولی لنگڑی حکومت نے لاکھوں ہڑپ کر دیے۔ کوئی محتسب نہیں ہے کہ ان سے پوچھے۔ قانون کی رٹ ختم ہوگئی ہے۔ شہر گلگت میں قانون نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ ہم نے ہمیشہ کیے ہوئے معاہدوں کی پاسداری کی ہے۔

جو لوگ ان معاہدوں کے خلاف ورزی کرتے ہیں ان کے خلاف کاروائی کیوں نہیں کی جاتی ہے؟ پولیس اور دیگر فورس ایک مخصوص طبقہ فکر کی فکر میں کیوں لگی ہوئی ہے؟ وہ سب کے محافظ کیوں نہیں بنتی ہے؟۔ ہم اعلان کرتے ہیں کہ امن معاہدہ اور ضابطہ اخلاق کی دھجیاں اڑائی گئی ہے لہذا آج کے بعد اس امن معاہدے سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ معاہدے اور ضابطے اس لیے کیے جاتے ہیں کہ ان پر عمل درآمد کروایا جائے، اگر ایسا نہیں ہوتا ہے تو پھر ان کو کوئی حیثیت نہیں ہوتی ہے۔ آج کے بعد جو بھی ہوگا اس کا ذمہ دار حکومت خود ہوگی۔ ہم ہرگز ذمہ دار نہیں ہونگے۔ اور نہ ہی ایسی کوئی یقین دھانی

کروائی جائے گی۔ رئیس الجامعہ نے تمام شہداء کے لیے دعا کی اور لواحقین سے صبر جمیل کی اپیل کی اور انہیں حوصلہ بھی دیا۔

18 دسمبر 2012ء/ جامعہ کے اکاؤنٹنٹ قاری نوید کے چچا کی شہادت

18 دسمبر 2012 کو جامعہ کے اکاؤنٹنٹ قاری نوید کے چچا کو دن دھاڑے ہسپتال روڈ میں دھشت گردوں نے سر پر تین گولیاں مار کر شہید کر دیا۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق تین فٹ دور سے گولی ماری گئی ہے۔ جناب محترم ایاز شہید نے پسماندگان میں چار بیٹے اور ایک بیٹی چھوڑا۔ ان کے بڑے صاحبزادے کی عمر ۱۱ سال ہے۔ شہید محترم تنظیم اہل سنت والجماعت گلگت بلتستان وکوہستان کے جنرل سیکریٹری محمد نواز کے چھوٹے بھائی ہیں۔ یاد رہے کہ اس سے پہلے بھی ان کا ایک بھائی محمد غیاث اسی روڈ میں شہید کر دیا گیا ہے۔ جامعہ کے اساتذہ وارا کین اور رئیس الجامعہ نے اس پر گہرے دکھ کا اظہار کیا' ان کے لیے فاتحہ کی اور ارباب حل وعقد سے پرزور درخواست کی کہ شہید کے قاتلوں کو بے نقاب کر کے کیفر کردار تک پہنچائے۔

18 دسمبر 2012ء/ جامعہ کے نائب مہتمم قاری خلیل الرحمان کے سسر کا انتقال

18 دسمبر 2012ء کو جامعہ کے نائب مہتمم مولانا قاری خلیل الرحمان کے سسر کا انتقال ہوا۔ مرحوم علماء کا قدردان اور دینی غیرت اور جذبات کے مالک تھے۔ موصوف کافی عرصے سے فالج کے عارضے میں مبتلا تھے۔ مرحوم کو ان کے آبائی گاؤں بارگو گلگت میں دفن کر دیا گیا۔ جامعہ کے تمام اساتذہ' اراکین اور رئیس الجامعہ نے قاری خلیل الرحمان صاحب سے دلی تعزیت کی۔ مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کی۔

25 دسمبر 2012ء/ جامعہ نصرۃ الاسلام وجامعہ عائشہ صدیقہ میں سہ ماہی امتحانات

25 دسمبر 2012ء کو جامعہ نصرۃ الاسلام وجامعہ عائشہ صدیقہ میں سہ ماہی امتحانات شروع ہوئے اور اور 2 جنوری کو اختتام کو پہنچے۔ سخت سردی کو بنا پر جامعہ عائشہ صدیقہ للبنات کی مبتدی طالبات (ابتدائیہ اول ودوئم) کو یکم جنوری سے یکم فروری تک ایک ماہ کی چھٹی دی گئی۔

12 جنوری 2012ء/ ایڈیٹر سہ ماہی نصرۃ الاسلام نے دار العلوم حقانیہ کا دورہ

12 جنوری 2012ء کو ایڈیٹر سہ ماہی نصرۃ الاسلام ابن شہزاد حقانی نے دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کو دورہ کیا۔ دار العلوم کے شیخ الحدیث مولانا مغفور اللہ صاحب المعروف باباجی' الحق کے مدیر شہیر جناب مولانا راشد الحق سمیع حقانی سے ملاقاتیں کی، مختلف امور پر گفت وشنید رہی۔ سہ ماہی نصرۃ الاسلام کی کاوشوں کو سراہا، گلگت بلتستان کی مجموعی صورت کا پوچھا اور اخلاقی و علمی تعاون کا یقین دہانی کرائی۔ ملاقاتوں میں دار العلوم کے فاضل و متخصص مولانا منصور اللہ بھی ساتھ ساتھ رہے۔ ایڈیٹر ماہنامہ الحق نے جامعہ نصرۃ الاسلام اور سہ ماہی نصرۃ الاسلام کے نام ماہنامہ الحق مستقل جاری کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

13 جنوری 2012ء / ایڈیٹر سہ ماہی نصرۃ الاسلام کی مولانا عبد القیوم حقانی سے ملاقات

13 جنوری 2012ء کو ایڈیٹر سہ ماہی نصرۃ الاسلام ابن شہزاد حقانی نے جامعہ ابو ہریرہ کے مہتمم مولانا عبد القیوم حقانی سے جامعہ میں ایک ملاقات کی جس میں میگزین نصرۃ الاسلام اور ماہنامہ القاسم کے مابین علمی و قلمی تعاون پر تفصیلی بات چیت ہوئی۔ مولانا عبد القیوم حقانی نے پورے ادارے کا وزٹ کرایا اور اپنی کتابوں کا ایک سیٹ تحفہ میں دیا' گلگت بلتستان کے لیے سہ ماہی نصرۃ الاسلام کی افادیتی پہلو پر تفصیلی گفتگو کی' مولانا عبد القیوم حقانی نے مزید کہا کہ یہ مجلہ نقش اول ہی سے اہل علم وقلم

کے دلوں میں جگہ بنا رہا ہے، امید ہے کہ مستقبل قریب میں علمی و تحقیقی خدمات موثر انداز میں انجام دے گا۔

جنوری 2012ء / رئیس الجامعہ اور دیامر جرگہ کی امان اللہ خان سے تبادلہ خیال

جنوری 2012ء کو دیامر جرگہ کے وفد نے رئیس الجامعہ مولانا قاضی نثار احمد کی قیادت میں جموں کشمیر لبریشن فرنٹ کے چیئر مین امان اللہ خان سے ان کے مرکزی سکریٹریٹ راولپنڈی میں ایک تفصیلی ملاقات کی۔ اس وفد میں جانبین سے مرکزی رہنماؤں کی ایک بڑی تعداد تھی۔ رئیس الجامعہ نے سیلف امپاورمنٹ اینڈ گورننس آرڈر 2009ء کے بارے ہونے والی صورت حال کا ذکر کیا اور تنظیم اہل سنت اور دیامر جرگہ کے آنے کی تمام وجوہات بیان کی۔ قاضی نثار احمد نے کہا کہ گلگت بلتستان کے عوام کی اکثریت کا موقف گلگت بلتستان اور کشمیر کے وحدت کے حوالے سے ایک ہے مگر ایک گروپ اس تاریخی حقیقت سے انکاری ہے اور موجودہ سیلف امپاورمنٹ اینڈ گورننس آرڈر 2009ء کی آڑ میں فرقہ واریت پھیلانے میں مصروف ہے۔ ہم کشمیر کی قیادت سے مل چکے ہیں۔ اور سیلف امپاورمنٹ اینڈ گورننس آرڈر 2009ء کے حوالے سے اپنے خدشات اور مستقبل کے نقشے کو ان کے سامنے رکھ چکے ہیں۔ ہم پیکج کے حوالے سے روز اول سے شاکی ہیں، ہمیں اعتماد میں لیے بغیر یہ انتظامی پیکج دیا گیا ہے۔ گزشتہ چار سال کا تجربہ بتاتا ہے کہ یہ اس سیٹ اپ کو بطور فرقہ واریت استعمال کیا جا رہا ہے۔ لہذا اس کے سدباب اور کشمیر اور گلگت بلتستان کی وحدت کو قائم رکھنے کے لیے ہمیں مشترکہ جدوجہد کرنی چاہیے۔ ہاں یہ قدم کشمیریوں کو اٹھانا چاہیے تھا تاہم اب اس اہم مسئلے کو لے کر ہم اب کی خدمت میں حاضر ہو چکے ہیں لہذا آپ ہماری رہنمائی کریں۔

رئیس الجامعہ کی گفتگو کو تفصیل سے سننے کے بعد جناب امان اللہ صاحب نے کہا کہ سب سے پہلے تو میں آپ تمام حضرت کو خوش آمدید کرتا ہوں کہ آپ ایک اہم مسئلے کو لے کر یہاں تشریف لائے۔ مجھے یہ تفصیل سے سننے کے بعد بے حد خوشی ہو رہی ہے کہ آپ بھی میرے نظریہ یعنی وحدت کشمیر کے قائل بلکہ اس کے لیے عملی اقدام کر رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ سیٹ آپ یعنی سیلف امپاورمنٹ اینڈ گورننس آرڈر 2009ء کے پیچھے ایک مضبوط مسلکی ہاتھ کارفرما ہے جو سب کو نظر آرہا ہے۔ وحدت کشمیر کے حوالے سے جتنی سستی کشمیری لیڈروں نے کی ہے اتنی ہے گلگت بلتستان کے لیڈروں نے بھی کی ہے۔ ہمیں آنے والے دنوں کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے۔ میں ذاتی طور پر اور تنظیمی اعتبار سے بھی آپ کے تمام مطالبات اور خدشات سے اتفاق کرتا ہوں اور آپ کے موقف کی مکمل تائید کرتا ہوں۔ ہم سارے مل جل کر اس نظریہ وحدت کی بات کریں۔ امان اللہ خان نے مزید کہا کہ قانونی اور تاریخی یا کسی بھی حیثیت سے بھی گلگت بلتستان کشمیر کا حصہ ہے۔ گلگت بلتستان کو کشمیر سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا ہے اور یہ ہمارا حق ہے اور اہل حکومت کو چاہیے کہ ہمارا یہ بنیادی و آئینی حق کو خوش دلی سے تسلیم کریں۔ اس حوالے سے مہدی شاہ کو بھی دعوت دی جائے تاکہ وہ اپنے آرگومنٹس پیش کریں۔

دیامر جرگہ کے رہنما اور سابق ممبر جی بی اسمبلی جناب حاجی امیر جان نے کہا کہ تبدیلی کے سبب بننے میں سردار عبداللہ اور کشمیر کے موجودہ سرداران بھی ہیں۔ ہم ابھی اس لیے آپ کے پاس آئے ہیں کہ پولیٹکل بندوبست کے تمام قائدین کا ایک سیشن ہوا اور اس میں یہ تمام معاملات زیر بحث ائے۔ 74ء کو تمام کشمیری لیڈروں سے مشاورت اور ان کو اعتماد میں لے کر ان کو انتظامی اختیارات دے دیے گئے۔ اور اس میں کشمیر کاز کا مکمل خیال رکھا گیا۔ مگر آج کی حکومت اور اس دور کی حکومت میں بہت بڑا فرق ہے۔ آج کے عیش پرستوں نے گلگت بلتستان کے اسٹیک ہولڈر کو اعتماد میں لیے بغیر چند ایک

لوگوں کی خواہشات کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے یہ 2009ء کو یہ انتظامی سیٹ آپ دے دیا۔ یہ پیکج نہ پاکستان کی سلامتی اور نہ ریاست جموں وکشمیر اور جی بی کے حق میں ہے بلکہ چند لوگ اس کی آڑ میں جو جی میں آئے وہی کرر ہے ہیں۔ ہم سیلف امپاورمنٹ اینڈ گورننس آرڈر 2009ء کو ایک بڑا خطرہ محسوس کرتے ہیں۔ بین الاقوامی لوگ اس میں ملوث ہیں۔ یہاں کے۔ کے۔ ایچ ہے۔ دیا مرڈیم بن رہا ہے۔ تو ہم اس عالمی خطرہ کو بہت قریب محسوس کرتے ہیں۔ ہم کشمیری قیادت سے اس لیے مل رہے ہیں کہ کشمیر اور گلگت بلتستان کو ایک سیٹ آپ دیا جائے اور اس کو اس وقت تک برقرار رکھے جب تک جموں وکشمیر اور گلگت بلتستان کا مکمل تصفیہ نہ ہو۔ یہ گاؤں گاؤں کے اختیارات سے نقصان زیادہ اور فائدہ کم ہوگا۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ اس تحریک کو مزید فعال بنائے اور ہماری رہنمائی کرے۔ ہم بغاوت نہیں کرتے بلکہ اصل صورت حال کو سامنے لانا چاہتے ہیں۔ مشترکہ کاز کو بیان کرنے کے لیے مشترکہ کام کرنا چاہیے۔ یاد رہے کہ تاریخ، قوموں کے انکار سے مٹ جاتی ہے جیسے بنگلہ دیش۔

عنایت اللہ شمالی نے کہا ایک وقت ہم دو نکات پر متفق تھے تاہم ایک بڑی قیادت دبے انداز میں وحدت کے خلاف تھی جو آج واضح طور پر سامنے آئی ہے اور بانگ دہل صوبے کا ڈیمانڈ کرتی ہے، پیپلز پارٹی کو چاہیے تھا ایک ایسا فارمولا دیتی کہ ہم اپنی مادر وطن (کشمیر) سے بھی نہ ٹوٹتے اور اپنے اختیارات کو بھی استعمال کرتے مگر افسوس ایسا نہ ہوا۔ نام نہاد سیلف امپاورمنٹ اینڈ گورننس آرڈر 2009ء سے سوائے کرپشن، اور ایک پورے مکتبہ فکر کو دیوار سے لگانے کو کچھ نہ ملا۔ جب وہ لوگ متفقہ طور پر کی جانے والی جدوجہد کو چھوڑ کر اپنے مخصوص خول میں چلے گئے تو ہمیں بھی مجبوراً یہ اقدام کرنے پڑ رہے ہیں حالانکہ جی۔ بی۔ این۔ اے کی شکل میں ہم نے اپنے امیر محترم (قاضی نثار احمد) کو ناراض کیا ہوا تھا مگر انہیں پھر بھی سمجھ نہ آئی۔ آپ بزرگوں سے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کشمیری قیادت اس ون پوائنٹ ایجنڈے کے لیے ہم سے زیادہ متحرک رہے۔ ہمارا مقدمہ حقیقت پر مبنی ہے۔ کشمیر مخالف لوگ آنے والے دنوں گلگت بلتستان کو الگ صوبہ بنانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں تاہم انہیں اس میں خوشگوار ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا کیونکہ یہ آئین پاکستان اور عالمی قراردادوں کے بھی خلاف ہے۔ استور اور بلتستان کے لوگوں نے کشمیر اسمبلی میں وزارتیں لی ہے تو آج وہ کیسے کشمیر کا حصہ نہیں؟۔

مولانا عنایت اللہ صاحب چیئر مین دیامر جرگہ ومرکزی نائب امیر جے یو آئی گلگت بلتستان نے گلگت بلتستان کے سیاسی ومذہبی حالات کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے کہا کہ ایک طبقہ کہتا ہے کہ جی بی سرے سے کشمیر کا حصہ ہی نہیں، وہ ہر حال میں الگ صوبے کا متمنی ہے، ہم نے بارہا ان کو بتایا کہ جی بی الگ صوبہ نہیں بن سکتا۔ کشمیر مخالف لوگ جس سیاسی ومذہبی پارٹی میں بھی ہو وہ اپنے مخصوص نظریے کو لے کر جاتے ہیں اور اس کو منواتے بھی ہیں۔ میڈیا کے اعتبار سے وہ پاورفل ہیں اپنے غلط مؤقف کو بھی درست قرار دے کو لوگوں کو گمراہ کرر ہے ہیں۔ وہ لوگ ضلع دیامر میں اپریشن کی بات کرتے ہیں حالانکہ دیامر میں اپریشن سے ڈیم کا نقصان ہوگا، اس کا نقصان ہمیں بھی معلوم ہے اور ان کو بھی مگر حکومت پاکستان کو اس نقصان کا اندازہ نہیں۔

ملک مسکین نے کہا کہ وہ لوگ گلگت میں اسٹیٹ سبجیکٹ رول کا مطالبہ بھی کرتے ہیں اور الگ صوبے کی بھی بات کرتے ہیں، ان کی ہر بات میں تضاد ہے۔ جی بی آپ کا حصہ ہے آپ لوگ مدعی ہیں آپ اپنے دعویٰ پر مزید محنت کریں، ہم گواہ بن جائیں گے۔

امان اللہ خان صاحب نے آخر میں کہا کہ میں نے سپریم کورٹ میں ثابت کردیا ہے کہ جی بی کشمیر کا حصہ ہے۔ یہ ایک کامن مسئلہ ہے، آپ لوگ نئی حکومت سے پہلے پہلے اپنا ہوم ورک مکمل کرلیں ہم بھی کوئی پالیسی طے کرتے ہیں پھر کوئی مشترکہ قدم اُٹھائیں گے۔ اس طویل نشست میں دیامر جرگہ کے اراکین کے علاوہ مولانا عبدالسمیع، جماعت اسلامی جی

بی۔ جناب مشتاق صاحب امیر جماعت اسلامی کشمیر و جی بی' ابن شہزاد حقانی ایڈیٹر سہ ماہی نصرۃ الاسلام گلگت' حاجی شاہ بیگ صاحب چلاس' توقیر احمد گیلانی ،صدر آزاد جموں کشمیر لبریشن فرنٹ' جناب بٹ صاحب وغیرہ نے بھی شرکت کی۔ رئیس الجامعہ نے مختصر دعا کرائی اور مجلس اختتام کو پہنچی۔

19 جنوری 2012ء/رئیس الجامعہ کی کشمیر کانفرنس میں خطاب

19 جنوری 2012ء کو رئیس الجامعہ حضرت مولانا قاضی نثار احمد اور دیامر جرگہ کے ایک اعلیٰ سطحی وفد نے ''کل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس'' کی طرف سے منعقدہ '' آل پارٹیز کشمیر کانفرنس اسلام آباد'' میں اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس مبارک کانفرنس کا انعقاد ہندوستان کی جانب سے سیز فائر لائن کی مسلسل خلاف ورزی کے ارتکاب کا سبب بنا۔ اس کانفرنس میں مولانا فضل الرحمان (امیر جے یو آئی وچیئر مین کشمیر کمیٹی) صدر مجلس اور چودھری عبدالمجید (وزیر اعظم آزاد کشمیر) مہمان خصوصی تھے۔ کانفرنس کے کنونیز جناب سردار عتیق صاحب (سابق وزیر اعظم آزاد کشمیر) نے تمام مہمانوں کا بالعموم اور حریت کانفرنس اور گلگت بلتستان کے رہنماؤں کا خصوصی شکریہ ادا کیا۔ کشمیر کانفرنس میں آزاد جموں و کشمیر کی تمام مذہبی و سیاسی جماعتوں کے مرکزی رہنماؤں اور دیامر جرگہ کے اعلیٰ سطحی اراکین اور رئیس الجامعہ مولانا قاضی نثار احمد' مولانا عبدالسمیع' مولانا منیر احمد اور امیر جان حقانی نے شرکت کی۔ گلگت بلتستان کی سیاسی و مذہبی صورت حال پر جن جن رہنماؤں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ان کی ایک جھلک یہاں ذکر کردی جاتی ہے تا کہ ریکارڈ درست رہے۔

سردار عتیق احمد خان نے ابتدائی خطبے میں کہا کہ پاکستان مذکرات کے ذریعے آزاد ہوا ہے لیکن کشمیر اور گلگت بلتستان کا ایک انچ بھی مذکرات کا ذریعے آزاد نہیں ہوا بلکہ یہاں کے لوگوں نے اپنی مدد آپ ان علاقوں کو آزاد کروایا ہے۔

☆ مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے سہ مذکراتی عمل شروع کیا جائے' گلگت بلتستان بھی ایک فریق ہے جو کشمیر کا حصہ ہے۔

چودھری عبدالمجید نے کہا کہ بشمول گلگت بلتستان اور آل جموں و کشمیر کی منزل پاکستان ہے۔ یہ پورا علاقہ 84 ہزار مربع میل ہے۔ یہ غلط فہمی دور ہونی چاہیے کہ گلگت بلتستان کو صوبہ بنایا جارہا ہے۔ یہ لکھا ہوا ہے کہ گلگت بلتستان کشمیر کا حصہ ہے۔ ایک کلرک گلگت بلتستان کو ڈیل کررہا تھا اس لیے سہولیات دینے کے لیے یہ سلف امپاورمنٹ اینڈ گورننس آڈر 2009ء کا پیکج دیا گیا ہے۔ اس کا ہرگز مطلب یہ نہیں کہ اس علاقے کو مستقل الگ صوبہ بنایا جارہا ہے۔ گلگت بلتستان کشمیر کا حصہ ہے اور پورا کشمیر پاکستان کا۔ گلگت بلتستان کے لوگ ہمارے بازو ہیں۔ ہم ایک چیز ہیں۔ ہماری منزل ایک ہے۔ ہم بالکل الگ نہیں ہیں۔ ہم کسی بھی طور الگ نہیں ہوسکتے' تاہم میڈیا پر یہ باتیں زیادہ مناسب نہیں۔

مولانا فضل الرحمان صاحب نے بحیثیت صدر مجلس کہا کہ یہاں تک گلگت بلتستان کا تعلق ہے تو اس پر بھی ایک اجلاس ہوا تھا۔ سلف امپاورمنٹ اینڈ گورننس 2009ء کا پیکج صرف انتظامی سہولیات دینے کا عمل ہے جیسے کشمیر کو دیا گیا ہے۔ آزاد کشمیر کے ہائی کورٹ نے گلگت بلتستان کو آزاد کشمیر کا نہیں بلکہ آل جموں و کشمیر کا حصہ قرار دیا ہے۔ گلگت بلتستان کو کوئی بھی ایسی صورت نہ دی جائے جس میں چند حضرات کو اتفاق ہو اور بہت ساروں کو اختلاف۔ کشمیر کے صدر اور وزیر اعظم ہیں مگر پوری دنیا ان کو ریاست تسلیم نہیں کرتی ہے تو گلگت کے گورنر اور وزیر اعلیٰ ہو مگر اس کو صوبہ تصور نہیں کیا جاسکتا ہے۔ بہر صورت گلگت بلتستان اور کشمیر کی وحدت ہونی چاہیے۔ اس کے لیے ہم کام بھی کررہے ہیں۔

امیر جماعت اسلامی آزاد کشمیر و گلگت بلتستان جناب عبدالرشید ترابی نے کہا کہ ریاست کی تقسیم کے تصور کو ختم کیا جانا

ایک اہم ضرورت ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ گلگت بلتستان اور آزاد جموں وکشمیر ریاست کے اہم حصے ہیں۔ ہم موجودہ پیکج میں بھی اصلاحات چاہتے ہیں تاکہ آزادی کشمیر اور مسئلہ کشمیر کو تقویت ملے۔

دیامر جرگہ کے چیئرمین اور جے یو آئی گلگت بلتستان کے سینئر نائب امیر مولانا عنایت اللہ نے کہا کہ آزاد کشمیر بشمول گلگت بلتستان تحریک آزادی کے لیے بیس کیمپ ہے۔ آپ کشمیر کے حوالے سے مدعی ہیں اور ہم گواہ مگر افسوس کی بات ہے کہ مدعی کمزور اور گواہ چست ہے۔ گلگت بلتستان جغرافیائی حوالے سے انتہائی حساس ہے۔ جب معاہدہ امرتسر ہوا تو گلگت بلتستان کا انتظام اپنے پاس ہی رکھا تھا۔ آج گلگت بلتستان میں شیعہ سنی کو لڑایا جارہا ہے۔ ہمارا علاقہ مذہبی قتل وغارت کا اماجگاہ بنا ہوا ہے۔ یہ اس گریٹ گیم کا حصہ ہے جو عالمی طاقتیں تیار کر چکی ہیں۔ جو لوگ براہ راست پاکستان کو چاہتے ہیں ان کے پیچھے کون کیا سازشیں کر رہا ہے اس کا بے نقاب ہونا بے حد ضروری ہے۔ 2009ء کے انتظامی پیکج کے حوالے سے ہم سب سخت نالاں اور مخالف ہیں۔ چار سالہ تجربہ بتاتا ہے کہ اس سے سوائے نقصان کے کچھ نہیں ملا۔ جو لوگ برملا صوبے کی بات کرتے ہیں وہ کیوں ایسا کرتے ہیں اس کا احساس کسی کو نہیں حالانکہ یہ ایک اہم پیچیدہ مسئلہ ہے۔ ہم کسی بھی فورم میں یہ ثابت کرنے کے لیے تیار ہے کہ گلگت بلتستان کشمیر کا آئینی، تاریخی اور تہذیبی وثقافتی اور جغرافیائی حصہ ہے۔ حاجی امیر جان سابق ممبر قانون ساز اسمبلی گلگت بلتستان، جناب ملک مسکین سابق اسپیکر گلگت اسمبلی اور دیگر کشمیری قیادت نے بھی اس پیکج کے حوالے سے تفصیلی گفتگو کی جبکہ رئیس الجامعہ قاضی نثار احمد نے مختصر بیان کیا اور اپنے تمام ساتھیوں کی باتوں سے اتفاق کیا اور رئیس الجامعہ کی ایک مختصر دعا پر مجلس کا اختتام ہوا۔ مولانا فضل الرحمان صاحب اس کانفرنس کے چیف گیسٹ تھے، ضروری کا درپیش ہونے کی وجہ سے دروان کانفرنس وہ تشریف لے گئے تو کانفرنس کے کنوینر جناب سردار عتیق صاحب نے تمام پارٹیوں کے مرکزی عہدہ داروں کی موجودگی میں رئیس الجامعہ کو مولانا فضل الرحمان صاحب کی نشست میں بٹھایا یعنی صدر محفل کی کرسی پر۔ رئیس الجامعہ پروگرام کے اختتام تک صدر محفل بنے بیٹھے رہے اور سردار صاحب کی خصوصی درخواست پر دعا بھی رئیس الجامعہ نے کرائی۔ کانفرنس کے بعد بھی سردار عتیق صاحب اور اس کی ٹیم کے ساتھ تنظیم اہل سنت اور دیامر جرگہ کے رہنماؤں نے ایک طویل نشست کی جس میں ملکی اور علاقائی اہم امور زیر بحث آئے۔

''آل پارٹیز کشمیر کانفرنس اسلام آباد'' میں ایک قرارداد متفقہ طور پر منظور کی گئی۔ جس میں گلگت بلتستان کے حوالے سے ایک خصوصی شق شامل تھی۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے درج کی جاتی ہے۔

☆ ''آل پارٹیز کشمیر کانفرنس اسلام آباد'' حکومت پاکستان کی جانب سے گلگت بلتستان میں آئینی وقانونی اور ترقیاتی اصلاحات کو خوش آئند قرار دیتے ہوئے مطالبہ کرتا ہے کہ گلگت بلتستان کی عالمی سطح پر تسلیم شدہ متنازعہ سیاسی حیثیت کو تبدیل کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ بہتر یہ ہے کہ آزاد جموں وکشمیر اور گلگت بلتستان کو یکساں نظام حکومت دیا جائے اور آئینی لحاظ سے مربوط کیا جائے۔

22 جنوری 2012ء/ رئیس الجامعہ کی راجہ ظفر الحق چیئرمین مسلم لیگ (ن) سے ملاقات

22 جنوری 2012ء کو رئیس الجامعہ حضرت مولانا قاضی نثار احمد کی قیادت میں تنظیم اہل سنت والجماعت کے ایک مرکزی وفد نے اسلام آباد میں مسلم لیگ (ن) کے چیئرمین راجہ ظفر الحق سے ایک اہم ملاقات کی۔ گلگت بلتستان کی سیاسی و مذہبی صورت حال پر تفصیلی تبادلہ خیال ہوا۔ رئیس الجامعہ نے راجہ ظفر الحق کو گلگت بلتستان کی کشیدہ صورت حال بالخصوص سیلف

امپاورمنٹ اینڈ گورننس آرڈر برائے 2009ء کی تباہ کاریوں کے حوالے سے بریف کیا۔ راجہ ظفر الحق نے کہا کہ گلگت بلتستان اور آزاد کشمیر کو یک جان ہونا چاہیے، دونوں یونٹس کی ایک کونسل قائم کی جانی چاہیے تاکہ یہ علاقے قریب آسکیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ گلگت بلتستان کشمیر کا اٹوٹ انگ ہے، ریاست جموں کشمیر ناقابل تقسیم وحدت ہے۔ رئیس الجامعہ نے کہا کہا کہ آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کو ایک وحدت بنانے اور اس کو آئینی کور دینے پر آزاد کشمیر کی قیادت متفق ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ گلگت بلتستان تاریخی طور پر آزاد کشمیر کا حصہ ہے اس لیے دونوں علاقوں کو ایک نظام کے تحت چلایا جائے۔ راجہ ظفر الحق نے وفد کے خیالات و خدشات سے اتفاق کیا اور ہر ممکن تعاون دلانے کی یقین دہانی کرائی اور مسلم لیگ ن کے سربراہ نواز شریف سے ملاقات کے لیے بھی وفد کو یقین کرایا۔ اس وفد میں مولانا عبدالسمیع امیر جماعت اسلامی گلگت بلتستان، مولانا منیر احمد رہنما تنظیم اہل سنت والجماعت اور دیگر احباب شامل تھے۔

23 جنوری 2012ء / رئیس الجامعہ کی حریت کانفرنس کے رہنماؤں کے ساتھ ملاقات

23 جنوری 2012ء کو دیامر جرگہ کے ایک وفد نے رئیس الجامعہ کی زیر قیادت حریت کانفرنس کے دونوں گروپ (واعظ اور گیلانی) کے پاکستان میں نمائندہ مرکزی رہنماؤں کے ساتھ ایک اہم ملاقات کی۔ حریت کانفرنس (میر واعظ گروپ) کے رہنما جناب محمود ساغر نے کہا کہ جب آپ حضرات نے رابطہ کیا تو میں جلدی میں تھا لہذا میں آپ کو مکمل سمجھ نہ سکا، جس کی وجہ سے ہم نے اپنے تمام مرکزی رہنماؤں اور کشمیری دوستوں کو مدعو نہیں کیا، لہذا میں دل سے معذرت کرتا ہوں اور بہت جلد ہم اعلیٰ سطحی ملاقات کا اہتمام کر کے آپ حضرات کو دوبارہ زحمت دیں گے تاکہ ہم تفصیل سے بات چیت کر سکے، یہاں تک گلگت بلتستان کے صوبے کی بات ہے تو یہ ہمیں کسی بھی صورت قبول نہیں، اس سے کشمیر کاز اور ہماری جدوجہد کو سخت نقصان پہنچے گا۔ یہ ان لوگوں کے خون سے غداری ہوگی جو کشمیر کی آزادی کے لیے جان کا نذرانہ پیش کر چکے ہیں۔ رئیس الجامعہ مولانا قاضی نثار احمد نے کہا کہ ہم کشمیر کا حصہ ہیں، کشمیر کی آزادی کے لیے ہم نے بے شمار قربانیاں دی ہیں۔ یہ ایک لمبی داستان ہے جو کسی اور موڑ پر بیان کی جائے گی۔ تاہم، ہم اور آزاد کشمیر والے تو بہتر صورت میں ہیں، آپ جموں والے بھائی تو ہمیشہ حالت جنگ میں رہتے ہیں، آج ہم یہاں اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ کے احوال پوچھ سکے اور آپ کی حتی المقدور مدد کر سکے۔ آپ سے بھی استدعا ہے کہ اگر کوئی ایسی سازش کی جائے جو کشمیر کاز کو نقصان پہنچے تو آپ اس کی ڈٹ کر مخالفت کریں اور ہمیں آپس میں مشاورت سے کام کرنا چاہیے۔ اور رابطے میں رہنے کی اشد ضرورت ہے۔

جناب عنایت اللہ شمالی نے کہا کہ ہم حریت کانفرنس کے دونوں گروپوں کو ایک نظر سے دیکھتے ہیں ہمیں معلوم ہے کہ آپ سب کی منزل ایک ہے اور آپ کو یہاں مل جل کر کام کرتے ہوئے دیکھ کر ہم بے حد مطمئن ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ یہاں پاکستان میں جموں کی قیادت کی اچھی کوارڈینیشن ہے، ہم بھی اس کوارڈینیشن میں آپ سے ساتھ ہم سفر ہونا چاہتے ہیں کیونکہ گلگت بلتستان کی قسمت کا فیصلہ آل جموں و کشمیر کے ساتھ منسلک ہے۔ جواب آں غزل کے طور جناب غلام محمد صفی (گیلانی گروپ) نے کہا کہ ہم آپ کو خوش آمدید کرتے ہیں۔ اس حوالے سے ایک کمیٹی بھی تشکیل دی جائے گی اور مولانا عبدالسمیع (جماعت اسلامی) نے کہا کہ آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کی ایک مشترکہ کمیٹی قائم ہو چکی ہے تو اس میں آپ کے دونوں گروپ دو دو نمائندے دے دیں تو مناسب رہے گا۔ جناب عبدالمجید لیڈر جموں کشمیر پیپلز مووُمنٹ اور نثار مرزا نمائندہ آغا سید حسن الموسوی (انجمن شرعی جموں کشمیر) نے بھی شرکت کی۔ دیامر جرگہ کے چیئرمین مولانا عنایت اللہ، ملک مسکین،

مولانا عبدالغیاث، حاجی امیر جان، حاجی شاہ بیگ، اور تنظیم اہل سنت کے رہنما مولانا منیر اور امیر جان حقانی نے بھی شرکت کی۔ رئیس الجامعہ کے پراثر دعا سے محفل کا اختتام کیا گیا۔

6 فروری 2013ء/ایڈیٹر سہ ماہی نصرۃ الاسلام کا سرینا ہوٹل گلگت میں تقریب سے خطاب

6 فروری 2013ء کو ایڈیٹر سہ ماہی نصرۃ الاسلام جناب ابن شہزاد حقانی نے فیڈرل گورنمنٹ ڈگری کالج گلگت جوٹیال کے پرنسپل پروفیسر جناب فضل معبود صاحب اور جناب پروفیسر علی داد صاحب کی ریٹائرڈ شپ پر دی گئی الوداعی تقریب سے تفصیلی خطاب کیا۔ گلگت بلتستان کے معروف ہوٹل ''سرینا ہوٹل'' میں منعقدہ تقریب سے ڈائریکٹر کالجز جناب ڈاکٹر میر احمد جان صاحب اور ڈگری کالج کے تمام پروفیسر اور لیکچراروں نے شرکت کی۔ سہہ ماہی نصرۃ الاسلام کے مدیر جناب حقانی صاحب کو اس پروقار تقریب میں تلاوت کلام اللہ پیش کرنے اور ابتدائی خیر مقدمی اور الوداعی کلمات کہنے کا موقع ملا۔ ان دونوں صاحبان کی گلگت بلتستان کے لیے دی جانے والی قربانیوں اور بالخصوص شعبہ تعلیم میں مشکل حالات میں محنت کرنے کے حوالے سے انہیں خراج عقیدت پیش کیا اور پورے گلگت بلتستان کی جانب سے دونوں صاحبان بالخصوص فضل معبود صاحب (جن کا تعلق سوات سے ہے) کا شکریہ ادا کیا۔ اس تقریب سے ڈائریکٹر کالجز جناب ڈاکٹر میر احمد جان صاحب، جناب پروفیسر جلال الدین صاحب اور ریٹائرڈ ہونے والے پروفیسر جناب فضل معبود اور پروفیسر علی داد صاحب نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ احمد سلیم سلیمی نے اسٹیج سکریٹری کے فرائض انجام دیے۔

7,8,9,10,11,12/رئیس الجامعہ کا اسلام آباد میں مختلف قومی رہنماؤں سے ملاقاتیں

رئیس الجامعہ نے اپنے دورہ اسلام آباد میں کشمیر اور پاکستان کے مختلف قومی سیاسی رہنماؤں سے ملاقاتیں کیں۔ جن میں جناب عبدالرشید ترابی، امیر جماعت اسلامی، راجہ فاروق حیدر صدر مسلم لیگ آزاد کشمیر، جسٹس عبدالمجید چیئرمین لبریشن فرنٹ، ریٹائرڈ جنرل سردار انوار احمد سابق صدر آزاد کشمیر، چودھدری منیر حسین صدر شہید بے نظیر بھٹو گروپ، مولانا نذیر فاروقی جے یو آئی آزاد کشمیر، نور الباری نائب امیر آزاد جموں و کشمیر، مولانا سعید یوسف صاحب آزاد کشمیر وغیرہ سے اہم ملاقاتیں کیں، ایک اہم ملاقات جناب منظور وٹو صاحب وزیر امور کشمیر کے ساتھ بھی رہی۔ ان کے علاوہ مولانا ثناء اللہ غالب اور اتحاد علماء کونسل اسلام آباد نے بھی عشائیہ کا اہتمام کیا جس میں رئیس الجامعہ کے ساتھ دیامر جرگے کے وفد نے بھی شرکت کی۔ اتحاد علماء کونسل تنظیم اہل سنت والجماعت کی معاون تنظیم ہے جس کے مرکزی رہنماء مولانا عبدالشکور دیامری ہیں۔ اس کے علاوہ رئیس الجامعہ نے ۱۲ ربیع الاول کو قومی سیرت کانفرنس میں وزیر اعظم جناب راجہ پرویز اشرف کی دعوت پر شرکت کی۔ یہ قومی سیرت کانفرنس پاک چین سینٹر اسلام آباد میں منعقد ہوئی تھی۔ ان کے علاوہ بھی کئی مقتدر شخصیات سے ملاقاتیں کی۔

12 فروری 2013ء/رئیس الجامعہ کی لال مسجد کے خطیب مولانا عبدالعزیز سے ملاقات

12 فروری 2013ء کو رئیس الجامعہ نے لال مسجد کے خطیب مولانا عبدالعزیز سے ملاقات کی۔ ملاقات کے دوران اہم امور پر گفت وشنید ہوئی۔ رئیس الجامعہ نے مولانا عبدالعزیز کو اسلام کے لیے دی جانے والی قربانیوں پر خراج تحسین پیش کی۔ اور نفاذ شریعت کے لیے مولانا عبدالعزیز کی کاوشوں کو سراہا۔

13 فروری 2013ء/رئیس الجامعہ کی مولانا سمیع الحق صاحب چیئرمین دفاع پاکستان کونسل سے ملاقات

13 فروری 2013ء کو رئیس الجامعہ مولانا قاضی نثار احمد صاحب کی زیر صدارت میں ایک اعلیٰ سطحی وفد نے

جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب چیئرمین دفاع پاکستان کونسل، امیر جمیعت علمائے اسلام سے اکوڑہ خٹک میں ایک تفصیلی ملاقات کی۔ رئیس الجامعہ نے جب ان کے سامنے گلگت بلتستان کو موجودہ دگرگوں صورت حال تفصیل سے رکھی تو مولانا سمیع الحق صاحب نے وفد کے اراکین سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ''امریکہ گلگت بلتستان کو دوسرا اسرائیل بنانا چاہتا ہے' گلگت بلتستان میں امریکہ اپنا ایجنڈا مسلط کرنا چاہتا ہے اور اس کے لیے مخصوص لوگوں کو نہایت خوبصورت انداز میں استعمال بھی کر رہا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ علاقے کو صوبہ بنانے سے شدید قسم کے مسائل پیدا ہونگے اور سخت خطرات لاحق ہوسکتے ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ دفاع پاکستان کونسل اپنے پلیٹ فارم سے آپ کو اپنے مؤقف بیان کرنے کا موقع دے گی۔ وفد میں مفتی سیف الدین' حاجی امیر جان' مولانا کمانڈر منیر' علامہ شریف قریشی' مولوی رمضان وغیرہ شامل تھے۔ مولانا سمیع الحق نے رئیس الجامعہ اور وفد کی اچھی خاطر مدارت کی' وفد کے اراکین نے جامعہ حقانیہ کا وزٹ بھی کیا اور مختلف شعبوں کا معائنہ بھی، اور اکابر علماء. سے ملاقاتیں بھی کیں۔

16 فروری 2013ء/ رئیس الجامعہ کی یاسین ملک چیئرمین لبریشن فرنٹ سے ملاقات

16 فروری 2013ء کو رئیس الجامعہ کی یاسین ملک چیئرمین لبریشن فرنٹ سے ملاقات ہوئی۔ جناب یاسین ملک صاحب وحدت کشمیر کے حوالے سے کافی سرگرم ہے۔ انہوں نے رئیس الجامعہ اور دیامر وفد کے اراکین کو زبردست تعاون کی یقین دہانی کرائی۔

20 فروری 2013ء/ رئیس الجامعہ کی اتحاد علماء کونسل کے اجلاس سے خطاب

20 فروری 2013ء کو اتحاد علماء کونسل اسلام آباد کی طرف جامعہ غفوریہ اسلام آباد میں ایک پروگرام منعقد کیا گیا جس میں گلگت بلتستان سے تعلق رکھنے والے تمام علماء کرام اور قراء عظام اور سیاسی و مذہبی قیادت نے شرکت کی۔ رئیس الجامعہ نے ایک تفصیلی خطاب کیا اور موجودہ پیکج کی اصل صورت حال سامنے رکھا تو اتحاد علماء کونسل کے تمام رہنماؤں اور کارکنوں نے اس حوالے سے ہر ممکن تعاون کی یقین دہانی کرائی اور اس پروگرام کو اخبارات میں بڑی اچھی کوریج ملی۔

21 فروری 2013ء/ رئیس الجامعہ کی ایم کیو ایم کے لیڈر وسیم اختر سے ملاقات

21 فروری 2013ء کو رئیس الجامعہ نے ایم کیو ایم کے لیڈر وسیم اختر (ممبر قومی اسمبلی و ڈپٹی پارلیمانی لیڈر) سے اسلام آباد میں ملاقات کی' ان کے سامنے گلگت بلتستان کو موجودہ صورت حال کو رکھا تو انہوں نے کہا کہ ہم آپ کے تمام مطالبات سے مکمل اتفاق رکھتے ہیں اور گلگت بلتستان اور کشمیری قیادت کے مطالبات کو رابطہ کمیٹی کے اعلیٰ سطحی اجلاس میں رکھونگا اور جن ممکن تعاون ہوگا آپ کے ساتھ کیا جائے گا۔

28,27 فروری 2013ء/ رئیس الجامعہ کی وفاق المدارس کے مجلس عاملہ کے اجلاس میں شرکت

28,27 فروری 2013ء کو رئیس الجامعہ کی وفاق المدارس کے مجلس عاملہ کے اجلاس میں شرکت کے لئے چلے گئے۔ وہاں وفاق المدارس کے اہم امور میں حصہ لیا۔ اکابر علماء کرام سے ملاقاتیں ہوئیں۔

2 مارچ 2013ء/ رئیس الجامعہ کی گلگت آمد

2 مارچ 2013ء کو رئیس الجامعہ گلگت واپس آگئے۔ اس طویل دورے کے بعد واپسی پر گلگت ائیرپورٹ پر جامعہ کے نائب مہتمم جناب قاری خلیل الرحمان صاحب اور جامعہ کے محافظ حاجی مرجان صاحب اور دیگر احباب نے رئیس الجامعہ کا

استقبال کیا اور گھر پہنچا۔

8 مارچ 2013ء/ رئیس الجامعہ احتجاجی مظاہرے سے خطاب

8 مارچ 2013ء کو رئیس الجامعہ نے کشروٹ بم دھماکے کے حوالے سے منعقد احتجاجی مظاہرے سے خطاب کیا۔ رئیس الجامعہ نے کہا کہ حکومت ناکام ہو چکی ہے، دہشت گرد سر عام گھوم رہے ہیں۔ گلگت شہر کے دل کشروٹ میں ہونے والے اس دھماکے کا صرف ایک فرد کے ساتھ تعلق جوڑا نہیں جاسکتا ہے۔ یہ ایک منظّم سازش ہے۔ قومی مفادات کے ساتھ کھیلنے والوں کا سخت مواخذہ کیا جانا چاہیے۔ ایک منظّم سازش کے تحت یہ دھماکہ کشروٹ میں کیا گیا تا کہ یہاں کے نوجوان اشتعال میں آسکیں۔ جس سے فرقہ وارانہ کشیدگی بڑھ جائے۔ لیکن کشروٹ کے عوام نے اور نوجوانوں نے صبر وتحمل سے کام لیا اور نادیدہ قوتوں کے ناپاک عزائم خاک میں مل گے۔ ہم بارہا کہہ چکے ہیں کہ موجودہ پیکج ناکام ہو چکا ہے۔ یہ پیکج مخصوص لوگوں کی خواہشات کی تکمیل کے لیا دے دیا گیا ہے۔ حکومت بھی ناکام اور پیکج بھی ناکام ہوا ہے۔ اس پیکج سے سوائے دھماکوں کے کچھ نہیں ملا۔ افسوس کا مقام ہے کہ وفاقی حکومت گلگت بلتستان کی حکومت کی بدمعاشیوں اور ظلم وستم کی طرف توجہ نہیں دے رہی ہے۔ یہاں تمام سرکاری اداروں میں کرپشن عام ہو چکا ہے۔ اور رشوت کا کلچر اپنی جڑیں پکڑ چکا ہے۔ نیب کو چاہیے کہ یہاں شفاف تحقیقات کریں تا کہ چور اور ڈاکوں اس مظلوم قوم کے حقوق کو مزید پامال نہ کر سکے۔ جو مجرم ہوان کو کڑی سزائیں دی جائے۔

10 مارچ 2013ء/ اسلامی جمعیت طلبہ گلگت بلتستان کے مرکزی وفد کی رئیس الجامعہ سے ملاقات

10 مارچ 2013ء کو اسلامی جمعیت طلبہ گلگت بلتستان کے ایک مرکزی وفد نے جامعہ نصرۃ الاسلام کے دفتر اہتمام میں رئیس الجامعہ سے ایک تفصیلی ملاقات کی۔ اسلامی جمعیت طلبہ نے رئیس الجامعہ کے سامنے قراقرم انٹرنیشنل یونیورسٹی کے کشیدہ حالات کو تفصیل سے بیان کیا اور اپنی مساعی جمیلہ کا بھی ذکر کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم یونی ورسٹی میں امن کے خواہ ہیں۔ ہماری تمام کوششیں امن وآمان کو برقرار رکھنے کے لیے ہوتیں ہیں مگر چند شر پسند لوگ ہمیشہ یونی ورسٹی کا ماحول خراب کرنے پر تلے ہوئے ہیں جس سے یونی ورسٹی کا تعلیمی اور انتظامی ماحول بگڑ جاتا ہے اور یونی ورسٹی طویل عرصے کے لیے بند کر دی جاتی ہے۔ ملاقاتیوں میں اسلامی جمعیت طلبہ کے گلگت بلتستان کے تمام مرکزی عہدہ دار شامل تھے۔ رئیس الجامعہ نے انہیں اپنے تعاون کی یقین دہانی کرائی اور جلابیوں سے ان کی تواضع کی۔

16 مارچ 2013ء/ ابوعیسیٰ محمد عمران کا جامعہ نصرۃ الاسلام کا دورہ

16 مارچ 2013ء کو ابوعیسیٰ محمد عمران نے جامعہ نصرۃ الاسلام کا تفصیلی دورہ کیا۔ رئیس الجامعہ نے ابوعیسیٰ کو جامعہ کے تمام شعبہ ہائے جات، تعمیراتی کام، کنواں کی کھدائی، عید گاہ، مطعم، درس گاہیں، جامعہ کی لائبیریری کا دورہ کروایا، سہ ماہی نصرۃ الاسلام کا معائنہ بھی کروایا، سہ ماہی نصرۃ الاسلام کی ترتیب وکام کی نوعیت سن کر انہوں نے بے خوشی کا اظہار کیا۔ رئیس الجامعہ نے جامعہ کے تمام اساتذہ اور ابوعیسیٰ کی ضیافت میں ایک پر تکلف کھانے کا اہتمام کیا، بعد ازیں قبرستان میں جاکر مرحومین کے لیے فاتحہ خوانی کی گئی۔ جامعہ کے معاون خاص حاجی جان واحد بھی موجود تھے۔

17 مارچ 2013ء/ رئیس الجامعہ کا بسین میں مسجد کا افتتاح اور شکیوٹ میں مسجد مکی کی تعمیرات کا جائزہ

17 مارچ 2013ء کو رئیس الجامعہ کا بسین کھاری میں ایک مسجد کا افتتاح کیا، برلب دریا بنائی جانے والی اس مسجد کے افتتاح کے لیے بسین کے علماء کرام اور عوام الناس کی ایک بڑی تعداد جمع تھی۔ رئیس الجامعہ نے افتتاحی پتھر رکھا ان

کے ساتھ اسلام آباد سے آئے ہوئے مہمان برادرم مولانا محمد عیسیٰ نے بھی پتھر رکھا۔ راقم الحروف (حقانی) کو بھی مسجد کا ابتدائی پتھر رکھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ رئیس الجامعہ نے ایک مختصر خطاب کیا اور آخر میں مسجد کا نام ''سیدنا امیر معاویہؓ'' رکھا گیا بعدازیں جامعہ کے زیر انصرام شکیوٹ میں مسجد مکی کی تعمیرات کا جائزہ لیا گیا اور گلاپور میں انجینئر عابد صاحب کے گھر میں دوپہر کا کھانا کھایا گیا۔

31 مارچ 2013ء/ ترکی کے مہمانوں کی جامعہ آمد

31 مارچ 2013ء کو ترکی کے مہمان ڈاکٹر ندیم صاحب کی رہبری میں جامعہ تشریف لائے۔ ڈاکٹر یونس صاحب ترکی میں شعبہ صحت میں فرائض انجام دے رہے ہیں، انہوں نے ترکی سے پاکستان کی سیاحت کے لیے تشریف لانے والے مہمانوں کا گلگت کی سیاحت بھی کروائی۔ جناب یونس صاحب اور جناب خلیل صاحب نے جامعہ نصرۃ الاسلام اور جامعہ عائشہ صدیقہ للبنات کا تفصیلی جائزہ لیا، تعلیمی احوال معلوم کیے، جامعہ کی لائبریری اور ''ادارہ سہ ماہی نصرۃ الاسلام'' کا خصوصی دورہ کیا، عیدگاہ کو بھی دیکھا، رئیس الجامعہ نے مہمانوں سمیت اساتذہ کو ایک پرتکلف دعوت دی۔ بعدازیں یکم اپریل کو ترک مہمان شکیوٹ میں واقع مسجد مکی کی تعمیرات کا جائزہ لیے شکیوٹ گئے اور دوپہر کا کھانا مولانا حبیب اللہ استاد جامعہ کے گھر گلاپور میں تناول کیا۔ مہمانوں نے گلگت بلتستان کی خوبصورتی کو سراہا۔ اور آئندہ بھی تشریف لانے کی عہد کیا، رئیس الجامعہ نے دوران گفتگو بتایا کہ جب ہم استنبول گئے تو ان حضرات نے انتہائی خدمت کی۔

6 اپریل 2013 / جامعہ میں شجر کاری اور مختلف تزئینی کام

6 اپریل 2013ء کو جامعہ میں شجرِ کاری کی گئی۔ جامعہ کے صحن میں مختلف قسم کے درخت لگائے گئے۔ مرکزی عیدگاہ میں بھی کافی تعداد میں درخت لگائے گے۔ جامعہ کے سبزہ زار کو بھی از سر نو ٹریکٹر کے ذریعے ہموار کر کے سبزہ ڈالا گیا تاکہ اندرونی خوبصورتی مکمل ہو سکے۔ نیز جامعہ کی تمام رہائش گاہیں، درسگاہیں اور دفاتر و مسجد ہال میں رنگ وروغن کرایا گیا۔ اور کافی ریپرنگ بھی کرائی گئی، جامعہ کے متصل ایک بہت بڑا کنواں کھدوایا گیا' تاکہ طلباء وطالبات کو پانی کی قلت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

20 اپریل 2013 / ایڈیٹر سہ ماہی نصرۃ الاسلام کی کے آئی یو میں پوزیشن

20 اپریل 2013 / ایڈیٹر سہ ماہی نصرۃ الاسلام ابن شہزاد حقانی نے قراقرام انٹرنیشنل یونیورسٹی میں ایک تقریری مقابلے میں تیسری پوزیشن حاصل کی۔ یہ پروگرام دوروزہ تھا۔ پروگرام کا عنوان ''اٹھو کہ بند کریں نفرتوں کے در سارے'' تھا۔ یہ پروگرام PEN (پبلشنگ ایکسٹنشن نیٹ ورک) اور AKRSP کے اشتراک اور K.I.U کے تعاون سے منعقد ہوا۔ تقریری مقابلہ بین الاضلاعی تھا جس میں گلگت بلتستان کے تمام ضلعوں سے نمائندگان نے شرکت کی۔ ضلع دیامر سے نمائندہ کا شرف ایڈیٹر سہ ماہی نصرۃ لاسلام جناب ابن شہزاد حقانی کو ہوا۔ اور پورے گلگت بلتستان کے اس مقابلے میں انہیں تیسری پوزیشن کا شرف حاصل ہوا۔ منتظمین کی طرف سے اعزازی شیلڈ اور کیش پرائز کو صورت میں جیتنے والوں کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ پروفیسر ڈاکٹر سہیل امام صاحب (k.i.u) نے ایڈیٹر سہ ماہی نصرۃ الاسلام کو اعزازی شیلڈ اور کیش پرائز دیا۔ ان کا تقریری مقالہ گلگت بلتستان کے اخبارات اور آن لائن پامیر ٹائمز میں شائع کیا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مراسلات

گلگت سے ملتان تک

حبیب اللہ دیدار: مسئوول وفاق المدارس گلگت بلتستان

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی طرف سے گلگت بلتستان کے گلگت اور بلتستان ڈویژن سے مسؤول کی ذمہ داری ناچیز کے ناتواں کندھوں پر ہے جبکہ دیامر ڈویژن سے مسؤول کی ذمہ داری مولانا عبدالکریم صاحب کی ہے۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ملک بھر مسؤولین کا ایک سالانہ اجلاس ہوتا ہے۔ سال 2013ء کی کے سالانہ اجلاس 18 اپریل کو تھا تاہم کچھ نجی کام کے سلسلے میں مجھے 12 اپریل ہی کو اسلام آباد جانا پڑا۔ اسلام آباد پہنچ کر جمعۃ المبارک کی نماز اپنے بھانجے مفتی سیف الدین (نگران مفتی جامعہ محمودیہ اسلام آباد) والے کی مسجد میں ادا کی۔ 13 اپریل کو انجینئر فصل کریم سے ملاقات کے لیے میر پور آزاد کشمیر گیا۔ 14 اپریل کو دوبارہ اسلام آباد آیا۔ وہاں نجی کاموں میں مصروف رہا۔ 17 اپیریل کو وفاق کے اجلاس کے لیے بذریعہ ڈائیو بس ملتان روانہ ہوا۔ جب وہاں پہنچے تو دفتر وفاق میں اپنے پرانی ساتھی مولانا مطیع اللہ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ مولانا کے ساتھ درجہ حفظ سے لے کر دورہ حدیث تک رفاقت رہی۔ جامعہ فاروقیہ میں، ہم دونوں نے ایک طویل عرصہ ایک ساتھ تعلیم حاصل کی۔ آج کل وہ کوئٹہ سے وفاق المدارس العربیہ کے مسؤول ہیں۔ اس کے بعد مولانا مطیع اللہ صاحب، مولانا حبیب الرحمان صاحب مسؤول ایبٹ آباد فاضل جامعہ فاروقیہ اور ناچیز نے استاد محترم حضرت مولانا سلیم اللہ خان (صدر وفاق اور مہتمم جامعہ فاروقیہ) سے ایک بابرکت ملاقات ہوئی۔ حضرت نے مجھ سے گلگت کے حالات اور مدارس وعلماء کے احوال پوچھے۔ خوب نصیحتیں کی۔

18 اپریل کو صبح 9 بجے مسؤولین کا اجلاس شروع ہوا۔ جو ظہر تک جاری رہا۔ ملک بھر سے تمام مسؤولین نے شرکت کی اور اس اجلاس میں امتحانی کمیٹی کے اراکین نے بھی شرکت کی۔ اجلاس میں سال 3013ء کے سالانہ امتحانات کی تاریخ کا بھی اعلان ہوا۔ بہرصورت بزرگوں کے ساتھ بار بار کے ملاپ سے اپنے اندر بھی ایک نیک جذبہ اجاگر ہوتا ہے۔ اللہ ہمیں بھی دو جہانوں میں کامیاب کریں۔ آمین

☆☆☆

مولانا مرحوم کی زندگی کا ایک یادگار لمحہ

ڈاکٹر محمد سعید

راقم کو گذشتہ پندرہ سال سے حضرت مولانا مرحوم کے ساتھ رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس طویل عرصے میں، میں نے مولانا مرحوم کو نہایت حلیم الطبع، شائستہ مزاج، دوراندیش، باوقار اور کھلا دل والا انسان پایا۔ مرحوم جدت پسند تھے ترقی و تعمیر کے قائل تھے۔ بنیاد پرست نہیں تھے۔ اعلیٰ تعلیم کو وقت کی اہم ضرورت سمجھتے تھے اور اس کے قدردان بھی تھے۔ عورتوں کی تعلیم مکمل پردے میں رہ کرنے حاصل کرنے کے قائل تھے، مہمان نواز تھے اور گھر میں مہمانوں کو خوب خاطر مدارت کرتے تھے۔ خصوصاً رمضان کے آخری عشرے میں جو بھی ان کے آشیانے پر آتا دل کھول کر مدد کرتے تھے۔ اور مخیّر حضرات سے مدرسے کی اعانت کا ہمیشہ درخواست کرتے تھے۔ لوگ ان کی مدد بھی کرتے تھے، گلگت کے صاحب ثروت لوگوں سے امداد کی

توقع بھی رکھتے تھے۔ مدرسہ نصرۃ الاسلام کے پھلنے پھولنے میں اپنی چالیس سالہ زندگی صَرف کردی۔ علماء ومشائخ کی خوب قدر کرتے۔ مہینے میں اکثر ایک دفعہ ان کے گھر میں دعوت کیا کرتے خصوصاً رمضان المبارک میں اپنے سارے دامادوں کے ساتھ افطاری کرنے کے بہت شوقین تھے۔ شادیوں میں ضرورت مندوں کی دل کھول کر مدد کرتے۔ حصول ملازمت کے لیے جو بھی ان کے پاس جاتا ان کی حدامکان مدد کرتے۔ بے شمار غریبوں کو انہوں نے نوکریاں دلوائی۔ مرحوم بہنوں اور بیٹوں کی شرعی حق کا بہت خیال کرتے تھے۔ اپنی دو بہنوں اور تین بیٹوں کو اپنی عمر میں ہی عمرہ کی سعادت سے سرفراز فرمایا۔ اللہ ان کو جزائے خیر دے آمین۔

☆☆☆

عورتوں کو نماز کی خصوصی تاکید

بنت عطاء محمد، درجہ عالیہ: جامعہ عائشہ صدیقہ للبنات، گلگت

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عورت پنج وقتہ نماز پڑھے اور رمضان المبارک کے روزے رکھے اور پاک دامن رہے اور شوہر کی فرمانبرداری کرے، جنت کے جس دروازے سے چاہیے جنت میں داخل ہو جائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)۔

اس حدیث مبارکہ سے عورت کو مذکورہ چھ کام انجام دینے پر جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ سب سے پہلے نماز کا ذکر کیا گیا ہے، قرآن کریم اور حدیث مبارکہ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ نماز کی پابندی ہر بالغ مرد اور عورت پر فرض ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ جس نے نماز کی پابندی کی قیامت کے دن نماز اس کے لیے نور ہوگی، نجات کا سامان ہوگی اور جس نے نماز کی پابندی نہ کی اس کا حشر بڑے کافروں کے ساتھ ہوگا۔

ہمیں چاہیے کہ دکھ سکھ، سفر و حضر اور حرج و مرض میں غرض ہر حالت میں نماز کو باقاعدگی سے پڑھنا چاہیے۔ یہ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ عورتیں بالخصوص نوجوان لڑکیاں شادی بیاہ اور دیگر خوشی و غمی کے مواقعوں میں نماز سے غفلت برتیں ہیں۔ ایسے مواقعوں میں نماز پڑھنے کو بے شرمی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ دیگر رسم و رواج اور نمود و نمائش کے اپناتے وقت تو شرم نہیں آتی مگر خدائی حکم بجالاتے ہوئے شرمایا جاتا ہے۔ یہ فقط نفس کا اور شیطان کا دھوکہ ہے۔ ہمیں شیطان اور نفس امارہ کی اطاعت کے بجائے خدا اور رسول کی اطاعت کرتے ہوئے دیگر دینی امور کے ساتھ نماز کی بھی پابندی کرنی چاہیے۔

☆☆☆

نامے میرے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی ومحترم ابن شہزاد حقانی صاحب، زید مجدکم، ایڈیٹر سہ ماہی نصرۃ الاسلام گلگت

۲۸ نومبر ۲۰۱۲ء

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

امید ہے کہ بخیر ہونگے۔آپ کا خط ملا۔شکریہ

حضرت مولانا مرحوم (مولانا نذیر اللہؒ) پر نمبر نکالنے کا سن کر خوشی ہوئی۔واقعی حضرت مرحوم کی علاقے میں اعلیٰ خدمات ہیں انہیں اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔محترم صدیقی صاحب ایک عرصے سے بیماری اور کمزوری کی وجہ سے دفتر تشریف نہیں لا رہے ہیں۔آپ کا خط انہوں نے ملاحظہ فرمایا ہے اور دعا گو ہیں لیکن معذوری کی وجہ سے کچھ لکھنے یا املاء کرانے سے معذور ہیں۔امید ہے کہ محسوس نہیں فرمائیں گے۔

والسلام

(جناب) محمد علی (اسسٹنٹ منصور الزمان صدیقی صاحب)

☆☆☆

محترم مدیر صاحب زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

بعد از سلام! الحمد للہ! گلگت بلتستان کے میدان صحافت میں آپ کا مؤقر جریدہ روشنی کا مینارہ اور اہل حق کے جذبات واحساسات کا صحیح ترجمان ہونے کے ساتھ عام افراد تک اسلامی تعلیمات کی نشر واشاعت کا ایک بہترین ذریعہ بھی ہے۔

الحمد للہ! احقر آپ کے رسالے کا مستقل قاری ہے اور اسکی اہمیت وافادیت کو محسوس کررہا ہے۔شورش زدہ علاقے میں آپ کا رسالے کو تسلسل کے ساتھ جاری رکھنا قابل تحسین وستائش ہے۔

اللہ تعالیٰ رسالے کو مقبولیت عامہ عطا فرمائے اور منتظمین کے لیے ذریعہ نجات بنائے۔

والسلام

لقمان رسول غازی استوری

متعلم: جامعہ دار العلوم کراچی

☆☆☆

له دعوة الحق

محترم جناب حقانی صاحب، مدیر سہ ماہی نصرۃ الاسلام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ!

ساری تعریفیں اس ذات باری کے لیے۔الذی علم بالقلم! مبارک ہو آپ کو کہ رب اللہ تعالیٰ نے آپ کا رشتہ قلم سے جوڑا ہے۔اور ہمیشہ جوڑے رکھے اور سعی قائم ودائم ہو۔ہمت وراہ عطاء ہو۔آپ کا مرسلہ ملا۔آپ نے حضرت مولانا

نذیر اللہ صاحب مرحوم ومغفور کے افکار پر رائے مانگی ہے۔ آپ نے اس قابل سمجھا، فجزاک اللہ احسن الجزاء (آمین)

الفاظ کے موتی پرونے آتے ہیں نہ دریا کو کوزے میں بند کرنا آتا۔ پھر بھی چند سطریں ارسال ہیں۔ انشاء اللہ قبول فرمائیں گے۔

والسلام

عنبرین تبسم

پرنسپل جامعہ اسلامیہ الطاف الرحمان للبنات کشروٹ گلگت

☆☆☆

محترم ومکرم جناب ایڈیٹر ابن شہزاد حقانی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سہ ماہی نصرۃ الاسلام گلگت کا شمارہ نمبر 4 مفید اور پرکشش محتوی اور دیدہ زیب روحانی ٹائٹل کے ساتھ، یہ مجلّہ آپکی زحمات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مجلّہ پیغام آشنا اسلام آباد کا اجراء تبادلے کے طور پر کردیا گیا ہے۔ چھپنے پر ارسال خدمت کریں گے۔

والسلام

جاوید اقبال قزلباش

مدیر معاون، سہ ماہی پیغام آشنا، ایرانی قونصلیٹ اسلام آباد

☆☆☆

محترم جناب مولانا حافظ ابن شہزاد حقانی صاحب، ایڈیٹر "سہ ماہی نصرۃ الاسلام" گلگت

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

صدشکریہ حقانی صاحب سہ ماہی نصرۃ الاسلام حسب سابق موصول ہوا۔ شروع سے آخر تک پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ قاضی صاحب کے حج کے فضائل پر لکھا ہوا ادار یہ پڑھ کر تہہ دل سے اللہ رب العزت کے حضور دعا گو رہا کہ اللہ ہم سب کو حج کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین

جناب پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی صاحب کا مقالہ پڑھ کر بڑا لطف اندوز ہوا اور کافی ساری معلومات بھی حاصل ہوئیں۔ یقیناً لکھاری کے قلم میں اس طرح کی طاقت اللہ تعالیٰ ڈال دیں جو دین ودنیا دونوں کی کامیابی کا ذریعہ بنے۔ آمین

جناب ابوانعام الرحمٰن صدیقی کا بعنوان "معاشرہ سنوارنے کا ایک رہنما اصول۔۔۔۔۔۔جذبہ ایثار وہمدردی" پڑھ کر دل عش عش کرنے لگا اور دعا بھی نکلی کہ اللہ ہر مسلمان کو اس طرح کی ایثار وہمدردی کا جذبہ عطا فرمائے۔ آمین

رسالہ ہر لحاظ سے مقابلتاً کوئی کمی نہیں رکھتا ہے بہت ہی کم وسائل کے باوجود رسالے کی ٹیم انتہائی محنت سے اس پر کام کرتی ہے جو درحقیقت قابل دید ہے۔ اللہ ان کے حوصلے کو مزید بلند کرے۔

خلیفہ ثانی عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ پر مولانا ظہیر احمد صاحب کا تحقیقاتی مقالہ پڑھا۔ معلومات بہت ہی اچھی فراہم کی گئی ہیں مگر صاحب نے مضمون کو عام قاری کے لیے نہیں بلکہ ایک مخصوص فرقہ کے لیے لکھا ہے اور دلائل وحوالہ جات سے مزین بھی ہے، قابل دید مگر مشورۃً عرض ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی اور بالخصوص ان کی ابتدائی معلومات

ہم سب کو جاننا انتہائی لازمی ہے اس حوالے سے اگر سلسلہ وار مضمون صحابہ کرامؓ کی زندگی پر شائع کریں تو زیادہ بہتر رہے گا بالخصوص بچوں کے لیے۔ جس میں زبان عام فہم اور سلیس وشستہ ہو۔

چونکہ رسالہ ہٰذا ا اکتوبر سے دسمبر 2012ء تک کا تھا جس درمیان میں ماہ محرم الحرام آتا تھا اور محرم الحرام ویسے بھی مسلمانوں کے شروع دن سے قابل احترام ہے۔ مگر حضرت عمرؓ اور امام حسینؓ کی عظیم قربانیوں نے ماہ محرم کو مسلمانوں کے لیے کبھی نہ بھلانے والا بنا کر رکھدیا ہے۔ اور مشورۃً عرض ہے کہ حضرت حسینؓ کی عظیم قربانی کا ذکر علمائے حق کے حوالے سے کرتے جو انتہائی لازمی اور علاقے کی نوعیت کے حوالے سے بھی اہم تھی۔

(نوٹ) تمام صحابہ کرام رضوان اللہ بالخصوص امہات المؤمنین اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم پر خصوصی و تفصیلی مضامین شائع ہوتے رہیں گے، انشاء اللہ۔ ادارہ

والسلام

محمد سلیم، قراقرم انٹرنیشنل یونیورسٹی گلگت

☆☆☆

محترم ومکرم جناب ابن شہزاد حقانی صاحب، ایڈیٹر "سہ ماہی نصرۃ الاسلام" گلگت

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا رسالہ دیکھ کر ایک دلی تمنا پوری ہوئی، الحمد للہ! کئی عرصے سے دل میں ایک تمنا تھی کہ گلگت کے مدرسے سے خالصۃً ایک دینی رسالہ نکلے۔ دل سے آپ اور حضرت قاضی صاحب کو دعا نکلی۔ آپ سے گزارش ہے کہ اس رسالے کو خالی گلگت تک محدود نہ رکھیں بلکہ پورے گلگت بلتستان میں پھیلی ہوئی اہل سنت والجماعت کے مدارس یعنی تانگیر سے لے کر خپلو تک کے مدارس اور مسلمانوں کے منشور اور مقاصد کو اُجاگر کریں۔ باقی اقراء روضۃ الاطفال اور جمیعت تعلیم القرآن ٹرسٹ کی شاخوں میں بھی ارسال کریں جو کوہستان سے لے کر ضلع غذر کی آخری بستی تک پھیلی ہوئی ہیں۔ ہماری مدرسے کو بھی ایک رسالہ ضرور ارسا کریں، اللہ آپ حضرات کو جزائے خیر دیں۔

والسلام:

قاری عبداللہ جان،

مدرسہ دارالعلوم عثمانیہ ڈموٹ، جگلوٹ سئی

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ملخص

عقیدہ ہی اصل ہے

سید عبدالسلام عمری (کویت)

اللہ تعالی کی طرف سے جتنے بھی انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام آئے وہ عقیدہ الوہیت کی تصحیح اور فکر انسانی کی اصلاح ہی کے لیے آئے۔ وہ اس بلند و بالا ہستی کی طرف دعوت دینے آئے تھے جس کی بزرگی کا راز خود اس کی ذات و صفات ہیں۔ اس کی بادشاہت اتنی وسیع اور اس کی سلطنت اتنی زبردست ہے کہ کوئی اس کو مانے یا نہ مانے اس سے اس کی عظمت وجلال پر کوئی آنچ نہیں آ سکتی، اس کے اقتدار میں کوئی کمی نہیں ہوسکتی، اس کے آب وتاب میں کوئی فرق نہیں آ سکتا۔ اس کی عظمت و کبریائی کا آفتاب اسی طرح دمکتا رہے گا، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی ساجھی نہیں، وہ بے نیاز ہے، اس کو کسی کی ضرورت نہیں، وہ بے اولاد ہے اس کی کوئی اولاد نہیں، وہ اول ہے اس کے پاس ماں باپ نہیں، وہ بے مثال ہے اس جیسی کوئی چیز نہیں؛ نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ نگاہوں کا ادراک کرسکتا ہے۔ (الانعام)

اس ذات باری تعالی نے جو فطرت انسان کو بخشی ہے اس کی روشنی اگرچہ انسان کو معرفت الٰہی تک پنچا دیتی ہے مگر خواہشات کا پرستار، دنیا کا طلبگار، خالق حقیقی سے منحرف، جزا و سزا سے بے پرواہ انسان شرک کی نجاست سے نکلنا ہی نہیں چاہتا۔ شرک ایک ایسی چیز ہے جسے عقل و منطق سے کوئی واسطہ نہیں، انسانی فطرت سے کوئی لگاؤ نہیں۔

قرآن میں ہے: کچھ لوگ ہیں جو بلا جانے بوجھے اللہ کے بارے میں بحثیں کرتے ہیں اور ہر شیطان سرکش کی پیروی کرنے لگتے ہیں۔ اس کے بارے میں تو یہ طے ہے کہ جو اسے دوست بنائے گا اسے وہ گمراہ کر کے چھوڑے گا اور اسے آگ کے عذاب تک پہنچا کر دم لے گا۔ (الحج)

حدیث قدسی میں ہے؛ میں نے اپنے بندوں کو خالص توحید پر پیدا کیا تھا، پس شیطان آئے اور انہیں ان کے دین سے بہکا لے گئے اور ان پر وہ چیزیں حرام کردیں جو میں نے ان کے لیے حلال کی تھیں۔ (مسلم)

آج دنیا جس پریشانی سے دوچار ہے وہ ایک روحانی بحران ہے جس کا سبب یہ ہے کہ دنیا نے ان اعلی قدروں کا انکار کر دیا جنہیں دین اسلام لے کر آیا تھا، وہ قدریں کیا ہیں؟ حق اور انصاف، اخوت اور فراخ دلی۔ وغیرہ

اور آج اس بحران سے دنیا کے نکلنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ وہ پھر سے ان اقدار کی طرف پلٹ آئے۔ اور ایک نہ ایک دن دنیا اپنی فطرت کی رہنمائی میں لازماً ان قدروں کی طرف لوٹ آئے گی۔ اور جس آن دنیا فطرت کی راہ پالے گی خود بخود اسلام کے دامن میں آجائے گی، اس لیے کہ اسلام ہی دین فطرت ہے۔

اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ عقائد پر ہی پورے دین کی عمارت قائم ہے۔ اگر عقائد نہیں تو دین دین نہیں رہتا۔ اس باب میں دین اسلام کا انداز دنیا کے دیگر تمام ادیان سے بالکل الگ اور مختلف ہے، وہ صرف عقل ہی کو مخاطب نہیں کرتا، وہ عقائد کی تعمیر کرتے ہوئے عقل اور دل دونوں سے خطاب کرتا ہے، وہ فکر اور احساس دونوں کو جھنجھوڑتا ہے، وہ ذہنی قوی کے ساتھ ساتھ جذبات کو بھی بیدار کرتا ہے۔

مگر ہمارے ہاں اللہ کے وجود پر درجنوں دلائل بیان کرتے جاتے ہیں مگر دل ہی خالقِ بزرگ و برتر کی عظمت کے

احساس سے خالی ہوتا ہے۔اس محسن حقیقی کے لیے وہ اپنے اندر شوق ومحبت کی کوئی گرمی یا خوف وخشیت کی کوئی جھرجھری نہیں محسوس کرتا۔کیا عقیدہ ایسا ہی ہونا چاہیے؟

اسلام کا عقیدہ ایک ایسا آفتاب ہے جو کسی کی زندگی کی افق سے طلوع ہوتا ہے تو اسے سراپا نور بنا دیتا ہے اس کے کسی بھی گوشے میں تاریکی کا نام ونشاں باقی نہیں رہتا۔مگر افسوس! آج حالت اتنی گئی گذری ہوگئی کہ کوئی اور امت بھی فکری وحدت اور جذباتی ہم آہنگی کی اتنی ضرورتمند شاید ہوگی جتنی امت مسلمہ ہے۔اس خستہ حال امت کے تن ناتواں میں مختلف امراض اپنے گھونسلے بنائے ہوئے ہیں اااور وہ ماہر اطبا اور مخلص رہنماں کی دل سوزیوں کو ترس رہی ہے۔

آج وہ ہماری بدذوقی پر ماتم کناں ہے کہ ہم نے اسے بدعات وخرافات اور جاہلیت کے تاریک بادلوں میں روپوش کر دیا۔اف یہ کیسی بدمذاقی ہے۔آج ہم نور سے بے زار اور ظلمتوں کے پرستار ہیں۔جبکہ ہم اس نبی کے امتی ہیں وجو روز اول سے ہی نور کے علم بردار اور تاریکی سے برسرپیکار تھے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلامی عقیدہ پر مبنی کچھ ایسا لٹریچر تیار کیا جائے جو مغرب زدہ ذہنوں میں اسلامی عقائد کو راسخ کرنے کے ساتھ ساتھ ایک طرف عام وخاص کے قلب وعقل کو سنوارے اور انکے افکار وعقائد کی اصلاح کرے تو دوسری طرف انھیں جوش وجذبہ سے مالامال اور ولولہ عمل سے سرشار کردے کہ ان کے قدم ڈگمگائیں نہیں۔

وہ حق کی راہ میں پوری ثابت قدمی اور پامردی کا مظاہرہ کرسکیں اور اس راہ میں پیش آنے والے خطرات ومصائب سے کبھی ہراساں اور دل شکستہ نہ ہوں۔مسلمانوں کے ہاتھوں میں حکومت کی باگ ڈور اسی وقت آسکتی ہے جب انکے دلوں میں اسلامی عقائد کی جڑیں مضبوط ہوں گی۔پھر یہ بات بھی سمجھ لینی چاہے کہ دلوں میں اسلامی عقائد کی جڑیں اسی وقت مضبوط ہوسکتی ہیں اااور امت انکے شیریں نتائج سے اسی وقت مستفید ہوسکتی ہے جبکہ ان کے سلسلے میں وہی انداز اختیار کیا جائے جو خود اسلام نے اختیار کیا ہے اور ان کو اسی طرح پیش کیا جائے جس طرح اسلام نے پیش کیا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تقریب ختم بخاری شریف

جامعہ نصرۃ الاسلام اور جامعہ عائشہ صدیقہ میں سال 2013ء کی تقریب ختم بخاری 19 مئی کو منعقد ہوگی۔امسال جامعہ کی انتظامیہ نے فیصلہ کیا کہ تقریب کا اہتمام انتہائی سادگی سے ہوگا۔مولانا شیخ الحدیث عبدالقدوس صاحب آخری حدیث کا درس دیں گے۔اور جید علماء کرام وخطباء عظام کو مدعو کیا جائے گا۔

مولانا مفتی نذیر اللہ خانؒ کو
حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی طرف سے
عطاء کردہ "اجازۃ سائر الکتب و الفنون"
کی خصوصی سند کا عکس

مولانا مفتی نذیر اللہ خانؒ کو
عطاء کردہ سندِ تفسیر القرآن کا عکس
جو جامعہ قاسم العلوم متعلقہ انجمن خدام القرآن
لاہور کے زیر انتظام، مفسر قرآن
حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ
کی طرف سے ملی۔

گلگت بلتستان کے کیپٹل ایریا شہر گلگت میں علاقے کی اولین دینی درسگاہ

جامعہ نصرۃ الاسلام گلگت (بنین) و جامعہ عائشہ صدیقیہ (للبنات)

میں حفظ و ناظرہ قرآن اور اسکول کی ابتدائی تعلیم (میٹرک) کے ساتھ درس نظامی (متوسطہ سے دورہ حدیث تک، بنین وبنات) کی مکمل تعلیم دی جاتی ہے اور طلبہ وطالبات کا قیام وطعام کا بندوبست کیا جاتا ہے، جامعہ کے زیر انتظام گلگت اور اس کے مضافات میں کئی ذیلی شاخیں کام کرتی ہیں۔ نیز جامعہ کے زیر اہتمام درج ذیل شعبے بھی کام کرتے ہیں۔

۱۔ شعبہ دار الافتاء والقضاء ۲۔ شعبہ تحقیق وتالیف ۳۔ شعبہ تعلیم وتربیت ۴۔ شعبہ نشر واشاعت اور ابلاغیات
۵۔ شعبہ فلاح وبہبود اور ویلفیئر ۶۔ شعبہ قیام وطعام ۷۔ شعبہ حساب ۸۔ شعبہ تعمیرات

آیئے...... ان عظیم مقاصد کی تکمیل کے لئے دامے درمے، قدمے سخنے ہمارے شانہ بشانہ کھڑے ہو جائیں، اصلاح معاشرہ، خلافت راشدہ کے قیام، تحفظ ناموس رسالت وصحابہ اور ملی فرائض کی ادائیگی کے لئے عملی اقدام کریں اور اپنی زکوٰۃ، صدقات اور خیرات کے ذریعے ادارے کی تعمیر وترقی میں حصہ لیں اور **وتعاونو علی البر والتقوىٰ** کا عملی ثبوت دیں۔

جامعہ کے اغراض ومقاصد

دین اسلام کی سربلندی ☆ اہل سنت والجماعت کے علمی ورثے اور شعائر اسلام کی حفاظت وتبلیغ
نظام خلافت راشدہ کے قیام کے لئے جدوجہد ☆ قرآن وحدیث کی تعلیم، تفہیم وترویج

الداعی الی الخیر: (حضرت مولانا قاضی) نثار احمد
رئیس جامعہ نصرۃ الاسلام و جامعہ عائشہ صدیقیہ، عید گاہ روڈ، گلگت، گلگت بلتستان
فون نمبر 453279-452451, 0925811+
اکاؤنٹ نمبر بنام: جامعہ اسلامیہ نصرۃ الاسلام حبیب بینک (بمد صدقات) گلگت برانچ: 03-00268709-0107
جامعہ اسلامیہ نصرۃ الاسلام الائیڈ بینک (بمد زکوٰۃ) گلگت برانچ: 3-3643-100-01